اللہ تعالیٰ کے ان بندوں نے مسندِ درس سے ... [illegible]

کھلے ہوئے ملیں گے۔

ان دونوں جلیل القدر عالمِ دین کو شرف بیعت اور نسبت ... [illegible] حضرت ... شاہ محمد بدرالدین قادری پھلواروی قدس اللہ سرہٗ سے حاصل تھا جن کے علمی و عرفانی فیض کا سلسلہ ... [illegible]

دائر و سائر ہے۔

خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف سے جناب حضور سجادہ نشین مدظلہ العالی کے فرستادہ جناب مولانا حکیم محمد عماد الدین صاحب قادری نے آرہ میں ۲۰؍ شوال ۱۳۹۱ھ کو بوقت ظہر نماز جنازہ پڑھائی اور آرہ شہر ... میں دفن کیے گئے۔

حق تعالیٰ مولانا موصوف پر مغفرت و رحمت کی بارش فرمائے۔ ادارہ "المجیب" موصوف کے ... جن میں ان کے صاحبزادگان و تلامذہ اور اراکین مدرسہ فیض الغربا بھی ہیں، ان کو کلمۂ تعزیت اور صبر جمیل ... [illegible]

اپنا مسودہ بھیجتے وقت

۱ یہ دیکھ لیجئے کہ آپ نے کاغذ کے ایک ہی طرف لکھا ہے؟ کاغذ کے دونوں جانب لکھنے سے مضمون کی اشاعت میں تاخیر ہو ...

۲ یہ تسلی کر لیجئے کہ مسودہ پر آپ کا نام اور مکمل پتہ درج ہے۔ مسودہ پر پورا پتہ نہ ہونے کی صورت میں آپ کی تخلیق اشاعت ...

۳ یہ جان لیجئے کہ دفتر میں آپ کے مسودہ کی ہر طرح حفاظت کی جاتی ہے۔ لیکن ناگزیر حالات کی بنا پر گم ہو ... اس کا ذمہ دار نہیں ٹھہرتا۔

ایڈیٹر "المجیب" پھلواری شریف

مضمون نگاروں سے

ناقابلِ اشاعت مضامین صرف اس وقت صاحبِ مضمون کو واپس بھیجے جائیں گے، جبکہ اس کے ساتھ ... بھی موجود ہو۔ بصورتِ دیگر انہیں ضائع کر دیا جائے گا۔

"ایڈیٹر"

جمعہ

(از جناب مولانا حکیم سید محمد طٰہٰ کمال ندوی استاذ شعبہ سینیہ مدرسہ شمس الہدیٰ پٹنہ)

مجھے اپنی زندگی کے وہ ایام یاد آرہے ہیں جبکہ میں نماز کی امامت سے بہت بھاگتا تھا۔ چنانچہ گیا کی جامع مسجد کی پیش امامی قبول کرنے کے لئے اخی المحترم قاضی احمد حسین صاحب مرحوم نے (جو گیا کی جامع مسجد کی مجلس منتظمہ کے سکریٹری تھے) جناب شاہ رحمت اللہ صاحب مرحوم کے توسط سے (اپنے زمانۂ حیات میں دونوں بزرگ مجھ سے بے حد خلوص و محبت رکھتے تھے) جب پیغام بھیجا اور اس خدمت کے لئے مجھے آمادہ کرنا چاہا تو میں نے صاف انکار کر دیا۔ لیکن اس گریز کے باوجود مجھے اپنے وطن آب گلہ کی مسجد میں بھی اور ہندوستان کے مختلف شہروں کی مسجدوں میں بھی جمعہ کی امامت وقتاً فوقتاً بارہا کرنی پڑی۔ ان ہی ایام میں میں نے محسوس کیا کہ عام مسلمانوں کے علاوہ خاص مسلمان بھی (خصوصاً جدید تعلیم یافتہ حضرات) جمعہ کے فضائل و برکات اس کے تہذیبی، تمدنی، اجتماعی فوائد و منافع اور اس کی سیاسی، ثقافتی اور معاشی اہمیتوں سے بالکل ناآشنا ہیں۔ میرے حساس دل نے محسوس کیا کہ اس موضوع پر لکھنا چاہئے۔ علمی اور وہ وسائل تحقیق جو دار العلوم ندوہ لکھنؤ یا دار المصنفین اعظم گڈھ میں مجھے نصیب ہو سکتے ہیں ان سے محروم ہونے کے باوجود جمعہ پر لکھنا شروع کر دوں، میں نے نکات بحث متعین کر لئے اور اب تک جو کچھ لکھ سکا ہوں ان کو قارئین المجیب کی خدمات میں قسط وار پیش کرنے کا سلسلہ شروع کر رہا ہوں۔ السعی منی والاتمام من اللہ۔

(طٰہٰ کمال ندوی)

جمعہ کی لغوی تحقیق و تشریح اور اس کے اعراب کا بیان

عربی زبان و لغت کے ماہرین مثلاً فرّاء اور واحدی وغیرہما نے جمعہ کے میم کو ضمہ، سکون اور فتحہ تینوں حرکتیں دی ہیں۔ یعنی جُمُعۃ، جُمْعۃ اور جُمَعۃ تینوں طرح سے پڑھا ہے اور جُمَعۃ بفتح المیم کی یہ توجیہ بیان کی ہے کہ یہ دن لوگوں کو جمع کرتا ہے اور بکثرت لوگ اس میں جمع ہوتے ہیں جیسا کہ لفظ ھُمَزَہ و لُمَزَہ کثرت سے طعنہ دینے والوں اور عیب چننے والے کو کہتے ہیں۔ ایام جاہلیت میں جمعہ کا نام عروبہ تھا (شرح مسلم نووی)

اس سلسلے میں مزید معلومات کے لئے ترمذی شریف کے حاشیہ پر قوت المغتذی کی جو عربی عبارت ہے وہ مع ترجمہ پیش

دارالاشاعت خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف کا دینی و علمی

ماہنامہ

المجیب

مسئول سید شاہ محمد حسین بی اے سہسرامی

دارالاشاعت خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف پٹنہ

لمعات

يُقْبَضُ الْعِلْمُ بِقَبْضِ الْعُلَمَاءِ

علماء کی رحلت سے علم کی دولت ختم ہو جاتی ہے۔ (حدیث نبوی)

بمصداق حدیث بالا، جب علماء اور اہل علم و فضل کی صفیں خالی ہوتی نظر آئیں اور اس جماعت میں کمی ہونے لگے تو درحقیقت اس کو علم کے خاتمہ کا موجب سمجھا جائے گا۔ بالخصوص وہ علمائے کرام جنہوں نے تحصیل علم و کمال کے بعد اس کی ترویج و تدریس اور تعلیم و تبلیغ ہی کو اپنا بہترین مشغلہ بنایا اور اپنے درس و افادہ سے کتنوں کو علم کی دولت سے مالا مال کیا وہ اگر آج ہم سے جدا ہوتے ہیں تو یقیناً یہ ایسا سخت سانحہ ہے جس کے اثر سے درس گاہوں اور علمی مرکزوں کو ماتم کدہ بن جانا چاہیئے۔

صوبہ بہار کے لئے خصوصاً یہ خبر نہایت محرومی و حسرت کی ہے کہ اس صوبہ کے دو زبردست عالم جلیل نے ایک ہفتہ کے فرق سے اپنی جانیں جان آفریں کے سپرد کر دیں اور مسند درس ہی سے داعی اجل کو لبیک کہا۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ۔

(۱) مولانا محبوب عالم صاحب اُستاد دارالعلوم مجیبیہ خانقاہ پھلواری شریف نے چند گھنٹوں کی علالت کے بعد ۱۲ر شوال ۱۳۹۱ھ کی صبح کو رحلت کیا۔ موصوف ایام طالب علمی میں بغرض تحصیل علم، پھلواری شریف کے مدرسہ مجیبیہ میں آئے اور ابتدائی تعلیم سے منتہی کتابوں تک پڑھ کر اسی مدرسہ میں تکمیل کی اور درسیات و علوم و فنون سے فراغت حاصل کر کے تدریسی فرائض پر مامور ہو گئے۔ ویسے تو موصوف نے مدرسہ خانقاہ مجیبیہ کے دوسرے اکابر مدرسین سے بھی درس لیا لیکن شروع سے آخر تک ان کے اُستاد، اُستاذ العلماء و فخر المدرسین حضرت مولانا شاہ محمد نظام الدین قادری پھلواروی مدظلہ العالی ہی رہے۔ حضرت والا کی نگاہِ شفقت اور بے مثل طرزِ تعلیم نے موصوف کو اتنا منجھا ہوا اور ٹھوس علم بخشا اور ایسی تدریسی صلاحیت عطا کی کہ موصوف اپنے وقت میں علوم و فنون کے بہترین مدرس ثابت ہوئے۔ کم و بیش ۴۰ – ۴۵ سال مسلسل مدرسہ مجیبیہ میں تدریسی خدمت انجام دی بلکہ اس وقت بھی ان کا درس جاری تھا کہ پیام اجل آ گیا۔

مولانا موصوف بڑی خاموش طبیعت اور بے حد صابر و ضابط انسان تھے۔ آپ کا اصل مکان نیا نواں ضلع پٹنہ تھا جو ۱۹۴۶ء کے ہنگامہ میں تباہ و برباد کر دیا گیا اور تمام لوگوں کے ساتھ موصوف کے اہل بیت و اہل قرابت بھی سب کے سب شہید ہو گئے صرف ایک صاحبزادے مولوی محمد یعسوب عالم صاحب بقید حیات رہ گئے۔ اس وقت جس صبر و تحمل کا موصوف نے ثبوت دیا تھا

ادا کرتا رہا۔

علمی مشغلہ اور تدریسی کاموں کے ساتھ موصوف، خانقاہ مجیبیہ کے اکابر دین و شیوخ طریقت حضرات کی خدمت بھی انجام دیتے تھے۔ بالخصوص اپنے مرشد و مربی حضرت محی الحق والملۃ مخدوم الانام مولانا شاہ محمد محی الدین قادری پھلواروی قدس اللہ سرہٗ کی آخری چند سال کی خدمت موصوف نے جس تندہی و دلسوزی سے انجام دی تھی اس سے ان کو ایک مرتبہ و مقام حاصل ہوا ؎

"یہ رتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا"۔

الغرض بہت ساری خوبیوں کے مالک تھے اور اپنے اعمال صالحہ میں مشغلۂ علمی اور خدمت اساتذہ و اکابر کا خصوصی سرمایہ ساتھ لے گئے۔ نَوَّرَ اللّٰہُ اَجْرَہٗ وَثَوَّابَہٗ۔

۱۲ر شوال چہار شنبہ ۱۳۹۱ھ کو بعد نماز مغرب خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف میں جناب حضور حضرت مولانا شاہ محمد امان اللہ صاحب قادری سجادہ نشین مدظلہٗ نے نماز جنازہ پڑھائی اور باغ مجیبی میں اکابر و شیوخ سلسلہ مجیبیہ کے جوار میں دفن کئے گئے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ ان پر خصوصی نوازش مغفرت و رحمت فرمائے۔ موصوف کے صاحبزادے مولوی محمد یعقوب عالم انسپکٹر آف اسکول شاہ آباد آرہ کی خدمت میں ادارہ "المجیب" تعزیت مسنون پیش کرتا ہے۔

(۲) مولانا محمد ابراہیم قادری صدر مدرس مدرسہ فیض الغرباء آرہ۔

آرہ کے مشہور عالم و مفتی مولانا محمد ابراہیم صاحب اگرچہ ادھر چند سال سے بہت ضعیف و کمزور ہو گئے تھے مگر مدرسہ کی ذمہ داری اور تدریسی مشاغل جاری تھے کہ اسی حال میں بغیر کسی خاص علالت کے ۱۹ر شوال ۱۳۹۱ھ کی رات میں انتقال کیا۔

موصوف، آرہ شہر کے مشہور و معروف علماء مدرسین مولانا رحیم بخش اور مولانا عبدالغفور علیہما الرحمۃ کے مخصوص شاگرد تھے۔ اسی مدرسہ فیض الغرباء میں درسیات کی تکمیل کی، پھر مدرس ہو کر تدریس کے فرائض انجام دینے لگے۔ اور اپنے ان اساتذہ کے بعد مدرسہ کی ساری ذمہ داری تدریسی و انتظامی اپنے کاندھوں پر لے لی اور آخر عمر تک اس کو انجام دیا۔

مولانا موصوف میں مدرسہ چلانے کا ملکہ اور درس و تدریس کی مہارت پوری طرح موجود تھی چنانچہ مدرسہ فیض الغرباء کی تدریس کے ساتھ اہتمام کا پورا بار برداشت کر کے مدرسہ کو فروغ و ترقی دیتے رہے اور ان کی سعی سے تقریباً ہر دو ایک سال کے بعد مدرسہ سے تکمیل درسیات کرنے والے اور حافظ ختم کرنے والوں کی کافی تعداد فارغ ہوتی رہی، جن کے لئے فاتحہ فراغ اور دستار بندی کا جلسہ کرنا بھی مولانا موصوف کی ایک قدیمی روایت تھی اور آرہ شہر کا ایک شاندار کارنامہ۔

مدرسہ کے ان ہی مشاغل اور سرگرمیوں میں ساری عمر گذار دی اور تدریسی سلسلہ آخر وقت قائم رکھا۔ صوبہ بہار کے عربی مدارس اور ان کے طلباء کے لئے یہ بہت بڑی محرومی کی بات ہے کہ ان کے درمیان سے ایسے مشفق اساتذہ اور اتنے بلند پایہ مدرسین اٹھتے جا رہے ہیں جن کا اب کوئی بدل نہیں ہو سکتا۔

اللہ تعالیٰ کے ان بندوں نے مسند درس سے سیدھے راہ آخرت اختیار کیا۔ امید ہے کہ دروازے جنت ان کو کھلے ہوئے ملیں گے۔

ان دونوں جلیل القدر عالم دین کو شرف بیعت اور نسبت توسل حضرت اقدس فیاض المسلمین مولانا شاہ محمد بدرالدین قادری پھلواروی قدس اللہ سرہٗ سے حاصل تھا جن کے علمی و عرفانی فیضان کا سلسلہ صوبہ بہار کے گوشہ گوشہ میں دائر و سائر ہے۔

خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف سے جناب حضور سجادہ نشین مدظلہٗ العالی کے فرستادہ جناب مولانا شاہ حکیم محمد عماد الدین صاحب قادری نے آرہ میں ۲۰ شوال ۱۳۹۱ھ کو بوقت ظہر نماز جنازہ پڑھائی اور آرہ شہر کے مقبرہ میں دفن کئے گئے۔

حق تعالیٰ مولانا موصوف پر مغفرت و رحمت کی بارش فرمائے۔ ادارۂ "المجیب" موصوف کے پسماندگان جن میں ان کے صاحبزادگان و تلامذہ اور اراکین مدرسہ فیض الغربا بھی ہیں، ان کو کلمۂ تعزیت اور صبر جمیل پیش کرتا ہے۔
(ادارہ)

جمعہ

(از جناب مولانا حکیم سید محمد طٰہٰ کمال ندوی استاذ شعبہ سنیہ مدرسہ شمس الہدیٰ پٹنہ ۶)

مجھے اپنی زندگی کے وہ ایام یاد آرہے ہیں جبکہ میں نماز کی امامت سے بہت بھاگتا تھا۔ چنانچہ گیا کی جامع مسجد کی پیش امامی قبول کرنے کے لئے اخی المحترم قاضی احمد حسین صاحب مرحوم نے (جو گیا کی جامع مسجد کی مجلس منتظمہ کے سکریٹری تھے) جناب شاہ رحمت اللہ صاحب پیر بگھوی مرحوم کے توسط سے (اپنے زمانۂ حیات میں دونوں بزرگ مجھ سے بے حد خلوص و محبت رکھتے تھے) جب پیغام بھیجا اور اس خدمت کو قبول کرنے کے لئے مجھے آمادہ کرنا چاہا تو میں نے صاف انکار کر دیا لیکن اس گریز کے باوجود مجھے اپنے وطن آب گلہ کی مسجد میں بھی اور ہندوستان کے مختلف شہروں کی مسجدوں میں بھی جمعہ کی امامت وقتاً فوقتاً بارہا کرنی پڑی۔ ان ہی ایام میں میں نے محسوس کیا کہ عام مسلمانوں کے علاوہ خاص مسلمان بھی (خصوصاً جدید تعلیم یافتہ حضرات) جمعہ کے فضائل و برکات اس کے تہذیبی، تمدنی، اور اجتماعی فوائد و منافع اور اس کی سیاسی، ثقافتی اور معاشی اہمیتوں سے بالکل ناآشنا ہیں۔ میرے حساس دل نے محسوس کیا کہ اپنی علمی بے بضاعتی اور وہ وسائل تحقیق جو دارالعلوم ندوہ لکھنؤ یا دارالمصنفین اعظم گڈھ میں مجھے نصیب ہو سکتے ہیں ان کے فقدان کے باوجود جمعہ پر لکھنا شروع کردوں، میں نے نکات بحث متعین کر لئے اور اب تک جو کچھ لکھ سکا ہوں ان کو قارئین المجیب کی خدمت میں قسط وار پیش کرنے کا سلسلہ شروع کر رہا ہوں۔ السعی منی والاتمام من اللہ۔ (طٰہٰ کمال ندوی)

جمعہ کی لغوی تحقیق و تشریح اور اس کے اعراب کا بیان

عربی زبان و لغت کے ماہرین مثلاً فرّاء اور واحدی وغیرہما نے جمعہ کے میم کو ضمہ، سکون اور فتحہ تینوں حرکتیں دی ہیں۔ یعنی جُمُعَہ، جُمْعَہ اور جُمَعَہ تینوں طرح سے پڑھا ہے اور جُمَعَہ بفتح المیم کی یہ توجیہ بیان کی ہے کہ یہ دن لوگوں کو جمع کرتا ہے اور بکثرت لوگ اس میں جمع ہوتے ہیں جیسا کہ لفظ ھُمَزَہ و لُمَزَہ کثرت سے طعنہ دینے والوں اور عیب چننے والے کو کہتے ہیں۔ ایام جاہلیت میں جمعہ کا نام عروبہ تھا (شرح مسلم نوادی)

اس سلسلے میں مزید معلومات کے لئے ترمذی شریف کے حاشیہ پر قوت المغتذی کی جو عربی عبارت ہے وہ مع ترجمہ پیش

کی جاتی ہے تاکہ عربی مدارس کے طلبہ بھی میرے مقالہ سے دلچسپی لیتے رہیں۔

المشهور فی الجمعة ضم المیم وقد تسکن وقرء بها الاعمش وحکی عن الفراء بفتح المیم وعن الزجاج بکسرها ایضاً وکان هذا الیوم یسمّی عروبة (بفتح العین المهملة وضم الراء وبالباء الموحدة) وتسمیة الجمعة قبل لاجتماع خلق العالم وتمامه فیه لان ابتدائه یوم الاحد وتم فی الجمعة کذا ذکره ابو حذیفة عن ابن عباس وفی اسناده ضعف وهذا الخبر یدل علی تعیین الایام واسمائها قبل خلق العالم ولا یخلو تعقل ذالک عن اشکال والله اعلم وقیل لان خلق آدم تم واجتمع فیه روی هذا القول احمد وابن خزیمة من حدیث سلمان وابن ابی حاتم واحمد من حدیث ابی هریرة وهذا اصح الاقوال روایةً وقیل کان کعب بن لوی یجمع قومه فی هذا الیوم ویذکرهم ویامرهم بتعظیم حرم الله تعالی ویخبرهم بخروج نبی آخر الزمان

وقال ابن حزم تسمیة بالجمعة لاجتماع الناس فیه للصلوٰة وهو اسم اسلامیٌ وکان اسمه فی الجاهلیة العروبة لا الجمعة، ذکره فی اللمعات

(حاشیہ ترمذی شریف ج ۱ صفحہ ۱۴ (مطبع مجتبائی دہلی)

لفظ جمعہ ضمۂ میم کے ساتھ مشہور ہے اور کبھی میم کو ساکن بھی پڑھتے ہیں اور جُمْعَہ کہتے ہیں اور یہ قرأت اعمش کی ہے۔ فرّا سے بفتح میم یعنی جُمَعَہ مروی ہے اور زجاج نے جُمِعَہ میم کے کسرہ کے ساتھ اس لفظ کا اعراب بیان کیا ہے۔ عہد اسلام سے پہلے دور جاہلیت میں جمعہ کا نام عروبہ تھا۔ جمعہ کی وجہ تسمیہ کے متعلق چند مختلف روایتیں ہیں جن میں سے ایک روایت یہ ہے کہ آفرینش عالم کی ابتدا یکشنبہ کے دن ہوئی اور پیدائش عالم کا اتمام جمعہ کے دن ہوا اس طرح ساری خلقت عالم کا اجتماع جمعہ کے دن ہوا لہذا اس کو یوم الجمعہ کا نام دیا گیا۔ اس حدیث کو ابوحذیفہ نے ابن عباس سے روایت کرتے ہوئے بیان کیا ہے لیکن اس کے اسناد میں ضعف ہے، ابوحذیفہ کی بیان کردہ حدیث اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ ایام اور ان کے ناموں کی تعیین آسمان و زمین کی پیدائش سے پہلے ہی ہو چکی تھی۔ ایسی باتوں کو سمجھنے میں چند اشکال پیش آتے ہیں اور اس حدیث کی اسناد میں ضعف بھی ہے۔

جمعہ کی وجہ تسمیہ کے متعلق دوسرا قول یہ ہے کہ آدم علیہ السلام کی پیدائش کا کام جمعہ ہی کے دن پورا ہوا اور وہ جمعہ ہی کے دن اپنی بچھڑی ہوئی بیوی حوا علیہا السلام سے ملے واجتمع فیہ کا ایک دوسرا مطلب یہ بھی ہے کہ تمام ذریات آدم کی یکجائی ازل میں (جبکہ عالم و ایام عالم کا روحانی خاکہ تیار کیا گیا تھا) جمعہ ہی کے دن ہوئی تھی۔ اس قول کو احمد اور ابن خزیمہ نے سلمان کی روایت کردہ حدیث سے اخذ کیا ہے اور ابن ابی حاتم اور احمد نے حضرت ابوہریرہ کی حدیث سے

ملاذکیا ہے" اور یہ قول جمعہ کی وجہ تسمیہ کے متعلق اصح الاقوال ہے۔

جمعہ کی وجہ تسمیہ کے متعلق یہ قول بھی ہے کہ کعب ابن لوی اپنی قوم کو (عروبہ یعنی جمعہ کے دن) جمع کرتے تھے اور ان کو وعظ و تذکیر سے بہرہ ور فرماتے تھے اور ان کو "حرم خدا" کی تعظیم پر آمادہ فرماتے تھے اور نبی آخر الزماں (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ظہور کی بشارتیں دیا کرتے تھے۔

جمعہ کی وجہ تسمیہ سے متعلق ابن حزم کا یہ قول ہے کہ جمعہ کے دن لوگ نماز کے لئے جمع ہوتے ہیں اس لئے اس دن کا اسلامی نام جمعہ ہے۔ ایام جاہلیت میں اس کا نام جمعہ نہیں تھا بلکہ عروبہ تھا۔

جمعہ کے نام کی توجیہہ میں تو علماء کا اختلاف ہے لیکن ایام جاہلیت میں اس کا نام عروبہ تھا۔ اس پر علماء کا اتفاق ہے چنانچہ فتح الملہم شرح صحیح مسلم میں ہے

واختلف فی تسمیہ الیوم بلا الثلث مع الاتفاق علی انہ کان یسمّٰی فی الجاهلیہ العروبۃ۔	اس امر میں کہ جمعہ کا نام جمعہ کیوں رکھا گیا اختلاف ہے۔ لیکن اس پر اتفاق ہے کہ ایام جاہلیت میں اس کا نام عروبہ تھا

(فتح الملہم صفحہ ۳۸۰ مدینہ پریس بجنور)

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم اس بات کو بھی سمجھتے چلیں کہ ایام جاہلیت میں جمعہ کا نام عروبہ کیوں تھا؟

عروبہ کی لغوی تشریح وتحقیق :- عروبہ کے لغوی معنی دو طرح سے بیان کئے گئے ہیں چنانچہ

المنجد میں ہے العروب والعروبۃ من النساء الضاحکۃ العاصیۃ زوجھا	عروب و عروبہ عورتوں میں سے اس عورت کو کہتے ہیں جو خوب ہنسنے ہنسانے والی ہو اور اپنے شوہر کی نافرمانی کرنے والی ہو۔

لیکن مختار الصحاح میں ہے والعروب من النساء لوزن العروس المتحببۃ الی زوجھا والجمع عُرُبٌ۔ عروب بروزن عروس اس عورت کو کہتے ہیں جو اپنے شوہر سے خوب محبت کرتی ہو اس کی جمع عُرُبٌ۔

قرآن حکیم میں بھی عُرُبًا اترابا کا لفظ حوران جنت یا جنتی خواتین کے لئے آیا ہے۔ عروبہ کے دونوں لغوی معنی کی روشنی میں جمعہ کے جاہلی نام عروبہ کی یہ وجہ سمجھ میں آتی ہے کہ حوا علیہا السلام نے گندم خوری کے سلسلہ میں حضرت آدم علیہ السلام کی نافرمانی کی تھی لیکن اس نافرمانی کے باوجود وہ ان کے لئے ضحاکہ بھی تھیں اور روئے زمین پر جمعہ کے دن وہ آدم علیہ السلام سے ملیں اس لئے اس کا نام دور جاہلیت میں عروبہ مشہور تھا۔

جنت میں (بعد مردن) حوا علیہ السلام اور تمام جنتی عورتیں اپنے اپنے شوہر سے انتہائی محبت کرنے والی ہوں گی اور جمعہ ہی کے دن سب اپنی قبروں سے اٹھیں گے اس لئے دور جاہلیت میں جمعہ کا نام عروبہ رکھ دیا گیا تاکہ آدم و حوا کے ساتھ ساتھ تمام زن وشو کی باہمی محبت کے سبق کو یہ دن (جمعہ عروبہ) یاد دلاتا رہے۔ یہ ایک لغوی قیاس آرائی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

ہیں جمعہ کی وجہ تسمیہ خود رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے جو بتائی ہے وہ بہت ہی معنی خیز ہے۔ قوت القلوب کی گذشتہ عبارت میں اسی حدیث کی طرف اشارہ ہو چکا ہے۔

جمعہ کی وجہ تسمیہ قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں :- آپ مندرجہ ذیل حدیث کو بغور پڑھیں اور سمجھیں۔

(۱) عن ابی ھریرۃؓ قال قیل للنبی صلی اللہ علیہ وسلم لای شئ سمی یوم الجمعۃ قال لان فیھا طبعت طینۃ ابیک آدم وفیھا الصعقۃ والبعثۃ وفیھا البطشۃ وفی آخر ثلث ساعات منھا ساعۃ من دعا اللہ فیھا استجیب لہ۔ رواہ احمد

(مشکوۃ ص ۱۲۱ مطبع مجیدی کانپور)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کہا گیا کہ کس سبب سے جمعہ کا نام جمعہ رکھا گیا ہے تو آپ نے فرمایا کہ اس سبب سے کہ اسی دن میں تمہارے باپ آدم کی طینت (بطور پختہ خمیر) تیار کی گئی۔ اور اسی دن قیامت کا ہوش ربا صور پھونکا جائیگا اور لوگ قبروں سے اٹھائے جائیں گے اور اسی دن سزا اور جزا کی گرفت ہوگی اور جمعہ کی آخری تین گھڑیوں میں ایک گھڑی اور ایک ساعت ایسی ہے کہ اس میں جو شخص اللہ سے دعا مانگے گا اس کی دعا مستجاب ہوگی روایت کی اس حدیث کو احمد نے۔

(۱) طینت آدم کی تیاری (۲) صعقہ - (۳) بعثت - (۴) بطشہ - (۵) مقبولیت دعا کی خاص ساعت یہ پانچوں باتیں یوم جمعہ کی اجتماعی صفت اور اس کے خصائص جامعہ کو بیان کررہی ہیں۔ (باقی آئندہ)

تنویرات

پیری و مریدی

(از حضرت مولانا شاہ ظہور الحق ظہور عمادی مجیبیؒ —— مترجم جناب محبوب الرحمٰن ندوی)

آج کل پیری و مریدی کے ہنگامے کا عام شور ہے مگر ان دونوں امور کے حق کی ادائیگی میں بڑی مشکل ہے اور یہ دونوں مقام مزلت اقدام ہیں۔ کیونکہ اگر پیر یا مرید ذرا بھی خط اعتدال سے پیر باہر رکھے تو بڑا ظالم ہے۔ ایک جماعت جہالت کی وجہ سے حقیقت الامر ہی سے منکر ہیں تو دوسرے لوگ بت پرستوں کی طرح باطل کو حق بنانے کے لئے مصر ہیں۔ اور تیسرا گروہ ان کے درمیان نہ ادھر ہے نہ ادھر بلکہ تذبذب میں ہے۔ "لا الی ھٰؤلاء و لا الی ھٰؤلاء" کے مصداق ہے۔ ضروری یہ ہے کہ پہلے اس کی حقیقت سمجھی جائے، پھر شرائط اور پھر اس کے حقوق پہچانے جائیں۔

بیعت کی حقیقت آیات الٰہیہ اور احادیث نبویہ سے ثابت ہے اور تین باتوں پر مشتمل ہے۔ پہلی یہ کہ توبہ ہر گناہ گذشتہ سے اور وعدہ اجتناب ہر گناہ آئندہ سے اور فرماں برداری اوامر و نواہی کی کرے جیسا کہ اس کلام ربانی سے مستنبط ہوتا ہے۔ "یا ایھا النبی اذا جاءک المؤمنات یبایعنک علی ان لا یشرکن باللہ شیئاً و لا یسرقن و لا یزنین و لا یقتلن اولادھن و لا یاتین ببھتان یفترینہ بین ایدیھن و ارجلھن و لا یعصینک فی معروف فبایعھن و استغفر لھن اللہ ان اللہ غفور الرحیم" دوسری اعانت و نصرت بیعت کا عہد واثق جان و مال سے بشرطیکہ اوامر و نواہی الٰہیہ کے مخالف نہ ہو جو بات اس آیت سے معلوم ہوتی ہے۔ "ان الذین یبایعونک انما یبایعون اللہ ید اللہ فوق ایدیھم فمن نکث فانما ینکث علی نفسہ و من اوفی بما عاھد علیہ اللہ فسیوتیہ اجراً عظیما" تیسری سلسلۂ مسلسل کو وسیلہ جانے اور توسل اسی سے کرے اور اپنے کو اس سلسلہ سے وابستہ سمجھ کر درگاہ خداوندی میں دونوں جہان کے لئے اصحاب سلسلہ کو شفیق لاوے جیسا کہ اس آیۂ کریمہ سے سمجھ میں آتا ہے۔ "یا ایھا الذین اٰمنوا اتقوا اللہ و ابتغوا الیہ الوسیلۃ"۔

بیعت کی شرطوں میں تین شرطیں تو پیروں پر ہیں۔ پہلی یہ کہ خود توبہ گناہوں سے کر چکا ہے تب دوسروں سے توبہ لے اور ان کے

گواہ ہے۔ ایسا نہ ہو کہ اس آیت کے خطاب میں شامل ہو " اتامرون الناس بالبر و تنسون انفسکم"۔ دوسری یہ کہ اس کے متعلق پورا علم رکھتا ہو کیونکہ اگر خود ہی کم علم ہوگا تو دوسرے کی رہبری کیسے کرے گا۔ اور جو کام بھی کرے بے ریا اور للّٰہ کرے تاکہ اس کی مدد بعینہٖ خدا کی مدد ہو اور اس کی نیت بڑائی اور جاہ کی نہ ہو۔ بلکہ مقصود اس کا اللہ کی خوشنودی ہو۔ اور تیسری یہ کہ خود اس کا سلسلہ ٹھیک ہو اور اس کا توسل درست ہو۔ اور تین شرطیں مریدوں پر ہیں پہلی یہ کہ تو بہ صدق دل سے کرے اور نیت اس پر قائم رہنے کی ہو۔ دوسری یہ کہ اطاعت کا وعدہ صرف زبانی نہ ہو بلکہ دل و جان سے ہو تاکہ جو بھی اوامر و نواہی الٰہیہ پیر سے سنے اس کا انقیاد کرے اور حتی الوسع اس کی بجا آوری میں لگا رہے اور جان و مال سے پیر کے حکم پر حاضر رہے۔ اور تیسری شرط یہ ہے کہ اپنے کو اس زمرہ میں شمار کرے اور اس کے صلہ کو ہر صلہ سے بالاتر جانے اور اپنے ہر کام میں اس کی مدد چاہے۔

اب رہے حقوق تو سات پیروں کے لئے ہیں۔ پہلا کہ تکبر کی راہ سے مریدوں پر تفوق نہ کرے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں آیا ہے " واخفض جناحك لمن اتبعك من المومنین " تو دوسرے کی کیا بساط۔ اور پھر یہ تو معلوم نہیں کہ حسن عاقبت کس کے لئے ہے اور سوء خاتمہ کس کے لئے۔ مگر مریدوں میں ایسا ہم رنگ ہو کر بھی نہ بیٹھے کہ ہیبت اور جلالت اس کی ان کے دل سے چلی جائے اور فیض کی راہ منقطع ہو جائے کہ ان کے پاس نبوت کی قوت تو ہے نہیں کہ ہیبت خدا داد ہو۔ یہاں بات بڑی نازک ہے بصورت فرعون یعنی کلیم ظاہر میں صدر نشیں اور باطن میں پائین ترین۔ دوسرا یہ کہ عجب سے اپنے آپ پر اور اپنی شفاعت پر بھروسہ نہ کرے بلکہ آپ کو درمیان ہی سے اٹھا لے۔ اور مریدوں کو اپنے پیروں کے حوالے کر دے اور اپنی فلاح کی امید انہیں کی بدولت رکھے۔ تیسرا مرید کرنا اپنی روزی کے لئے نہ کرے اور اپنے شہوانی اور نفسانی امور میں ان سے مدد کا طالب نہ ہو۔ چوتھا۔ کہ امر و نہی میں ان کی طاقت کا لحاظ رکھے اور یکایک کمزور دل پر بھاری بوجھ نہ ڈال دے۔ پانچواں۔ کہ مرید کی فلاح دارین کے لئے جناب الٰہی میں برابر دعا کرتا رہے۔ چھٹا۔ کہ مریدوں کے کام میں شفقت اور دردمندی کے ساتھ معاون و مددگار رہے بشرطیکہ وہ کام شریعت و طریقت کے خلاف نہ ہو۔ اور بصورت دیگر نصیحت کرے جیسا کہ باپ اپنے بیٹوں کے معین و مددگار ہوتے ہیں۔ اور ساتواں۔ یہ کہ وہ سارے کام سے جو مریدوں کے عقاید کے سستی کا موجب ہوں حتی الامکان اپنے کو محفوظ رکھے۔ اور سبک سرانہ ہزل اور کھیل کود میں نہ دوڑتا پھرے۔

اور سات ہی حقوق مریدین پر ہیں۔ پہلا یہ کہ اپنے پیر کو اپنے حق میں نائب رسول صلی اللہ علیہ وسلم جانے اور جس طرح صحابہ کرام دربارہ تعظیم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کرتے تھے کرے۔ دوسرا یہ کہ اپنے پیر کو اپنے توبہ کا گواہ رکھے اور اگر اتفاقاً کوئی گناہ اس سے سرزد ہو جائے اور اسے معلوم ہو کہ اس کی خبر اس کے پیر کو ہو گئی ہے تو دوبارہ توبہ پیر کے سامنے کرے اور اسے اپنا گواہ اس دن کے لئے بنا لے کہ جس دن کے بارے میں آیا ہے " فکیف اذا جئنا من کل امت بشہید و جئنا بك علی ھولاء شہیدا " تیسرا۔ یہ کہ اپنے پیر کو حتی الوسع اپنے سے راضی رکھے۔ چوتھے۔ یہ کہ جان، مال، والدین، اولاد، ازواج سب کی محبت و دوستی پر پیر کی دوستی کو بالا رکھے، ہاں اس قدر مراعات ضرور ملحوظ رکھے کہ اللہ کی محبت سب سے بالاتر ہے اس کے بعد رسول اللہ

علیہ وسلم کی اس کے بعد آل واہلبیت واصحاب و ذریۂ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعد ان کے محبت پیروں کی ہے۔ پانچواں یہ کہ حاضر وغائب ایمان اور دل سے پیر کی پیروی کرے تاکہ اس کے منافقوں کے زمرہ میں نہ گنا جائے۔ چھٹا یہ کہ پیروں کے لئے اللہ سے دعا کرتا رہے اور ان کے لئے اللہ سے طلب مغفرت اور دعا اپنے لئے لازم کرے۔ اور ساتواں، یہ کہ پیر کے گھر والوں اور اولاد کے بارے میں ویسا ہی ادب ملحوظ رکھے۔ جیسا صحابہ کرام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آل و اہلبیت کے لئے رکھتے تھے۔

"تنویر" پیر کا اخلاق اور مرید کے آداب ایک دوسرے کے لازم ملزوم ہیں۔ ہر ایک دوسرے پر موقوف ہے مثلاً مرید اگر اعتقاد نہیں رکھتا ہے اور پیر کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نائب نہیں مانتا ہے تو پیر امر ونہی کی تبلیغ میں معذور ہے۔ اور اگر پیر مرید کے ساتھ ہزل وکھیل کود سے پیش آتا ہے اور سبک سری میں شریک کر لیتا ہے تو مرید عدم تعظیم کے لئے کما حقہٗ مجبور ہے وعلی ہذا القیاس۔ لیکن اگر بدخلقی پیر کی مرید کی کسی حرکت کی وجہ سے ہے تو مرید سے باز پرس ہوگی اور اگر بے ادبی مرید کی پیر کی بدخلقی سے ہے تو پرشش پیر سے ہوگی۔ پھر بھی اگر دونوں ایک دوسرے کے لئے استغفار کرتے ہیں اور اپنے اپنے حقوق معاف کرا لیتے ہیں تو امید ہے کہ روز جزا ایک دوسرے سے دست بگریباں نہ ہوں گے۔ ورنہ جس نے جس کے بھی حقوق تلف کئے ہیں اس سے اس کی باز پرس ہوگی۔

"مسئلہ" اگر کسی شخص نے غلطی سے کسی سے بیعت کر لی اور بیعت کے بعد اس کو صحیح پتہ چلا کہ سلسلہ اس شیخ کا درست نہیں ہے یا وہ فاسق وفاجر ہے یا گناہ کبیرہ پر مصر ہے یا اوامر ونواہی الٰہی سے ناواقف ہے یا عقیدہ ہی اس کا فاسد ہے تو بیعت درست نہیں ہے اس کی مثال بیع بے ثمن یا بیع بثمن عذرکی ہے۔ اگر بیچارہ کو پاس ماتھ دینے کا ہے تو اس کو چاہئے کہ پیر کا سلسلہ درست کرائے اور اس سے کہے کہ اجازت صحیح کہیں سے حاصل کر لے اور فسق وجہر اور کبیرہ سے توبہ کر لے مسلم اوامر ونواہی کا سیکھے اور عقائد کو درست کرے پھر دوبارہ اس سے بیعت کر لے۔ ورنہ کسی دوسرے سے جس پر اس کا عقیدہ ہو بیعت کرے اور پہلی بیعت کو ایسا جانے کہ گویا اس نے بیعت ہی نہیں کی۔

مسئلہ :- اگر بیعت کرنے کے بعد پیر سے کوئی گناہ سرزد ہوتے دیکھے مگر بطریق اصرار نہیں تو بیعت میں کوئی خلل نہیں واقع ہوگا۔ خدا سے پیر کی بخشش کے لئے دعا کرے اور پیر کو نصیحت کرے

مسئلہ :- مرید ہونے کے بعد اگر مرید سے بدعقیدگی ظاہر ہو تو بیعت میں خلل نہیں پڑے۔ جب بھی اس کو توفیق ہو توبہ کر لے اور بیعت اپنی جگہ پر رہے گی کیونکہ حکم ارتداد شریعت ہی ہے اور طریقت کا ارتداد اس سے زیادہ نہیں ہے۔

مسئلہ :- اگر مرید تقربات الٰہیہ اور علوم لدنیہ میں پیر سے بڑھ جائے تو مرید کو چاہئے کہ خود برباد نہ ہو اور پہلے حقوق کے مراعات کو بھول نہ جائے اور اس بیج کو جس سے وہ درخت متفرع ہوا ہے ضائع نہ کرے اور پیر سے کتمان اسرار اور سر استار نہ کرے۔ مگر وہ جن کے اظہار میں خلل دیکھے۔ جیسا خود ترقی کی ہے پیر کی ترقی بھی چاہے" ھل جزاء الاحسان الا الاحسان"۔

تنویر :- طریقت میں چار قسم کے پیر ہیں۔ پہلا پیر بیعت کہ جس کی حقیقت وشرائط وحقوق بیان کر چکا ہوں

گو پیر رتبہ اس کا دوسروں سے کم ہے۔ پھر بھی ایک کی بیعت کے بعد دوسرے کی بیعت کرنا درست نہیں۔ ایک بیع کے اوپر دوسری بیع جائز نہیں۔ اور دنیا میں کم ہی ایسے لوگ ہیں جن کا پیر بیعت نہ ہو چاہے صحیح چاہے فاسد تو اس بیع پیر بیعت سب سے بالا نظر آتا ہے۔ دوسرا پیر ارشاد کہ جو ان اشغال و اذکار کو جو سینہ بسینہ اس تک پہنچے ہیں مرید تک پہنچا دیتا ہے گو صاحب صحبت کا فیض منزل مقصود تک نہیں پہنچا سکتا۔ تیسرا۔ پیر صحبت کہ جس کی صحبت سے فیض حاصل ہوتا ہے کہ سالک کو جو طریقہ بھی پیش آتا ہے اس کے نور سے اپنی مشعل روشن کرتا ہے۔ چوتھا پیر فرقہ کہ خود پائے استقامت رکھتا ہے۔ جنبش اور لغزش کا گذر اس تک نہیں۔ لنگر حلم اور کوہ تمکین ہوتا ہے صبر و شکر و رضا و قناعت و توکل اس کا مقام ہے۔ پیر فرقہ کا مرتبہ سب سے بالاتر ہے اور اس کے حقوق بھی سب سے زیادہ ہیں۔ اس کے بعد پیر صحبت اور اس کے بعد پیر ارشاد اور اس کے بعد پیر بیعت۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ مرید کا ایک ہی پیر ہوتا ہے اور وہ چاروں کے لئے کافی ہوتا ہے ورنہ اکثر پیر بیعت اور پیر ارشاد اور پیر صحبت کوئی دوسرا اور پیر ارشاد کوئی دوسرا ہوتا ہے۔ اور بہت کم ایسا ہے کہ کسی پیر کی ضرورت نہیں ہوتی اور صرف متابعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مقصود حاصل ہو جاتا ہے ایسا شخص ہزاروں میں ہوتا ہے۔

تنویر:۔ اے میری جان ناتواں خبردار! اس مملکت میں چار خونخوار ہیں جو تیری جان کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں کسی حال بھی دست تطاول تجھ سے نہیں موڑتے۔ شیطان و نفس و دنیا و خلق۔ شیطان وہ ہے کہ اگر تو گناہ کرے تو تجھے توبہ سے منع کرے۔ اگر طاعت کرنا چاہے تو تیری نیت کو فاسد کرے۔ تیری شہوانی خواہش میں ممد و معاون اور کار ربانی میں موسوس مبیں۔ اگر گناہ کرے تو حجابت سے محجوب کرے۔ اور اگر عبادت کرے تو گھمنڈ اور عزور تجھے مغلوب کرے اور نفس وہ دشمن دربغل ہے کہ ہمیشہ تجھ کو اپنی ہی شادی و غم میں مصروف رکھتا ہے۔ ہر دم بیہودہ باتوں میں عمر ضائع کرتا ہے اور خود تو اپنی ہی باتوں میں وقت صرف کرتا ہے۔ بلا امتیاز اس کے کہ کوئی سنتا ہے یا نہیں۔ شہوتوں میں چالاک و چست ہے اور عبادتوں میں دردناک و سست۔ اور دنیا وہ بڑھی بیوہ و دغاباز و بے وفا ہے کہ جھوٹ جس کا شعار ہے جس کا سنگار ایک دھوکہ کی ٹٹی ہے۔ عورتوں کی طرح ایک جھلک دکھا کر تجھے خوش کر دیتی ہے اور فوراً ہی وہ نظارہ محو کر کے تجھے محزون اور دل افگار بنا کر اپنے ساتھ دوڑاتی ہے اور ہاتھ بھی نہیں آتی۔ اگر گاہے ایک رات تیرے پاس ہم صحبت بھی ہو تو دوسری رات تجھے جلا کر خاکستر کر دے۔ اور خلق وہ بلا ہے کہ اگر دشمن ہو جائے تو حسد سے تیری تباہی کی کوشش کریں اور غضب و حسد کی آگ تیرے سینہ میں بھڑکائیں اور اگر دوست بنی تو دشمن سے بھی زیادہ تجھے نقصان پہنچائیں۔ تجھ میں کبر و ریا بڑھائیں اور جاہ و مال کی محبت بڑھا کر جھوٹ اور گناہ کی طرف لے جائیں۔ اور لہو و لعب میں پھنسا دیں۔
العرض راہ دشوار ہے۔ ہوشیاری سے چلنا چاہیئے۔ اور دامن ان چار کانٹوں سے بچانا چاہیئے۔

آداب ملاقات

(از جناب مولانا شبنم کمالی، مظفر پوری)

دنیا میں جتنی قومیں بستی ہیں ان کے افراد جب ایک دوسرے سے ملتے ہیں تو ملاقات کے وقت آداب و تواضع کے مختلف کلمات اور مختلف طریقے اختیار کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے جن لوگوں کو چشم بینا عطا فرمائی ہے وہ اس کا مشاہدہ کر چکے ہیں اور کرتے رہتے ہیں لیکن مسلمانوں کو باہمی ملاقات کے وقت اللہ اور رسول نے جس کلمہ کی ادائیگی کا حکم دیا ہے وہ اس قدر جامع اور مانع ہے جس کی نظیر کائنات میں کہیں نہیں ملتی۔ کوئی قوم اپنی تہذیب اور تمدن کی زبانی دعویدار ہونے کے باوجود اسکی مثال نہیں پیش کر سکتی وہ کلمہ ہے السلام علیکم۔ تم پر سلامتی ہو دعائے سلامتی سے بڑھ کر بھلا اور کون سی دعا ہو سکتی ہے۔ اسی سلامتی میں جان و مال، اہل و عیال، فضل و کمال، جود و نوال، حسن و جمال، ایمان و اعمال رعب و جلال، اقوال و افعال اور مستقبل و حال کی سلامتی شامل ہے۔ یہ بات کہیں اور کب مل سکتی ہے۔ یہی وہ کلمہ ہے جو خوشی کے وقت بھی ہے اور غمی کے وقت بھی۔ ملاقات کے شروع میں بھی اور خاتمہ میں بھی۔ مردوں کے لئے بھی اور عورتوں کیلئے بھی (عربی میں عورتوں کیلئے ضمیر بدل جائے گی) بڑوں کیلئے بھی اور چھوٹے کیلئے بھی مختصر یہ کہ شاہ و گدا، امیر و غریب، حاکم و محکوم ہر مسلمان مرد اور ہر مسلمان عورت کیلئے ہے۔

انگریزی تہذیب کے دلدادہ گڈ مارننگ، گڈ نائٹ، گڈ نون۔ آفٹر نون۔ ایوننگ اور بائی بائی کی صدائیں بلند کرتے ہیں۔ اچھی صبح۔ اچھی شام اچھا دن، اچھی رات سے صبح و شام دن اور رات کی اچھائی تو بیان ہوئی ان دو ملنے والوں کو کیا ملا۔ نہ صبح کی سادگی ملی نہ شام کی رنگینی نہ دن کی حرارت ملی نہ رات کی خنکی مفت میں یہ دونوں مدحت سرائی میں مصروف رہے اور دامن خالی کا خالی ہی رہا۔

ہندو تمدن کے شیدائی آداب، نمستے، جے ہند کہتے کہتے رام رام بھی کہنے لگے لیکن انکے لئے تو کوئی بھی کام کی بات نہ ہو سکی۔ اور یہ بے نیل و مرام اپنی غلط راہ پر تیز گامزن ہو گئے۔ نئی روشنی اور نئے فیشن کے پرستار آداب کے ساتھ عرض کا لفظ اضافہ کر دیں۔ تسلیمات و بندگی کی ندا بلند کریں اس سے آگے بڑھیں تو صرف ہاتھ کو سر تک اٹھا کر خاموشی ہی کو پسند کرنے لگیں۔ اور اگر اس میں بھی زحمت ہو تو صرف گردن ہلا کر رہ جائیں مگر یہ سب بے سود اور بے فائدہ ہی ہوگا۔ بلکہ زبان بھی تھکی سر اور ہاتھ کو بھی بیکار تکلیف ہوئی۔ اگر کوئی بندۂ مومن باہمی ملاقات کے وقت اسلامی طریقہ سے جدا ہو کر دوسری قوموں کے طریقہ کو اختیار کرتا ہے۔ تو دنیا میں بھی اسکا نقصان اور آخرت میں بھی اسے خسارہ عظیم حاصل ہوگا۔ دنیا کا نقصان تو یہ ہے کہ وہ سلامتی کی دعا سے دور رہا۔ اور آخرت کا خسارہ یہ ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے اعراض کرنے اور ارشاد خداوندی کے خلاف عمل کے باعث عتاب و عذاب کا مستحق بنے گا۔

حضرت ابوداؤد نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے اس حدیث کی روایت کی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

إذا لقی احدکم اخاہ فلیسلم علیہ فان حال بینہما شجرۃ او جدار او حجر ثم لقیہ فلیسلم علیہ۔

جب تم میں سے کوئی اپنے بھائی سے ملے تو اس پر سلام کہے پھر اگر انکے درمیان کوئی درخت یا دیوار یا پتھر حائل ہو جائے پھر اس سے ملے تو اس پر سلام پیش کرے۔

امام بخاری و امام مسلم نے حضرت ابوہریرہ سے اس حدیث کی روایت کی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لیسلم الراکب علی الماشی والماشی علی القاعد والقلیل علی الکثیر۔

سوار پیدل پر سلام کرے اور پیدل چلنے والا بیٹھنے والے پر کم جماعت پر سلام کرے۔

اور دوسری حدیث میں ایسی طرح ارشاد گرامی ہے۔

یسلم الصغیر علی الکبیر والمار علی القاعد والقلیل علی الکثیر۔

چھوٹا بڑے پر سلام کرے اور گذرنے والا بیٹھنے والے پر اور قلیل جماعت کثیر پر سلام کرے۔

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ راوی ہیں سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا بیہقی نے اس حدیث کی روایت کی ہے۔

البادئ بالسلام بری من الکبر۔

سلام کی ابتدا کرنے والا تکبر سے دور ہے۔

بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے اس حدیث کی روایت کی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لا تاذنوا لمن لم یبدأ بالسلام

اس شخص کو اپنے پاس آنے کی اجازت نہ دو جو اپنے کلام کی ابتدا سلام سے نہ کرے۔

سرور کائنات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ دستور تھا کہ جب کسی کے گھر تشریف لے جاتے تو تین مرتبہ سلام فرماتے تھے۔ پہلی مرتبہ اجازت طلب کرنے کیلئے دوسری مرتبہ اجازت طلب کرنے کیلئے اور تیسری مرتبہ رخصت ہوتے وقت سلام کا تحفہ پیش کرتے تھے۔ اور اسطرح حضور نے قولاً و فعلاً اپنی امت کو تعلیم دی کہ دو مسلمان باہمی ملاقات کے وقت کسی کلمہ کو ادا کریں اور اسکے لئے کون سا طریقہ اختیار کریں۔ ساتھ ہی حضور نے ہدیۂ سلام پیش کرنے والے کیلئے عنداللہ اجر و ثواب ملنے کا بھی ذکر فرمایا۔ مشکوٰۃ شریف میں باب السلام میں یہ روایت آئی ہے جس کو ابوداؤد نے حضرت عمران بن حصین سے روایت کی ہے۔ حدیث کے مفہوم ہی کو پیش کر رہا ہوں۔ ایک مرتبہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم صحابۂ کرام کے ساتھ تشریف فرما تھے اسی اثنا میں ایک صحابی آئے اور السلام علیکم کہا۔ حضور نے جواب کے بعد فرمایا دس دوسرے صحابی آئے انہوں نے السلام علیکم و رحمۃ اللہ کہا حضور نے جواب کے بعد فرمایا بیس تیسرے صحابی نے تشریف آوری کے بعد السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ کہا تو حضور نے فرمایا تیس پھر چوتھے صحابی نے آنے کے بعد السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ و مغفرتہ کہا حضور نے جواب سلام کے بعد ارشاد فرمایا چالیس۔ صحابۂ کرام نے جب حضور کے فرمان دس بیس تیس چالیس کی وضاحت کی درخواست کی تو آپ نے فرمایا کہ جس نے تحیت کیلئے صرف ایک کلمہ السلام علیکم کہا اسکے لئے دس نیکیاں نامۂ اعمال میں لکھی گئیں اور جس نے جتنا اضافہ کیا اتنی ہی نیکیاں بھی دس دس کے حساب سے بڑھتی رہیں۔

احادیث کریمہ میں سلام پیش کرنے اور اسکے جواب دینے کیلئے یہی الفاظ آئے ہیں اسکا اگر خیال رکھا جائے تو زیادہ بہتر ہے کہ سلام کہنے والا السلام علیکم کہے تو جواب دینے والا وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ کہے علیٰ ہذا القیاس۔ اس پر دلیل خداوندی یہ ہے۔

اِذَا حُيِّيْتُم بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوا بِاَحْسَنَ مِنْهَا اَوْ رُدُّوْهَا

جب تم کو سلام کیا جائے تو اس سے اچھے کے ساتھ جواب دیا اسی کو لوٹا دو

سلام کرنا سنت ہے اور جواب دینا فرض کفایہ ہے اگر کوئی شخص السلام علیکم کے بدلے تحیت کے طور پر کسی دوسرے الفاظ کو یعنی السلام علیکم کے جواب میں سر ہلا دے، ہاتھ اٹھا دے، آداب بجالے رہو کہدے تو اس سے فرض کفایہ ساقط نہیں ہوگا۔ اور حاضرین کل کے کل جواب نہ دینے کی وجہ سے گنہگار ہونگے۔ ہاں اگر ان میں سے کوئی وعلیکم السلام یا وعلیک السلام یا السلام علیکم ہی کہہ دے تو فرض کفایہ ادا ہو جائیگا۔ فرض کفایہ کا مطلب یہ ہے کہ اگر مسلمانوں میں سے کچھ لوگ بھی ادا کر دیں تو سب کی طرف سے ادا ہو جائے گا۔ اور کوئی گنہگار نہ ہوا اور اگر کوئی ادا نہ کرے تو سب کے سب گنہگار ہوں۔ رد المحتار میں فتاوی ظہیریہ سے یہ عبارت منقول ہے۔

لفظ السلام فی المواضع کلہا السلام علیکم او سلامٌ علیکم بالتنوین وبدون ہذین کما یقول الجہال لا یکون سلامًا

لفظ السلام ہر جگہ میں السلام علیکم کے معنی میں ہے یا سلامٌ علیکم تنوین کے ساتھ ہو اور ان دونوں کے بغیر جیسا کہ جاہل لوگ کہتے ہیں وہ سلام نہیں ہوتا ہے۔

جب وہ سلام ہی نہیں تو جواب کس طرح ہوگا جواب یا تو سلام کے لفظ کے ساتھ ہوگا۔ خواہ وہ تنہا ہو یا اس کے ساتھ کچھ اور الفاظ بھی زیادہ کر جائیں۔ رحمت و برکت کے الفاظ کا اضافہ کر دیا جائے مرقاۃ المفاتیح میں حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

قد صح بالاحادیث المتواترۃ معنیً انّ السّلام باللفظ سنۃٌ وجوابُہ واجبٌ کذالک

احادیث متواترہ سے یہ معنی لینا صحیح ہے کہ سلام کا لفظ سے ادا کرنا سنت ہے اور اسکا جواب اسی طرح واجب ہے۔

امام ترمذی نے حضرت عبداللہ ابن عمرو (عمرو ابن شعیب عن ابیہ عن جدہ) سے روایت کی ہے حضور نے فرمایا۔

لیس منّا من تشبّہ بغیرنا لا تشبّھوا بالیھود ولا بالنّصاریٰ فان تسلیم الیھود الاشارۃ بالاصابع وتسلیم النصاریٰ الاشارۃ بالاکُفّ

وہ ہماری جماعت سے نہیں ہے جو ہمارے غیروں کی شکل سے نہ یہودیوں سے مشابہت پیدا کرو اور نہ نصاریٰ سے کیونکہ یہودیوں کا سلام انگلی سے اشارہ ہے اور نصاریٰ کا سلام ہتھیلی سے اشارہ کرنا ہے۔

زبان سے لفظ سلام کے ساتھ اگر ہاتھ کا اشارہ بھی ہو تو مضائقہ نہیں ہے لیکن صرف اشارہ کافی نہیں ہے ترمذی نے اسناد حسن کے ساتھ حضرت اسماء بنت یزید سے روایت کی ہے وہ فرماتی ہیں

انّ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مرّ فی المسجد یومًا وعصبۃ من النساء قعودٌ فالوی بیدہٖ بالتسلیم واشار عبد الحمید بیدہٖ

بیشک رسول صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں ایک دن تشریف لائے اور عورتوں کی جماعت بیٹھی ہوئی تھی تو حضور نے اپنے ہاتھ سے اشارہ کیا (اس حدیث کے ایک راوی) عبد الحمید نے اپنے ہاتھ سے اشارہ کیا۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کی تشریح میں فرمایا۔

وھو محمول علیٰ انہٗ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جمع بین اللفظ والاشارۃ ویدل علیٰ ھذا اَنَّ اباداؤدَ روی ھذا الحدیث وقال فی روایتہٖ فَسَلَّمَ علینا۔

اور یہ محمول ہے اس بات پر کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لفظ اور اشارہ دونوں کو جمع فرمایا اور اس قول پر دلیل یہ ہے کہ ابو داؤد نے اس حدیث کو روایت کیا اور اس روایت میں کہا (فَسَلَّمَ علینا) پھر حضور نے ہم پر سلام کیا

اسماء بنت یزید کی حدیث اور امام نووی کی تشریح کے مطالعہ کے بعد یہ بات بخوبی واضح اور آشکارا ہو جاتا ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کی جماعت سے جب گذر کیا تو ہاتھ سے اشارہ بھی کیا اور زبان سے سلام کا لفظ بھی فرمایا لیکن بفرض محال عبدالحمید بن بہرام کی توضیح کے مطابق یہ مان بھی لیا جائے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لفظ سلام کو زبان سے ادا نہ فرمایا تو حضور کے لئے کوئی حرج نہیں کیونکہ شریعت مطہرہ نے عورتوں کی جماعت پر سلام کہنے کو مشروع نہیں فرمایا ہے اور وہ حدیث جو حضور کی طرف اس میں سے پہلے گذری ہے کہ سلام کی تصریح ہونی چاہیئے تو قول و فعل میں اگر تعارض ہو تو حضور کے فعل کو خصوصیات میں شمار کیا جائیگا کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم احکام پر قادر ہیں حضور کو حق حاصل ہے کہ سلام کریں یا نہ کریں، اشارہ کریں یا نہ کریں یا یہ بھی ممکن ہے کہ حضور نے ہاتھ کے اشارہ سے سلام کا ارادہ نہیں فرمایا ہو بلکہ اشارہ سے صرف تواضع مقصود ہو ایسی صورت میں اشارہ کو صرف تواضع ہی پر محمول کیا جائے ۔ اور لفظ سلام کو سلام کہنے پر محمول کیا جائے۔ یہی زیادہ روشن اور واضح ہے۔ مذکورہ تشریح وہ ہے جسکو ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے (مرقاۃ المفاتیح) میں ذکر کیا ہے۔

اذان، نماز، تلاوت قرآن اکل و شرب اور بول براز کے وقت سلام اور مصافحہ منع ہے۔ مرض متعدی والے کو سلام تو کہہ سکتے ہیں لیکن مصافحہ پرہیز لازم ہے۔ علیٰ ہذا القیاس۔

مسلمانوں کیلئے لازم ہے کہ شریعت کے بتائے ہوئے طریقہ کے مطابق آداب ملاقات کو بجالائیں تاکہ دین و دنیا دونوں کا فائدہ ہو۔ اور نقصان و خسارہ سے محفوظ رہیں ۔ وآخر دعونا ان الحمد للہ رب العلمین ٥

خمریات اور اردو شاعری

(جناب ش۔ م۔ عارف ماہر آروی)

اردو شاعری میں شراب و کباب، مئے، مئے ناب، انگور، دخترِ رز، صبوحی، رز، شراب طہور، صہبا، تلچھٹ، آبِ حیات، انگبیں، قلقل، جام، مینا، ساغر، پیالہ، شیشہ، صراحی، پیانہ، حوض، کوثر، قدح، بادہ، ادک، سبو، کوزہ، خم، بوتل، بہار، ابر، چمن، سبزہ، شبِ مہتاب، موسمِ گل، گل گشتی۔

ساقی، معشوق، پینا، پلانا، طلب، میخوار، میکش، رندان، رند، پیرِ مغاں، مغبچاں، خوباں، بانکپن، بادہ گسار، چشمِ ساقی، نشہ، بے خودی، خودی، لڑکھڑاہٹ، ظرف، خمار، مستی، تندی، تلخی، دیوانہ پن، بہکی بہکی بات، تشنگی، توبہ، شکست، توبہ، پیماں۔

مئے خانہ، میکدہ، بزم، دور، گردشِ جام، صبر، بے تابی، انجمن، رقص، ساغر، کوتاہ دستی، واعظ، زاہد، شیخ، محتسب قبلہ حاجات کا استعمال بڑی شدت سے کیا گیا ہے۔ ہر دور اور ہر زمانے کے شاعروں نے محفلِ رندانہ کا ذکر کیا اور اس میں شک نہیں کہ بعضوں نے ان اشارات کو اس طرح بھی استعمال کیا ہے جیسے بقول حالی کوئی چبائے ہوئے نوالوں کو چباتا ہے۔ لیکن ایسے شاعروں کی بھی کمی نہیں ہے جنہوں نے میخانے کے افسانوں میں حقیقت و واقعیت کی وہ بجلیاں بھر دی ہیں، جن کے باعث اردو شاعری میں حسن و دلکشی کا بسیرا نظر آتا ہے اور جو اپنی اس خصوصیت پر بجا طور پر فخر کر سکتی ہے۔

اردو شاعری کے ایک خاصے بڑے حصے میں اس خصوصیت کا احساس ہوتا ہے۔ چنانچہ اس کی یہی خصوصیت اس سوال کو جنم دیتی ہے کہ آخر ایسا کیوں ہوا؟ بات یہ ہے کہ اردو شاعری نے ایرانی تہذیب اور فارسی اثرات کی آغوش میں آنکھ کھولی۔ فارسی شاعری ہی نے زیرِ سایہ اس کا نشو و نما ہوا۔ اس زمانہ میں سماجی زندگی پر ایرانی اثرات چھائے ہوئے تھے۔ ایرانی روایات نے دلوں میں گھر کر لیا تھا۔ وہ مقامی زندگی کی روایات کے ساتھ شیر و شکر کی طرح گھل مل گئی تھیں۔ چنانچہ اسی وجہ سے اردو شاعری بھی فارسی روایات کے رنگ میں رنگ گئی۔ اس نے فارسی کے نقشِ قدم پر چلنا اپنے لئے نہ صرف ضروری جانا، بلکہ حالات نے اس کو ایسا کرنے کے لئے مجبور کیا۔ اس زمانے میں فارسی حکمراں طبقے کی زبان تھی۔ حکمراں طبقے پر ایرانی کلچر کے اثرات غالب تھے۔ اس لئے اس ملک میں پیدا ہونے والی ہر چیز آپ نے آپ کو مقبول بنانے کی خاطر حکمراں طبقہ میں رائج شدہ روایات کا منہ دیکھتی۔ پھر اس حقیقت کو بھی فراموش نہیں کیا جا سکتا کہ جن لوگوں کے ہاتھوں اردو شاعری کا چراغ روشن ہوا۔ ان میں سے اکثریت ایسے لوگوں کی تھی جن کا تعلق حکمراں طبقے سے تھا۔ اگر ان میں سے بعض حکمراں طبقے سے تعلق نہیں رکھتے تھے، تو کم از کم انہوں نے حکمراں طبقے کے ہاتھوں جو ماحول

پیدا ہوا تھا۔ اس کے زیرِ سایہ پرورش پائی تھی۔ اور اس ماحول کی روایات ان کے مزاج کا حصہ بن گئی تھیں۔ اس لئے جب وہ تخلیقی کاموں کی طرف متوجہ ہوتے تھے، تو غیر شعوری طور پر ایرانی معاملات کا اثر ان کے یہاں نمایاں ہو جاتا تھا۔ انہیں ان روایات میں اجنبیت اور غیریت کا احساس نہیں ہوتا تھا کیونکہ ان کی زندگی میں پوری طرح گھل مل گئی تھیں اس طرح کہ وہ انہیں اپنی چیزیں سمجھتے تھے۔

یہ صورت حال اس بات کی متقاضی تھی کہ اردو شاعری، فارسی شاعری کے نقشِ قدم پر چلے اور اس میں ایرانی تہذیب کے اثرات نمایاں ہوں۔ چنانچہ یہی ہوا۔ ابتدا ہی سے اردو شاعری میں ایران کی بہاروں کا ذکر ہونے لگا۔ حکمراں طبقہ عیش کوشی میں جب مصروف ہوتا تھا، تو جام پر جام لنڈھائے جاتے تھے۔ اس لئے اردو شاعری نے بھی جام و مینا کے ذکر کو ضروری جانا۔ چنانچہ ابتدا ہی سے اس کا سلسلہ ملتا ہے۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ حالات کی مختلف کروٹوں کے باعث وہ نئے نئے روپ اختیار کرتی رہی۔ نئے نئے افکار و خیالات کے ہاتھوں اس کے مفہوم میں اضافے ہوتے رہے اور اس طرح اردو شاعری میں جام و مینا کا استعمال تنوع کے سانچے میں ڈھلتا گیا۔ اب ساغر و مینا نے اشارات کی حیثیت اختیار کر لی اور شاعروں نے بڑے بڑے مسائل ان علامتوں، اشاروں اور کنایوں کے ذریعہ پیش کرنے شروع کر دیئے۔

شاید ہی کوئی دورِ اردو شاعری کا ایسا ہو جس میں جام و مینا کے اثرات سے کام نہ لیا گیا ہو۔ جیسا کہ پہلے بھی اشارہ کیا گیا۔ ابتدائی زمانہ سے لے کر آج تک ان علامتوں کے استعمال کا سلسلہ جاری رہا ہے۔ ولی، میر، اور درد کے زمانہ سے لے کر غالب، مومن اور چکبست و اقبال اور عہدِ حاضر تک کے زمانہ کا شاید ہی کوئی باشعور شاعر ایسا ہو جس نے مطلق ان علامتوں کو اپنی شاعری میں جگہ ہی نہ دی ہو۔ شاید ایک بھی مشکل سے ملے۔

ولی سے لے کر غدر ۱۸۵۷ء تک کے زیادہ تر شعراء نے جام و مینا کے مضامین کو روایتی اور صرف روایتی انداز میں استعمال کیا ہے، صداقت کے لئے ملاحظہ ہوں ذیل کے اشعار ؎

۱۔ مرزا مظہر جان جاناں (۱۶۹۸ - ۱۷۸۱) ؎ آزاد ہو رہا ہوں دو عالم کی قید سے / مینا لگا ہے جب سے مجھے بے تو لکے ہاتھ

۲۔ سودا (۱۷۱۳ - ۱۷۸۱) ؎ ساقی ہے اک تبسمِ گل فرصتِ بہار / ظالم بھرے ہے جام تو جلدی سے بھر کہیں

۳۔ میر (۱۷۲۴ - ۱۸۱۰) ؎ اٹھ جاتے ہیں میکدے سے میر / پھر لیں گے اگر خدا لایا

۴۔ درد (۱۷۱۹ - ۱۷۸۵) ؎ آیا ہے ابر اور چمن میں بہار ہے / ساقی شتاب آ کہ ترا انتظار ہے

۵۔ قائم الدین قائم (۱۷۹۴ -) ؎ مئے کی توبہ کو تو مدت ہوئی قائم، لیکن / طلب اب بھی جو مل جائے تو انکار نہیں

۶۔ نظیر اکبر آبادی (۱۷۴۰ - ۱۸۳۰) ؎

۷۔ انشاء (۱۸۱۷ -) ؎ خیال ان کا پھرے ہے عرشِ اعظم کے کہیں ساقی / غرض کچھ اور دھن میں اس گھڑی مے خوار بیٹھے ہیں

؎ لگا کے برف میں ساقی صراحی مے لا / جگر کی آگ بجھے جس سے جلد وہ شے لا

؎ گرچہ مئے پینے سے کی توبہ ہے میں نے ساقی / بھول جاتا ہوں ولے تیری مدارات کے وقت

۸۔ جان صاحب (- ۱۸۱۸) ؎ اس خدا کے گھر میں جو ہوتا ہمارا دخل / پانی کے بدلے پینے کو ملتا شراب ہم

۹۔ غالب (۱۷۹۷ - ۱۸۶۹) ؎ کہاں میخانہ کا دروازہ غالب اور کہاں واعظ / پر اتنا جانتے ہیں کل وہ جاتا تھا کہ ہم نکلے

؎ ساقی بہار موسمِ گُل ہے سرور بخش — پیماں سے ہم گزر گئے، پیمانہ چاہیے

؎ محتسبِ تنگ ہے ازبسکہ کارِ میکشاں — رز میں جو انگور نکلا عقدۂ مشکل ہوا

؎ واعظ نہ تم پیو، نہ کسی کو پلا سکو — کیا بات ہے تمہاری شرابِ طہور کی

؎ گو ہاتھ کو جنبش نہیں آنکھوں میں تو دم ہے — رہنے دو ابھی ساغر و مینا مرے آگے

؎ پھر دیکھیے انداز گُل افشانیٔ گفتار — رکھ دے کوئی پیمانۂ صہبا مرے آگے

؎ کیوں ردِ قدح کرے ہے زاہد — مے ہے یہ مگس کی قے نہیں ہے

؎ گری تھی ہم پہ برقِ تجلی نہ طور پر — دیتے ہیں بادہ ظرفِ قدح خوار دیکھ کر

؎ پلا دے اوک سے ساقی جو ہم سے نفرت ہے — پیالہ گر نہیں دیتا نہ دے، شراب تو دے

؎ رہا آباد عالم اہلِ ہمت کے نہ ہونے سے — بھرے ہیں جس قدر جام و سبو میخانہ خالی ہے

؎ پیوں شراب اگر خم بھی دیکھ لوں دو چار — یہ شیشہ و قدح و کوزہ و سبو کیا ہے

؎ مے پرستاں خمِ مے منہ سے لگائے ہی بنے — ایک دن گر نہ ہوا بزم میں ساقی نہ سہی

؎ اور بازار سے لے آئے اگر ٹوٹ گیا — ساغرِ جم سے مرا جامِ سفال اچھا ہے

؎ دیتے ہیں جنتِ حیاتِ دہر کے بدلے — نشہ باندازۂ خمار نہیں

؎ ساقی گری کی شرم کرو آج ورنہ ہم — ہر شب پیا ہی کرتے ہیں مے جس قدر ملے

؎ جانفزا ہے بادہ جس کے ہاتھ میں جام آگیا — سب لکیریں ہاتھ کی گویا رگِ جاں ہو گئیں

؎ پی جس قدر ملے شبِ مہتاب میں شراب — اس بلغمی مزاج کو گرمی ہی راس ہے

؎ ہے دورِ قدح وجہ پریشانیٔ صہبا — یک بار لگا دو خمِ مے میرے لبوں سے

؎ رندانِ میکدہ گستاخ ہیں زاہد — زنہار نہ ہونا طرف ان بے ادبوں سے

؎ جب میکدہ چھٹا تو پھر اب کیا جگہ کی قید — مسجد ہو، مدرسہ ہو، کوئی خانقاہ ہو

؎ غالب چھٹی شراب پر اب بھی کبھی کبھی — پیتا ہوں روزِ ابر و شبِ ماہتاب میں

؎ کیوں گردشِ مدام سے گھبرا نہ جائے دل — انسان ہوں پیالہ و ساغر نہیں ہوں میں

۱۰- مومن (۱۸۸۱—۱۸۰۰) ؎ ہم سے دشمن نے ترے رات کے مستی میں — ایسے کم ظرف کو دیتے نہیں جام سرشار

منہ میں کیسا خمِ صہبا کے بھر آیا پانی — تیرے لب سے جو لبِ ساغرِ سرشار لگا

خاک میں حیف یہ شراب ملے — محتسب بادہ خوار ہوتا تھا

رات دن بادہ و صنم مومن — کچھ تو پرہیزگار ہوتا تھا

؎ موقوف میخانہ پیئے ہے بھی مرا جا نہ بھرا | کیا تم کو [illegible] جو تم سے [illegible]

۱۱- ذوق (۱۷۸۹-۱۸۵۵) ؎ کہاں تلک کہوں ساقی کہ لا شراب تو دے | نہ شراب [illegible] کوئی کباب تو دے

؎ اے ذوق دیکھ دخترِ رز کو نہ منہ لگا | چھٹتی نہیں ہے منہ سے یہ کافر لگی ہوئی

؎ دروازہ میکدہ کا نہ کر بند محتسب | ظالم خدا سے ڈر کہ در توبہ باز ہے

؎ ساقیا عید ہے لا ساغر و مینا بھر کے | بادہ آشام پیاسے ہیں مہینہ بھر کے

؎ ساقی لڑائیوں سے تری چاہتا ہے دل | باہم لڑا کے شیشہ و ساغر کو توڑ دوں

۱۲- امام بخش ناسخ (۱۸۳۸-) ؎ میکدہ تک محتسب کو میکشو آنے تو دو | دیکھ کر پیمانہ کو پیماں شکن ہو جائے گا

؎ او محتسب سمجھ کے تو شیشہ کو توڑ لو | دل بھی نہ ٹوٹ جائے کسی بادہ خوار کا

؎ شراب کیوں نہ چلے فصلِ گل میں اے زاہد | کہ نہر جاری ہوئیں موسم بہار آیا

۱۳- آتش (۱۷۷۸-۱۸۴۶) ؎ صبح بہار ہے مجھے ساقی پلا شراب | سب جانتے ہیں عید کا روزہ حرام ہے

؎ محبت مے و معشوق ترک کر آتش | سفید بال ہوئے موسم خضاب آیا

؎ دخترِ رز مری مونس ہے مری ہمدم ہے | میں جہانگیر ہوں، یہ نورجہاں بیگم ہے

۱۴- امیر مینائی (۱۸۲۸-۱۹۰۰) ؎ انگور میں تھی یہ مئے پانی کی چار بوندیں | پر جب سے کھنچ گئی ہے، تلوار ہو گئی ہے

۱۵- حالی (۱۸۳۷-۱۹۱۴) ؎ گو مئے ہے تند و تلخ، پہ ساقی ہے دلربا | آئے گی شیخ بن پڑے گی، نہ کچھ بات کئے بغیر

۱۶- داغ (۱۸۳۱-۱۹۰۵) ؎ مجھ سے میکش کو کہاں صبر کہاں کی توبہ | لے لیا دوڑ کے جب سامنے ساغر آیا

؎ ہم جانتے ہیں آتے ہیں ماتم کو فرشتے | جس بزم میں شغلِ مے و ساغر نہیں ہوتا

؎ مقبول نہ ہوگی کسی میکش کی دعائیں | میخانہ کا دروازہ نہ کر پیرِ مغاں بند

؎ اے محتسب اکرم سے تری کتنے خفا ہیں | شیشہ کا ہے دم بند، صراحی کا گلا بند

؎ آفت ہے محتسب کی نظر سے خدا بچائے | ٹوٹا ترڑاق سے اگر آیا سبو پسند

؎ شراب خانہ ہے یہ تو زاہد طلسم خانہ نہیں جو تو نے | کہ توبہ کرتے گئی ہے توبہ ابھی یہیں سے شکست پاکر

؎ اگر نہیں مے و مینا و ساقی و معشوق | بہشت بھی ہے جہانِ خراب میں داخل

۱۷- اکبر الہ آبادی (۱۸۴۶-۱۹۲۱) ؎ دخترِ رز نے اٹھا رکھی ہے آفت سر پر | خیریت گذری کہ انگور کو بیٹا نہ ہوا

۱۸- شاد عظیم آبادی (۱۸۴۶-۱۹۲۹) ؎ یہ بزمِ مے ہے یاں کوتاہ دستی میں ہے محرومی | جو بڑھ کر خود اٹھا لے ہاتھ میں مینا اسی کا ہے

؎ کہاں سے صبر لاؤں حضرتِ ایوب اے ساقی | خم آئے گا، صراحی آئے گی، تب جام آئے گا

۱۹- ریاض خیرآبادی (-۱۹۳۵) ؎ جام مئے توبہ شکن، توبہ مری جام شکن | [illegible]

ے اے ساقی خدا میری شراب تلخ تو لاتا — مئے کوثر تو بالکل انگبیں معلوم ہوتی ہے

ے برتن کی آگ دور میں توبہ کو ہے اری — ہم گل چلوں کے ہاتھ کی گولی ٹرکی نہیں

ے پی پی کے اس نے سجدے کئے ہیں تمام رات — اللہ رے شغل زاہد شب زندہ دار کا

ے شاخ میں جب تک یہ ہے انگور ہے — شیخ نے توڑا کہ مینا ہو گیا

ے شب کو میخانے میں کیوں پہنچے تھے اے حضرت شیخ — کہیے اچھی تو کٹی قبلۂ حاجات کی رات

ے جو ہم آئے تو کیوں بوتل الگ پیر مغاں رکھ دی — پرانی دوستی بھی طاق پر اے مہرباں رکھ دی

ے اتنی تو ہو بیان میں واعظ شگفتگی — ہم رند سن کے قلقل و مینا کہیں جسے

ے توبہ کے توڑنے میں بھی آتا نہیں ہے لطف — جب تک شریک بادہ کوئی پارسا نہ ہو

ے مولوی سبحان اللہ کا بیان ہے کہ ریاض کے یہاں — اشعار خمریات کے متعلق ملتے ہیں

۲۰۔ اصغر گونڈوی (۱۸۸۴-۱۹۳۶) ے رند جو ظرف اٹھا لیں وہی ساغر بن جائے — جس جگہ بیٹھ کے پی لیں وہی میخانہ بنے

ے علم و حکمت کا ہے اس دور میں آوازہ بلند — لا کے دینا تو ذرا ساغر و مینا مجھ کو

ے ہٹا کے شیشہ و ساغر ہجوم مستی میں — تمام عرصۂ عالم پہ چھا گیا ہوں میں

ے ساقی تری نگاہ کو پہچانتا ہوں میں — مجھ سے فریب ساغر و مینا نہ چاہیے

ے ٹھہرے اگر تو منزل مقصود پھر کہاں — ساغر بکف گرے نہ چاہیے

۲۱۔ حسرت موہانی (۱۸۷۵-۱۹۵۱) ے بزم ساقی کا یہ کیا حال ہوا میرے بعد — خم کہیں ہے تو صراحی ہے کہیں، جام کہیں

ے بادۂ عیش سے مینائے تمنا رنگیں — ساغر شوق، مئے ذوق سے گلنار آیا

۲۲۔ تمنا پھلواری شریف ( ) ے مئے لیے، جام لیے، پیر مغاں شاد رہے — ہم رہیں یا نہ رہیں مئے کدہ آباد رہے

۲۳۔ مولانا محمد علی جوہر۔ ے واعظ کا ارتداد نہ میرا ہے ترک کفر — کچھ بھی نہیں ہے ساقی، توبہ شکن سے دور

ے ہم تک جو دور جام پھر آئے تو کیا عجب — یہ بھی نہیں ہے گردش چرخ کہن سے دور

ے رات تلچھٹ تک نہ چھوڑی تب کہیں — راز ہائے بادہ و ساغر کھلے

ے دست دراز کو ترے لے رند با صفا — رکھے خدا عمامۂ شیخ زمن سے دور

جام و مینا کی اس شاعری میں ولی سے ریاض تک کے تمام شعرائے کرام کے فقیر نظر آتے ہیں۔ اس برادری نے ساقی اور شراب کے اشعار میں کبھی موسم بہار اور کبھی ابر کا گھر کر آنا اور اس میں شراب کی جستجو، جام و مینا کے کھنکنے کی آواز اور خوبرو ساقی کی تلاش، ساقی کی سستی اور کوتاہ دستی کو بالائے طاق رکھ کر جام خود بڑھ کر اٹھا پینے کی بے تابی، شیخ اور واعظ کی نصیحت پر توبہ اور توبہ کے بعد توبہ شکن اور کبھی واعظ کی دو رنگی چال کا دست کا ذکر ہر ایک نے کیا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اس کا ذکر روایتی انداز میں ہے، لیکن اس برادری میں غالب اور حالی نے محض روایتی

داستانیں ہی نہیں بیان کی ہیں، بلکہ ان کے پردے میں زندگی کے مختلف اسرار و رموز کو بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔ اور اقبال کے زمانے تک آتے آتے تو اس میں حالات کے نئے تقاضوں کے پیش نظر نئی روح پھونکی جا چکی تھی۔ خمریات کے پردے میں وہ سب کچھ کہہ گئے جو وہ کہنا چاہتے تھے۔ یہ اقبال ہی تھے، جنہوں نے پہلے خمریات کے بربط پر ایک نیا ساز چھیڑا ہے۔ "بانگ درا" میں وہ ساقی سے اس طرح خطاب کرتے ہیں: ؎

پلا کے نشہ گرانا تو سب کو آتا ہے — مزا تو جب ہے کہ گرتوں کو تھام لے ساقی
جو بادہ کش تھے پرانے وہ اٹھتے جاتے ہیں — کہیں سے آب بقائے دوام لا ساقی
کٹی ہے رات تو ہنگامہ گستری میں تری — سحر قریب ہے اللہ کا نام لے ساقی

اس سے زیادہ اہم "ساقی نامہ" ہے، جس میں دورِ حاضر کے اہم مسائل پر تبصرہ کیا ہے۔ یہاں شاعر ساقی سے جو شراب مانگتا ہے، وہ زندگی، حرکت عمل، خودی کی بلندی اور انسان کی معراج سے عبارت ہے۔ ملاحظہ ہو: ؎

وہ مے جس سے روشن ضمیرِ حیات — وہ مے جس سے ہے مستیٔ کائنات
وہ مے جس سے ہے سوز و سازِ ازل — وہ مے جس سے کھلتا ہے رازِ ازل
اٹھا ساقیا پردہ اس راز سے — لڑا دے ممولے کو شہباز سے

اردو شاعری میں اقبال نے جو خمریات کے اشارات کو ایک نیا جنم دیا ہے۔ اقبال نے جو راستہ دکھایا اس پر بہت سے ہم عصر شاعر چلنے لگے۔ اقبال کے بعد نئے آنے والوں میں جگر مرادآبادی، فیض احمد فیض، روش صدیقی، جذبی، ثاقب اور سلام مچھلی شہری ہیں۔ اب آیئے جگر کی اس غزل کا ملاحظہ کریں، جس کا عنوان "رند و ساقی" ہے: ؎

کہاں سے بڑھ کے پہنچے ہیں کہاں تک علم و فن ساقی — مگر آسودہ انساں کا نہ تن ساقی نہ من ساقی
یہ سنتا ہوں کہ پیاسی ہے بہت خاکِ وطن ساقی — خدا حافظ! چلا میں، باندھ کر سر سے کفن ساقی
سلامت تو، ترا میخانہ، تیری انجمن ساقی — مجھے کرنی ہے اب کچھ خدمتِ دار و رسن ساقی
رگ و پے میں کبھی صہبا ہی صہبا رقص کرتی تھی — مگر اب زندگی ہی زندگی ہے موج زن ساقی
کبھی میں بھی تھا شاہد در بغل، توبہ شکن میکش — مگر بننا ہے اب خنجر بکف ساغر شکن ساقی
جو دشمن کے لئے بھی سر سے اپنے کھیل جاتے تھے — دلِ خوباں میں چبھتا ہے انہیں کا بانکپن ساقی
وہی انساں جسے سرتاجِ مخلوقات ہونا تھا — وہی انسان خود سی رہا ہے اپنی عظمت کا کفن ساقی
لباسِ حریت کے اڑ رہے ہیں ہر طرف پرزے — بساطِ آدمیت ہے شکن اندر شکن ساقی
عجب کیا ہے یہ بہکی بہکی باتیں رنگ لے آئیں — بڑا با ہوش رہتا ہے مرا دیوانہ پن ساقی
نمودِ صبح کاذب ہی دلیلِ صبحِ صادق ہے — افق سے زندگی کی دیکھ وہ پھوٹی کرن ساقی

بدہ جامِ مے باقی کہ در جنت نہ خواہی یافت
سوادِ ساحلِ گنگا و گل گشتِ چمن ساقی

یہ قول اپنے عہد کی بھرپور عکاسی کی ہے۔ اور "میخانہ" روحانیت کے ایک اصلاح یافتہ رند کا ساقی سے خطاب ہے جگر کے بعد ہمارے ترقی پسند شعراء آتے ہیں، جن میں فیضؔ بہت ممتاز ہیں۔ خمریات کے اشارات فیضؔ کی شاعری میں ملاحظہ فرمایئے۔

ع ذرا صیقل تو ہو لے تشنگی بادہ گساروں کی

دبا رکھیں گے کب تک جوشِ صہبا ہم بھی دیکھیں گے
اٹھا رکھیں گے کب تک جام و مینا ہم بھی دیکھیں گے

اور روشؔ یوں کہتے ہیں:- ع

یکا یک رک گیا طوفانِ جام و ساغر و مینا — کچھ ایسی تمکنت کے ساتھ میخانوں سے گزرا ہوں
یا: بھری مینا سے کچھ، پھر کچھ ملائی چشمِ ساقی نے — بڑی رعنائیوں کے ساتھ مجھ تک دورِ جام آیا
اور: سبو ہے شعلہ افشاں جنبشِ دامانِ ساقی سے — قبائے ہوش و تمکین پھونک دینے کا مقام آیا

مجازؔ کا کہنا ہے کہ: ع

میری ہی نظر کی مستی سے سب شیشہ و ساغر رقصاں تھے
میری ہی نظر کی گرمی سے سب شیشہ و ساغر ٹوٹ گیا

مگر ان سبھوں پر سبقت لے جانے والا انسان تو ثاقبؔ زیروی ہے۔ جس نے بعنوان "یادِ دہانی" "یومِ آزادی کی شب ایک محفلِ رقص و سرود سے جانگزا ماحول سے "متأثر ہو کر" لکھی۔ اور پھر بعنوان "میرا جواب" ایک شاعر دوست کے جام و شراب پیش کرنے پر لکھی۔ ان دونوں نظموں میں ایک نئی زمین اور نیا جہاں بسانے کا عزم ہے: ع

جہاں ملے گی ہر گھڑی ٭ مجاز کی کھنچی ہوئی

کون کہہ سکتا ہے کہ ان اشعار میں خمریات نے اشاریت کی حیثیت اختیار نہ کی اور شاعروں نے بڑے بڑے مسائل ان علامتوں، اشاروں اور کنایوں کے ذریعہ پیش نہ کئے۔ سلام مچھلی شہری نے تو یہاں تک کہہ دیا: ع

سلامؔ! جام و سبو کی یہ شاعری معلوم — دگر نہ اپنی طبیعت بہل تو سکتی ہے

اس نئی برادری' کے خمریاتی اشارات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ موجودہ سیاسی انقلاب، تہذیب کی ٹکر اور جنگ کے بعد کی زندگی نے بادہ و ساغر کو ایک نیا کیف دیا ہے۔ جدیدیت جو سنہ ۱۹۴۷ء کے بعد کا ردِ عمل ہے۔ اس کے علمبردار شعراء نے بھی خمریات کی ترکیبیں روایتی، تہلکہ اور بے بسی کے اظہار کے لئے استعمال کئے ہیں۔ غرض اردو شاعری کے ہر دور میں بقول غالب خمریات کے مضامین کچھ اس طرح استعمال کئے گئے ہیں کہ: ع بنتی نہیں ہے بادہ و ساغر کہے بغیر" کا احساس ہوتا ہے۔

فلسفۂ خودی اور اقبالؒ

از:- جناب مقیم شاد مونگیری۔ ڈالٹین گنج۔ پلاموں۔

علامہ اقبالؒ دین فطرت کے پرستار تھے۔ ان پر یہ حقیقت کہ خود شناسی اور عرفانِ نفس تخلیق انسانی کا مقصد اولین ہے اظہر من الشمس تھی، وہ سمجھتے تھے کہ یہ چیز تہذیب اخلاق، سیاست مدن اور معرفت الٰہی کی ضامن ہے۔ اس کے بغیر ارتقائے جسم و روح ممکن نہیں، یہی عرفان نفس خودی ہے، یہ حقیقت وجدان و شعور کا وہ روشن نقطہ ہے جس سے تمام انسانی تخیلات، جذبات و تلنیات مستفیض ہوتے ہیں، یہ وہ پُر اسرار شئے ہے جو فطرت انسانی کی منتشر اور غیر محدود کیفیتوں کا شیرازہ بند ہے، یہ عمل کی رو سے ظاہر اور اپنی حقیقت کی رو سے مضمر ہے، یہ تمام مشاہدات کی خالق ہے مگر اس کی نظافت مشاہدہ کی گرم نگاہی کی تاب نہیں لاسکتی۔ اس کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) شیطانی خودی (۲) یزدانی خودی ـــــ شیطانی خودی وہ ہے جس کا نمونہ روز ازل شیطان نے پیش کیا تھا کہ باہمہ دعوئ عبادت و عبودیت الٰہی معبود حقیقی اور آمر مطلق کے حکم سے سرتابی نخوت اور تکبر کے باعث اس نے اپنی اور آدم کی تخلیق میں امتیازات قائم کئے۔ اس کی انا اور خودی نے توفیق سجدہ نہ ہونے دی۔ اور یہی خودی جب انسان میں پیدا ہوتی ہے تو اس کو شدّاد و ہامان بنا کر خسرۃ دنیا و آخرت کا مصداق بنا دیتی ہے۔

اقبالؒ کہتے ہیں کہ زندگی کا اصل محرک اثبات خودی کا جذبہ ہے جو انسان میں ودیعت ہے، زندگی ایک مسلسل حرکت ہے، جو نت نئی خواہشات کی تخلیق کرتی ہے اور اس طرح اپنی توسیع و بقا کا سامان پیدا کرتی ہے تب وہ پیہم عمل اور کشمکش سے لازوال ہو جاتی ہے، خودی کی تربیت کیلئے اقبالؒ نے جو نکتے پیش کئے ہیں وہ انتہائی دانشمندی، احتیاط اور نکتہ سنجی کی بلندی کو چھو لیتے ہیں۔ ؎

خودی کی پرورش و تربیت پہ ہے موقوف — کہ مشت خاک میں پیدا ہو آتش ہمہ سوز
یہی ہے سرِّ کلیمی ہر ایک زمانے میں — ہوائے دشت و شعیب و شبانیٔ شب و روز

خودی کی تکمیل میں سب سے بڑی رکاوٹ فطرت ہے جس پر غلبہ پانا ضروری ہے، جو چیز خودی کو مستحکم کرتی ہے وہ خیر ہے اور جو چیز اس کو مضمحل و ضعیف کرتی ہے وہ شر ہے، جسے ہم "انا" کا درجہ دیتے ہیں۔ انا کی جستجو کا منتہا خود اپنی تحریف تحدید ہے تاکہ اپنے آپ کو کائنات میں مؤثر بنا سکے۔ حلّاج کا دعوئ انا الحق انسانی شخصیت کا بے باک ادعیّہ تھا۔ خودی کا سر [illegible] نمایاں ہے، لیکن اس کا انتہائی کمال انسان میں ظاہر ہوتا ہے۔ ؎

خودی کیا ہے رازِ درونِ حیات   خودی کیا ہے بیداریٔ کائنات

خودی جلوہ بدمست و خلوت پسند   سمندر ہے اک بوند پانی میں بند

حیات ایک انفرادی شئے ہے، اس کی سب سے اعلیٰ صورت خودی ہے جس کے حصول کے بعد فرد ایک مکمل اور قائم بالذات مرکز بن جاتا ہے۔ انسان جسمانی اور روحانی اعتبار سے ایک قائم بالذات مرکز ہے، لیکن وہ ابھی تک ایک مکمل فرد نہیں ہوا ہے، وہ خدا سے جتنا دور ہوتا جاتا ہے اتنی ہی اس کی انفرادیت کم ہوتی جاتی ہے، جو خدا سے قریب ترین نقطہ پر پہنچ جاتا ہے وہی مکمل ترین فرد کہلاتا ہے۔ اس لئے نہیں کہ بالآخر وہ خدا میں جذب ہو جاتا ہے بلکہ اس کے برعکس وہ خدا کو اپنے اندر جذب کر لیتا ہے۔ اقبالؒ نے اس طرح اس کی وضاحت کی ہے ؎

خودی شیرِ مولا جہاں اس کا صید   زمیں اس کی صید، آسماں اس کا صید

اور

خودی کی جلوتوں میں مصطفائی   خودی کی خلوتوں میں کبریائی

زمین و آسمان و کرسی و عرش   خودی کی زد میں ہے ساری خدائی

اقبالؒ نے مومن اور کافر کے درمیان خودی ہی کی عظمتوں سے تفریق پیدا کی ہے۔ خودی کی عظمت خود آفاق کو مومن کے اندر گم کر دیتی ہے مگر کافر کو جس کی خودی سُستی اور ہرجائی ہوتی ہے آفاق کی باریابی کے تنگ دور میں مصروف کر دیتی ہے اور یہی شناخت مومن و کافر کی ہوتی ہے۔ ؎

کافر کی یہ پہچان کہ آفاق میں گم ہے   مومن کی یہ پہچان کہ گم اس میں ہے آفاق

خودی مرکزیت کا پیغامبر ہوتی ہے، جو انسانی پیکر خودی کے جوہر سے عاری ہوتا ہے وہ اپنی مرکزیت سے بہت دور ہو جاتا ہے اور مرکزیت کی دوری فرد کی موت ہوتی ہے۔ مرکزیت سے فرد اور انسان اپنی اس منزل کو پا لیتے ہیں جس کے لئے اپنی اس دنیا کی مسافرت میں قدم رکھنا پڑا۔ اسے اقبالؒ نے اس طرح سمجھانے کی کوشش کی ہے ؎

قوموں کے لئے موت ہے مرکز سے جدائی   ہو صاحبِ مرکز تو خودی کیا ہے؟ خدائی

خودی کا استحکام زندگی کا وہ واحد معیار ہے، جس سے اس کی وسعتوں کی پیمائش ممکن ہے۔ پانی کا قطرہ جب خودی از بر کر لیتا ہے تو اپنی ہستیٔ بے مایہ کو گوہر بنا دیتا ہے۔ سبزہ جب اپنی ذات میں اُگنے کی قوت پیدا کر لیتا ہے تو سینۂ گلشن چاک کر ڈالتا ہے۔ خودی کی یہ خاصیت ہے کہ وہ اپنے نمو اور ارتقا کے لئے آزاد، اور عمل کے بے پایاں امکانات تلاش کرتی رہے، اس کی بدولت زندگی کی مردہ اور بے جان نہریں بحرِ ذخار بن جاتی ہیں۔ ؎

قطرہ چوں حرفِ خودی از بر کند   ہستیٔ بے مایہ را گوہر کند

سبزہ چوں تاپ دمید از خویش یافت   ہمتِ او سینۂ گلشن شگافت

خودی کے استحکام میں عشق کو بہت بڑا دخل ہے، اقبالؒ نے عشق کا لفظ بہت وسیع معنوں میں استعمال کیا ہے جس میں تسخیر کرنے اور جذب کی آرزو بھی شامل ہے، اس کی اعلیٰ صورت اقدار و مقاصد کی تخلیق اور پھر ان کے حصول کی کوشش ہے کمال خودی کے حصول کی کوشش جہاں سالک کو خودی کا عرفان بخشتی ہے وہیں مطلوب کی خودی کو بھی نمایاں کرتی ہے۔ عشق کامل کے بغیر سالک کو ہرگز تشفی حاصل نہیں ہوتی ہے۔ جس طرح عشق خودی کو مستحکم بناتا ہے اسی طرح سوال خودی کو ضعیف کرتا ہے۔ ایک دولتمند شخص کا بیٹا جسے اپنے باپ کی دولت ورثہ میں ملے وہ سائل اور گداگر ہے، لہذا خودی کے استحکام کے لئے عشق ضروری ہے یعنی عشق وہ عمل ہے جو ہر شئے کو مسخر کرے اور سوال (گداگری) سے بہرصورت محفوظ رکھے، اس لئے کہ علم کی خودی اگر انسان کو غیرت جبریل بنا سکتی ہے تو عشق کی خودی میں اتنی طاقت اور زور ہے کہ وہ صور اسرافیل بن جاتی ہے۔ ؎

خودی ہو علم سے محکم تو غیرت جبریل　　　اگر ہو عشق سے محکم تو صور اسرافیل

خودی کے تین درجے ہیں۔ (۱) اطاعت (۲) ضبط نفس (یہ خودی کی اعلیٰ صورت ہے) (۳) نیابت الٰہی۔

دُنیا میں انسان کی ترقی کا تیسرا اور آخری درجہ نیابت الٰہی ہے۔ نائب روئے زمین پر خلیفہ ہوتا ہے۔ اس کے اندر علم کامل اور قدرت کاملہ بیک وقت جمع ہوجاتے ہیں، اس کی زندگی میں فکر و عمل اور جذبہ و عقل ایک ہو جاتے ہیں۔ نخل انسانیت کا آخری ثمر یہی ہے، وہ اپنی فطرت انسانیت کی دولت سے دوسروں کو دولتِ زندگی بخشتا ہے اور ان کو اپنے سے بے حد قریب لاتا ہے۔ لہذا ہم جتنا ارتقائی منزلوں پر چڑھتے جاتے ہیں اتنا ہی اس سے قریب ہوتے جاتے ہیں اور اسی کوشش میں زندگی کے اعلیٰ مدارج حاصل کر لیتے ہیں۔ اسی لئے ساز خودی اقبالؒ کے نزدیک عمر جاودانی کا ذریعہ ہے اور خودی ہی کے سوز سے چراغ امت بھی روشن ہے ؎

خودی کے ساز میں ہے عمر جاوداں کا سراغ　　　خودی کے سوز سے روشن ہیں امتوں کے چراغ

اقبالؒ کے نزدیک کائنات کا ذرّہ ذرّہ نشّۂ خودشناسی سے سرشار ہے، بچّہ تک احساس خودی رکھتا ہے اور ذوق جستجو میں سرگرم نظر آتا ہے ؎

جستجو سرمایۂ پندار او　　　از چرا، چوں، کے، کجا گفتار او

اقبالؒ کے نزدیک سرفرازی، بلندی اور معراج کے لئے خودی ہی وہ واحد ذریعہ ہے جسے پاکر انسان اعلیٰ سے اعلیٰ ترین مدارج پا لیتا ہے، وہ اس کے قائل نہیں کہ کوئی شخص بغیر خودی کے اپنا جوہر زندگی اعلیٰ مدارج تک پہنچا سکتا ہے، یہی وہ نقطہ ہے جہاں سے انسان اپنا سفرِ زندگی شروع کر کے ہر طرح کی ارتقائی منزلوں تک پہنچ سکتا ہے اور اگر کسی نے اپنی خودی بیچ دی اور رشتہ ازل کا متلاشی بن گیا تو یقیناً وہ اس ذہنی، معاشی اور سماجی قعر مذلّت میں جا گرا، جہاں سے پھر دوبارہ نہ تو اسے کوئی ایسا ذریعہ ملا جس سے پھر منزل قدر و منزلت کو پا سکے اور نہ ہی کوئی ذریعۂ سرخروئی ہی، کیونکہ اس نے اپنی خودی کا سودا نہایت ذلیل قیمتوں میں کیا۔

اسی لئے علامہؒ نے اس طرف اس طرح اشارہ فرمایا ہے ؎

خودی کو نہ دے سیم وزر کے عوض نہیں شعلہ دیتے شرر کے عوض

اقبالؒ نے علامتِ خودی اور فلسفۂ خودی کے ذریعہ اظہار کو اپنا کر نہ جانے کتنے درس عبرت دئیے ہیں، خودی پر زور دے کر مردہ دلوں میں روح زندگی پھونکی، یہی وہ فلسفہ ہے جسے جان لینے کے بعد حیاتِ انسانی میں ایسے ایسے تغیرات پیدا ہو جاتے ہیں جو معراج انسانی کی آخری منزل تک پہنچانے میں راہنما بن جاتا ہے اور یہی وہ فلسفۂ نجات ہے جسے جان لینے کے بعد حیات بعد الموت کے تصور میں جان پڑ جاتی ہے، انسان کی ملیک اس حقیقی راستے کی تلاش میں بڑھ جاتی ہے کہ جس پر چل کر اس کا وجود اپنی حقیقی منزل کو پالے۔ اسی لئے اس پر مزید زور دیتے ہوئے علامہؒ کا ارشاد ہے ؎

تیری خودی سے ہے روشن تیرا حریم وجود حیات کیا ہے؟ اسی کا سرور سوز و ثبات

لہذا اقبالؒ کا فلسفۂ خودی وہ بنیادی فلسفہ ہے جو دنیا کے تمام انسانوں کے لئے چراغ راہ ہے، تمام مردہ قوموں کے لئے روح حیات ہے اور خوابیدہ امتوں کے لئے تازیانۂ بیداری ہے، اگر قومیں اس فلسفۂ حیات سے نابلد ہیں تو یقیناً ایسی قومیں صفحۂ ہستی سے مٹ جانے کے لائق ہیں اور انہیں صفحات تاریخ کا بوسیدہ باب سمجھا جاتا ہے۔ بقول علامہؒ ؎

خودی کے نگہباں کو ہے زہر ناب وہ ناں جس سے جاتی رہے اس کی آب

اسی لئے علامہ اقبالؒ نے فلسفۂ خودی پر پورا پورا زور قلم صرف کیا کہ انسان اپنی خودی کی بلندی سے اپنے مالک حقیقی کے قریب سے قریب تر ہو جائے اور پھر اس کی قربت اتنی شوخ اور بے باک ہو جائے کہ خود مالک حقیقی اس کی خواہشوں کا احترام کرے اور بندے کی خوشنودی چاہے۔ لہذا علامہؒ کے لفظوں میں ؎

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے

عبدالحق

(از جناب ظفر حبیب صاحب۔ ایم۔ اے)

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ تحقیق و تنقید کا ساتھ چولی دامن کا ساتھ ہے۔ جس طرح فطرت انسانی میں تلاش و جستجو اور کرید کا مادہ پایا جاتا ہے۔ اسی طرح اس میں جانچ و پرکھ اور رد و قبول کی خصوصیت بھی کارفرما ہے۔ تحقیق نام ہے تلاش کا۔ جب کوئی شخص کسی راز کو افشا کرنا چاہتا ہے تو اسکی اہمیت ماہیت اور اصلیت پردہ پیچھے نظر رکھتا ہے۔ اس لئے کہ وہ جب تک اسکی اہمیت اس کے حسن و قبح اور اس کی اصلیت سے واقف نہیں ہوگا اس وقت تک اس کی تحقیق تفتیش میں سر نہیں کھپائیگا۔

ایسی شخصیتیں جنہوں نے تحقیق و تفتیش کا کام کیا ہو اردو میں قرن اول سے ہی پائی جاتی ہے۔ محمد حسین آزاد کا نام ہی اس ضمن میں سب سے پہلے آتا ہے۔ آزاد نے "آب حیات" میں اردو کی ابتداء اور ارتقاء سے متعلق جن خیالات کا اظہار کیا ہے اس کے علاوہ شعراء کی حیات و سوانح کا پتہ لگانے کی جو کوشش کی ہے وہ ان کی تحقیقی کارگزاریوں کا غماز ہے۔ گرچہ "آب حیات" کو تحقیقی کتاب منوانے میں چند مشکلات پیش آتی ہیں پھر بھی اس سے انکار کی گنجائش نہیں کہ ان تصنیفوں میں تحقیق کے ابتدائی نقوش دیکھنے کو ملتے ہیں۔ دوسری شخصیت شبلی کی ہے انہوں نے بھی اپنی تصانیف میں تحقیق کا رنگ قبول کیا ہے۔ اسی طرح اردو میں تحقیق کوئی نئی چیز نہیں ہے۔ لیکن ڈاکٹر عبدالحق کو محققوں کی صف میں اول مقام دیا جاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اس ضمن میں خاص طور پر نئے نئے تجربے کئے ہیں جس سے اردو دنیا تقریباً ناواقف تھی، اس کی طرف خاص طور پر توجہ دی اور اس کے معیار کو بلند کرنے کی کوشش کی۔

تحقیق کے لئے یکسوئی و دلجمعی درکار ہے، عبدالحق کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ وہ کسی موضوع پر مکمل طور پر تفتیش کر لینے کے بعد ہی قلم اٹھاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر ان کے خیالات حرف آخر کی حیثیت اختیار کر لیتے ہیں۔ علیم الدین احمد جنہوں نے مختلف جہتوں سے عبدالحق کے کارناموں پر خط تنسیخ کھینچا ہے وہ بھی اس بات کے معترف ہیں "عبدالحق محقق کار ہیں، وہ عجلت سے کام نہیں لیتے ہیں، محنت اور غور و فکر ان کی عادت ہے۔ عموماً اپنے موضوعات پر کامل عبور رکھتے ہیں اور جب تک بات کی تہہ تک نہیں پہونچ جاتے ہیں رائے زنی نہیں کرتے ہیں"۔ تحقیقی میلان کے علاوہ عبدالحق تنقید کا بھی اچھا شعور رکھتے ہیں۔ وہ اپنی تحقیق پر خود رائے زنی کرتے ہیں اور اسے رد و قبول کا شرف بخشتے ہیں جس کی وجہ سے ان کے تحقیقی کارنامے کی اہمیت دوچند ہو جاتی ہے۔

عبدالحق کا تنقیدی اور تحقیقی سرمایہ مکمل اور مبسوط کتابی شکل میں اردو ادب کے خزینے میں اضافہ نہیں کرتا اور نہ تو انہوں نے مبادیات تحقیق پر کہیں جگہ بحث کی ہے۔ ان کی کل ملکیت مختلف کتابوں پر مقدمے، تبصرے اور تقاریظ کی شکلوں میں ہیں۔ لیکن ان چھوٹی چھوٹی تحریروں کے پڑھنے سے ہی عبدالحق کا نقطۂ نظر بہرحال واضح ہو جاتا ہے۔

عبدالحق اردو کے پہلے ادیب ہیں جو مغربی ادبیات سے اچھی واقفیت رکھتے ہیں۔ انہوں نے انگریزی ادب کا عام مطالعہ کیا ہے انگریزی طرز تحقیق

سے واقفیت حاصل کی ہے اور انہی چیزوں نے اردو میں نئی تنقید کی بنیاد ڈالی ہے۔ لیکن ان کی ایک امتیازی خصوصیت یہ بھی ہے کہ وہ مغربیت کی رو میں بہہ نہیں جاتے ہیں، وہ مغربی تنقید و تحقیق کو قابل استحسان سمجھتے ہیں، اردو ادب کی قدامت پرستی کا انہیں احساس ہے، وہ اردو کو مغربی طرز سے روشناس کرانا چاہتے ہیں اور اردو ادب میں جدیدیت کی روح پھونکنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے خود اس خیال کا اظہار کیا ہے۔ "تنقید کی ابتدا مولوی حالی نے کی اور اب اس فن پر مختلف لکھنے والے پیدا ہو گئے ہیں۔ حالی کے انقلابات اور تغیرات سے ہمارا ادب بھی دوچار ہوا ہے اور اس میں طرح طرح کی جدتیں پیدا ہو رہی ہیں۔ ان کے جانچنے کیلئے پرانے کام نہیں آسکتے۔ ان نئی چیزوں کے پرکھنے کیلئے ہمیں نئے اصولوں سے کام لینا پڑیگا"۔ اس ان کی جدت پسندی صاف ظاہر ہو جاتی ہے لیکن ساتھ ساتھ وہ اس خیال کے بھی حامی ہیں کہ ہر ادب میں اگر آفاقیت ہوتی ہے تو اس پر کچھ جغرافیائی ملکی و مقامی اثرات بھی ہوتے ہیں۔ ان اثرات و خصوصیات سے چشم پوشی ممکن نہیں۔ اسی لئے عبدالحق تحقیق کرتے وقت اردو کی روایت کا ہمیشہ پاس رکھتے ہیں۔ کلیم الدین کو اس بات کی سخت شکایت ہے کہ "ان کی تنقید مشرقی فضا میں سانس لیتی ہے۔ وہ مشرقی ادب کو محدود و مقامی مشرقی معیار سے جانچتے ہیں اور کھرے کھوٹے میں امتیاز کرتے ہیں"۔ لیکن کلیم الدین احمد جس بات کو ان کا نقص بتاتے ہیں وہی در اصل ان کی خوبی ہے۔

عبدالحق حالی کے ہمنوا ہیں۔ ان پر حالی کے بہت گہرے اثرات ہیں۔ چنانچہ ان تنقیدی نظریات کی تشکیل حالی ہی کے خیالات کے زیر اثر ہوتی ہے۔ وہ تقریباً تمام باتوں میں حالی کے خیال سے متفق ہیں۔ حالی کی طرح ان کی نظر بھی وسیع ہے، مطالعہ گہرا ہے، تنقید کا اچھا شعور ہے۔ تخیل کی بلند پروازی ہے، کام کرنے کی لگن ہے، جانچ پڑتال کی صلاحیت ہے اور صاف گوئی کا ملکہ ہے۔ صرف ایک بات جو انہیں حالی سے ممیز کرتی ہے وہ مغربی ادبیات کی پوری واقفیت ہے۔

حالی کی طرح عبدالحق کو بھی شعر و ادب کی اہمیت کا احساس ہے "شاعری خود ایک بڑا کمال ہے کہ اگر کسی شخص میں صحیح طور سے موجود ہو تو اس کے دوسرے کمال ہیچ ہیں"۔

جس طرح حالی نے سادگی، اصلیت اور جوش کو شاعری کا جزو لازم قرار دیا ہے اسی طرح عبدالحق نے اسی پر حالی کے مسدس کو پرکھ کر ان شرائط کی تائید کی ہے۔ عبدالحق مسدس حالی کو شاعری کا بہترین نمونہ قرار دیتے ہیں۔ اس لئے کہ اس میں انہیں یہ تینوں خصوصیات ملتی ہیں۔ چنانچہ وہ رقمطراز ہیں: "ان میں جو سادگی، خلوص، جوش اور صداقت ہے اس کا کہیں جواب نہیں"۔

جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے کلیم صاحب عبدالحق کو نو مشرقی قرار دیتے ہیں اسکی ایک وجہ تو ان کی حالی کی مریدی ہے اور دوسری تنقید میں مشرقی اصطلاحات کا استعمال اور فصاحت و بلاغت کے پے در پے تذکرے۔ لیکن ان اصطلاحات کے استعمال سے عبدالحق کی تحریروں پر کوئی ضرب نہیں لگتی ہے اس لئے کہ ان کی تنقید اسلوب و انداز بیان تک ہی محدود نہیں رہتی بلکہ معنوی و صوری دونوں پہلوؤں پر وہ نظر رکھتے ہیں۔

یوں تو ان کی تنقید سائنٹیفک ہوتی ہے لیکن کہیں کہیں مصرعوں، لفظوں اور فقروں کی خوبی اور خوش اسلوبی پر پسندیدگی و ناپسندیدگی کا اظہار ان کی تنقید کو تاثراتی رنگ دے دیتا ہے۔ یہ اگر ان کی تنقید کا قبح ہے تو یہی ان کا حسن بھی کہلا سکتا ہے۔ مثلاً کچھ ناقدان کے اس طرح کے جملوں پر اعتراض کرتے ہیں۔ "یہ پیرایہ غضب کا درد انگیز ہے، عشق عاشق کا بیان ہے اور بہت پر لطف ہے" وغیرہ۔

چونکہ ڈاکٹر صاحب کا مزاج تھا اس لئے ان کی باتیں محقق ہیں اور ان کا یہ طرز ان کی تنقید کو تجزیاتی رنگ دے دیتا ہے۔ پھر بھی کہیں کہیں مشرقی پہلو بھی ان کے یہاں نظر آتا ہے۔ (بقیہ صفحہ ۲۱ پر)

افادات

مکتوبات حضرت شیخ الاسلام مخدوم الانام مخدوم شرف الدین بہاری قدس اللہ سرہٗ

ترجمہ

(از جناب شاہ نجم الدین احمد فردوسی علیہ الرحمۃ)

مکتوب بست و ششم

در شریعت و حقیقت

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ برادرم شمس الدین اعزہ اللہ بداند کہ شریعت و حقیقت این ہر دو عبارتست مراین قوم را چنانکہ حق و حقیقت از صحت حال ظاہر شریعت عبارت کنند واز صحت حال باطن حقیقت عبارت کنند و ظاہر با باطن پیوستہ است اندر اصل جدا نیست کہ تصدیق بے قول ایمان نباشد و قول بے تصدیق گردش لا الٰہ الا اللہ حقیقت است محمد رسول اللہ شریعت اگر در حال صحت ایمان کسے خواہد کہ جدا کند نتواند خواستنش باطل بود اما، اندر حکم شریعت از حقیقت جدا است کہ فرق ظاہر است میان قول و تصدیق و علما ظاہر گویند فرق نہ کنیم کہ شریعت خود حقیقت است و حقیقت، شریعت و این غلط است، ملحدان آنست کہ گویند یکے بے دیگرے روا باشد و گویند چوں حال حقیقت کشف گشت شریعت برخیزد لعنت برین اعتقاد باد و برین مذہب پس بداند کہ حقیقت عبارت است از معنی کہ

چھبیسواں مکتوب

شریعت و حقیقت کے بیان میں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ برادرم شمس الدین اعزہ اللہ تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ شریعت و حقیقت دو لفظ معنی خیز ہیں جو صوفیوں کے یہاں مستعمل ہیں۔ جس طرح شریعت میں اعمال ظاہر جب درست ہو جاتے ہیں۔ تو انسان اہل حق و حقیقت طلب ہو جاتا ہے اسی طرح انکشاف احوال باطن کے بعد آدمی اہل حقیقت کہلاتا ہے یہ تو ظاہر من الشمس کہ ظاہر کو باطن کے ساتھ ایک خاص قسم کا لگاؤ ہے جب جب اصل پر غور کروگے تو دونوں کو الگ الگ نہ پاؤگے دیکھو ایمان کے لئے اقرار باللسان و تصدیق بالقلب شرط ہے۔ نہ تو صرف تصدیق سے ایمان کامل ہوتا ہے نہ فقط اقرار سے ایمان کی تکمیل ہوتی ہے۔ کلمہ توحید میں لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ دو جملے ہیں۔ حقیقت کے رموز و اشارات لا الٰہ الا اللہ میں مستتر اور شریعت کی جلوہ گری محمد رسول اللہ سے ہے صحت ایمان دونوں جملوں پر موقوف ہے۔ اب کوئی چاہے کہ صرف ایک جملہ سے ایمان کی منزل طے کرے

که نسخ بدان روا نباشد از عهد آدم علیه السلام تا فنای عالم حکم او متساوی است، چون معرفت حق و شریعت عبارت است از معنی که نسخ و تبدیل بدان روا باشد چون احکام و وقتی بود که شریعت نبود و وقتی باشد که شریعت نباشد۔ اما وقتی نبود که حقیقت نبود و وقتی نباشد که حقیقت نباشد۔ پس معرفت فعل بندہ بود و حقیقت داشت خداوند و حفظ و عصمت او قال اللہ تعالیٰ والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا مجاہدات شریعت و ہدایت حقیقت آں یکے حفظ بندہ احکام ظاہر را بر خود و آں دیگر حفظ حق مر احوال باطن را بر بندہ، پس شریعت از مکاسب بود و حقیقت از مواہب شریعت بر مثال مادہ است و حقیقت بمثال قلب و قوام مادہ بقلب است و منزل قلب مادہ است پس شریعت بر مثال قالب آمد، و حقیقت بر مثال جان۔ چنانکہ در حال حیات آدمی یکے بے دیگرے محالست در حال صحت ایمان شریعت بے حقیقت و حقیقت بے شریعت محال بود۔ و ایں طائفہ اند کہ مخصوص اند بعلم شریعت و حقیقت بمعاملات نہ بمقالات و علم حقیقت را سہ رکن است۔ یکے علم بذات خداوند عزوجل و وحدانیت و احکام وے و نفی تشبیہ از وے، دوم علم بصفات خداوند عزوجل و احکام وے، سوم علم بافعال و حکمت وے و علم شریعت را نیز سہ رکن است، یکے کتاب دوم سنت سوم اجماع امت و اقامت علم حقیقت بے اقامت شریعت زندقہ است و اقامت علم شریعت بے اقامت حقیقت نفاق۔ اولیاء خداوند بصدق مجاہدت علم وراثت حاصل کردہ اند و علم وراثت علم شریعت است کہ بدرس کردن و بجہد کردن تو آں آموخت و تخالص کردند معاملات خویش را بداں علم علم الوراثۃ بداند ایشاں را علم وراثت و علم وراثت علم حقیقت است و آں

تو بالکل ناممکن ہے۔ ہاں حکم میں البتہ شریعت حقیقت سے جدا ہے۔ زبان سے اقرار کرنا اور شئی ہے۔ دل سے تصدیق کرنا اور چیز ہے۔ اقرار اور تصدیق میں جو فرق ہے، وہی فرق شریعت و حقیقت میں ہے۔ مگر علماء ظاہر کا خیال ہے کہ شریعت عین حقیقت ہے اور حقیقت عین شریعت۔ یہ سمجھنا مغالطہ اور غلطی سے خالی نہیں ہے۔ اس عقیدہ میں بہت بڑا نقصان یہ ہے کہ انسان باطنی ترقی سے محروم رہ جاتا ہے اگرچہ مومن باقی رہتا ہے، اس میں کچھ کلام نہیں۔ اس سے زیادہ افسوس کے قابل ان لوگوں کی حالت ہے، جو شریعت کی پرواہ نہیں کرتے اور اہل حقیقت بن کر بیٹھے ہیں۔ دعویٰ ان کا یہ ہے کہ جب حقیقت منکشف ہوگئی تو شریعت کی ضرورت کیا باقی رہی۔ نعوذ باللہ من ذلک۔ یہ مذہب ملحدانہ ہے۔ ایسے مذہب و اعتقاد پر خدا کی پھٹکار ہو جیو۔ تھوڑی تفصیل حقیقت و شریعت کی اور سنو، تو سمجھ جاؤ گے حقیقت کی تعریف یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے تا قیام قیامت نہ اس میں ردوبدل ہوا، نہ ہوسکتا ہے۔ حکم اس کا ایک طرح پر جاری ہے اور جاری رہے گا۔ جیسے اللہ تعالیٰ کی معرفت ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گی۔ شریعت کی توصیف یہ ہے کہ اس میں تغیر و تبدل ہوتا رہا، جیسے اوامر و نواہی۔ ایک نبی کے وقت میں بعض چیز حلال دوسرے نبی کے وقت میں حرام۔ یا ایک شخص کے لئے حلال دوسرے کے لئے حرام مگر کوئی وقت ایسا نہیں ہے کہ حقیقت وجود نہ ہو.....

.....شریعت کو بندہ کے افعال سے تعلق ہے حقیقت خدا کی ذات پاک سے وابستہ ہے والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا اس آیت پاک میں مجاہدہ اور ہدایت اصل شریعت ہے۔ ہدایت حقیقت ہے بندہ نے جب احکام ظاہر کی محافظت کی، تو اللہ تعالیٰ نے احوال باطن کی محافظت فرمائی۔ شریعت کو تعلق کسب سے ہوا حقیقت سے وہبی شان ظاہر ہوئی۔ شریعت کی مثال مادہ کی ہے اور

عطار محض است بے درس و تعلم بحکم ایں وعدہ کہ من عمل بما علم ورثہ اللہ علم ما لم یعلم و ازینجا است کہ علمار ظاہر ایشاں باعلم وراثت طلب کنند کہ مقام ایشا نست و نیابند ضرورت منکر شوند و گویند پس بایں خلاف روایت است یا ایں چنیں روایت کجا است و ندانند کہ در خانہ اگر ہرچہ نباشد واجب نکند کہ در خانۂ محمد راہ نباشد سنت حق تعالیٰ با اولیار خویش چناں رفتہ است کہ نپسند د کہ سبر ایشاں جز آں نماید کہ باشد و سر ایشاں آنچہ گیرد از حق گیرد و زبان ایشاں آنچہ عبارت کند از سر کند و زبان با سر راست باشد و سر با حق تعالیٰ راست باشد۔ ہرچہ پدید آید ہمہ راست پدید آید و ہمہ صواب پدید آید چنانکہ گفت

مثنوی

با علم و عمل زبان شان راست
میزان صفت الذی کم و کاست
با حق جمع و ز خود پریشان
لا یعرفہم شعار الیشان

اما کثر دیدن از کثر من و تست ہر آئینہ احوال یکے را دو بیند و دو را چہار داند کہ راست اینست کہ من می بینم پس نزدیک ایں طائفہ ہمہ ظاہر بینان احوال روزگار اند ہرچند خود را راست بیں شمارند دانی آلست کہ ایں طائفہ ایشاں را معذور دارند و ہر کجا بینائی است اما بینا را لا بد معذور دارد و اعرض عن الجاہلین ہمیں فرمان است اما از آنجا کہ اہل ایں علم بر نقد و کار کردن از میان برخاستہ است۔ بریں مذہب الا ماشاء اللہ ہر کہ اہل حقیقت بود پنہاں گشت و آنچہ داشت پنہاں کرد و آنکس کہ خود را بر ... حقیقت نداشت از دل خلق یکبارگی۔ بیا مذہب برخاست نقد۔ مگر

حقیقت کی مثال قلب کی، مادہ کا قوام قلب ہیں اور قلب کی منزل مادہ ہے شریعت قالب کے درجہ میں ٹھہری حقیقت بمنزلہ جان، جس طرح زندگی بغیر جان و قالب ان دونوں کے ناممکن ہے اسی طرح ایمان کی بقا بے شریعت و حقیقت محال ہے۔ اگر پوچھو گے تو یہ دولت، یہ نعمت اس گروہ صوفیہ کے سوا اور کہاں شریعت و حقیقت۔ دونوں معاملات ان کے نہایت سجل سراپا درست یہ زبانی جمع خرچ نہیں بلکہ اظہار حقیقت حال ہے۔ اور سنو علم حقیقت کے تین رکن ہیں۔ خدا کی ذات کا علم وحدانیت کے ساتھ اور اس کو بے شبہ و بے نظیر جاننا۔ خدا کی صفات کا علم مع احکام خداوندی خدا کے افعال و حکمت کا علم۔

اسی طرح شریعت کے بھی تین رکن ہیں۔ کتاب اللہ سنت رسول اللہ۔ اجماع امت۔

اب ہم صاف صاف یہی کہیں گے کہ بغیر شریعت دعوی اہل حقیقت ہونے کا دعوی کرنا سراسر زندیقیت ہے اور حقیقت سے بے خبر ہو کر صاحب شریعت بن جانا شان منافقانہ ہے۔ حاصل دونوں لازم و ملزوم ہیں۔ اسی لئے اولیار اللہ کی بات ہی کچھ اور ہوتی ہے۔ علم کہ یہی علم شریعت ہے آراستہ جامہ و زینت میں صدق و اخلاص کا گہرا رنگ۔ عمل خالص کی نورانیت۔ رفتہ رفتہ یہی عمل صالح ان کو علم۔ وراثت کا عطیہ بنا دیتا ہے، جس کو علم حقیقت کہتے ہیں۔ علم وراثت عطار محض ہے اس کو درس و تدریس سے کوئی سروکار نہیں، جیسا کہ اس وعدۂ الٰہیہ سے ظاہر ہے۔ من عمل بما علم ورثہ اللہ علم ما لا یعلم اسی علم وراثت یعنی علم کی حقیقت کی بدولت ان بزرگان دین کے اعمال و اقوال و افعال و احوال میں ایسا نمایاں تغیر نظر آتا ہے کہ علمائے ظاہر دنگ ہو کر رہ جاتے ہیں اور ان کی سمجھ سے بات باہر ہو جاتی ہے۔ اپنے مقام کے رو سے کتابوں کو الٹ پلٹ کر دیکھتے ہیں

ایں مذہب را حقیقت نیست۔ زیرا کہ ہر کہ اہل حقیقت بود از میان ملت و علم باخویشتن برد کسے نماند کہ مرایں مذہب را بیان کند فعل نیز از میان برخاست از بہر آنکہ فعل بہ بیان تواں کرد و بیان از علم تواں یافت۔ و علم از اہل تواں گرفت چوں اہل برخواست علم برخواست، و چوں علم برخاست، بیان برخاست و چوں بیان برخاست فعل برخواست، و ایں نہ تنہا در علم حقیقت افتادہ است۔ در علم شریعت نیز ہمیں افتادہ است پس باید کہ بدانی کہ طائفہ قومی اند کہ ہرگز ترک ادبی از آداب شریعت روا نداشتہ اند ترک فرض و واجب کے روادارند حکایت مشائخ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم در رعایت آداب شریعت در کتب مسطور است و در زبانہا مشہور تا بزرگے از بزرگان دین گفتہ من از خداوند عمر ابدی میخواہم تا ہمہ خلق در ناز و نعمت بہشت مشغول باشند و من در بلائے دنیا باشم و آداب شریعت را اقامت نمایم۔ قدر شریعت ایشاں نیکو دانند و آداب شریعت ایشاں نیکو شناسند کہ ہر چہ ایشاں یافتہ اند در متابعت شریعت یافتہ اند۔ اے برادر دل خوش کن و در عزیمت سستی منمائی کار اناں طرف ست نہ بعلل تو اہل معرفت چنیں گفتہ اند کہ ملائکہ چنیں دانستہ بودند کہ علت نواخت خدمت است و علت گداخت مخالفت است ازیں جا گفتند ما مطیعیم و ایشاں عاصی کرامت و نواخت مارا باید حق تعالیٰ باز نمود کہ نواخت بالفضل است نہ بطاعت و عبادت فرشتگان ہفت آسمان و زمین را کہ طاعت داشتند بفرمود تا آدم علیہ السلام را سجدہ کردند کہ ہیچ طاعت نداست اگر خواہد در لحظہ ہزار ہزار آدم و عالم بیافریند و ہزار ہزار چوں حبیب

ان باتوں کا کہیں نشان نہیں پاتے۔ حیران ہو کر انکار کر بیٹھتے ہیں اور بول اٹھتے ہیں کہ یہ بات خلاف روایت ہے اس کا کہیں وجود ہی نہیں۔ معاذ اللہ کتنا بڑا ظلم ہے کہ ایک غریب بے نوا کے گھر میں جو چیز نہ ہو وہ اس کا مدعی بن جائے کہ جو شے ہمارے پاس نہیں یا محمد شاہ بادشاہ کے محل میں کبھی نصیب نہیں ان کو اس کی خبر نہیں کہ سنت اللہ کس طور پر جاری ہے یعنی اللہ تعالیٰ ہرگز نہیں پسند کرتا ہے کہ اپنے دوستوں کو مقام سری میں پہنچا کر غلط الہام اور غلط مکاشفات میں ان کو مبتلا کر دے کیونکہ ان بزرگوں کا دل جب انوار سری سے متجلی ہو جاتا ہے، تو اس پر جو بات ملتی ہے سب حق کی طرف سے ملتی ہے۔ گویا ان کی زبان ان کے سر کی متبع ہوتی ہے اور سر کو حق سے خاص تعلق ہوتا ہے۔ ایسی حالت میں جو بات ان بزرگوں سے سرزد ہوگی وہ راست و صواب ہوگی: ؎

مثنوی۔ باعلم و عمل زبان شان راست
میزان صفت اند بے کم و کاست
با حق جمع و ز خود پریشان
لا یعرفہم شعار ایشان

لیکن ہم کو تم کو جو ان کی باتیں خلاف روایت و خلاف کتاب و سنت معلوم ہوتی ہیں۔ یہ ہماری کج فہمی کا باعث ہے۔ دیکھو جو شخص احوال روزگار ہوتا ہے، وہ ایک کو دو دیکھتا ہے اور یقین رکھتا ہے کہ ہم جو دیکھ رہے ہیں یہی ٹھیک ہے۔ موحدان حقیقی کے نزدیک جتنے ظاہر میں ہیں سب کے سب احوال روزگار ہیں۔ ہزار دہ کہا کریں کہ ہم سچ کہہ رہے ہیں۔ مگر ماننے کی بات نہیں۔ گویا دعویٰ راست بیانی کج فہمی کی دلیل ہے۔ چنانچہ یہ حال دیکھ کر بزرگان دین نے یہ روش اختیار کی ہے کہ اہل ظاہر کی بک بک کا خیال نہیں کرتے معاف فرماتے ہیں۔ قاعدہ کی بات ہے کہ اگر نابینا سے کوئی لغزش

وخلیل برگزیند و قدرت عرش رفیع با ذرہ حقیر برابر است

والسلام۔

ہوجاتی ہے، تو آنکھ والے ضرور چشم پوشی کرتے ہیں علاوہ ازیں قرآن شریف کا حکم بھی ہے واعرض عن الجاهلين۔ قطع نظر ان باتوں کے اس قدر شور و غوغا کا ایک خاص سبب بھی ہے۔ وہ یہ ہے کہ جو لوگ اس علم تصوف کے جاننے والے تھے، رخصت ہوگئے۔ اور طریقت کی روش پر ٹھیک ٹھیک چلنا مفقود ہوگیا۔ ہاں شاذ و نادر کی بات دوسری ہے۔ خیر جب یہ ہوا کہ اہل حقیقت چھپ گئے اور جو خزانۂ علم ان کے پاس تھا، وہ دفن کر دیا گیا۔ اب جو اس معرکہ میں مرد میدان بنتا ہے اور اس مذہب کا دعویٰ کرتا ہے حقیقت حال یہ ہے کہ معنی حقیقت سے وہ خود بے خبر ہے۔ اس سے نتیجہ یہ نکلا کہ عام خلق اللہ نے اس کے سرے ہی سے انکار کر دیا۔ کہنے لگے کہ علم تصوف کی کوئی اصلیت ہی نہیں پائی جاتی۔ سچ ہے کہنا ان کا بیجا نہیں ہے۔ کیونکہ جب اہل حقیقت نہ رہے اور اس کا علم نہ رہا، تو اس مذہب کو بیان کون کرتا ہے۔ چنانچہ علم حقیقت پر عمل کرنا بھی اٹھ گیا۔ عمل علم کے بعد کی چیز ہے اور علم کا حصول بیان پر موقوف ہے۔

افسوس صد افسوس نہ اہل حقیقت رہے نہ عمل رہا نہ علم رہا نہ بیان رہا۔ یہ مرض صرف علم حقیقت ہی کو دامنگیر نہ ہوا۔ بلکہ علم شریعت بھی انہیں بلاؤں میں گھر گیا ہے۔ ہم تمہارے لئے بہت زیادہ مناسب سمجھتے ہیں کہ تم اپنا عقیدہ ان بزرگان دین کی طرف سے بہت پاک و صاف رکھو اور دل میں سمجھو کہ یہ حضرات کبھی خلاف شریعت کوئی کام نہیں کرتے۔ جو شخص آداب شریعت سے ایک ادب بھی ترک کرنا پسند نہ کرے، وہ فرض و واجب کیوں کر ترک کرے گا۔ سینکڑوں حکایتیں آداب شریعت میں ان بزرگان دین کی اس قدر مشہور و معروف ہیں کہ زیادہ شان کی بات نہیں۔ ایک بزرگ کہا کرتے تھے کہ ہم خدا سے عمر ابدی چاہتے ہیں تاکہ تمام خلق ناز و نعمت بہشت میں مشغول رہے اور ہم دنیا کی بلاؤں میں گرفتار رہ کر آداب شریعت میں ثابت قدمی کی منزلیں طے کرتے رہیں۔ سچ ہے شریعت کی قدر جو بزرگان دین جانتے ہیں کوئی کیا جانے گا اور آداب شریعت کا جو ان کو خیال ہے کیا کسی کو خیال ہوگا۔ اللہ اکبر اتنی بڑی فقر کی دولت آخر کس کے طفیل میں ان کو ملی ہے۔ اسی پاک شریعت کے طفیل میں سنو بھائی شریعت ہو یا حقیقت دونوں منزل کڑی ہے، مگر دل ہارنا چہ معنی دارد۔ راہ طلب میں کوئی سستی کرتا ہے۔ کامیابی عطا محض ہے۔ عمل پر موقوف نہیں۔ اہل معرفت کا قول ہے کہ ملائکہ مقربین یہ سمجھے ہوئے تھے کہ ہماری اطاعت و فرماں برداری اکرام و نوازش خاص کا سبب ضرور ٹھیرے گی۔ خلاف ورزی ایسی شئی ہے جس سے عزت و قدر جاتی رہتی ہے۔ اس لئے خدائے قدوس کے حضور میں بے محابا بول اٹھے کہ ہم مطیع آدم عاصی اللہ تعالیٰ نے اسکو دکھا دیا کہ ایسا سمجھنا غلط فہمی ہے۔ ہماری نوازش و اکرام کا اگر سبب ہے تو ہمارا فضل و کرم ہے۔ کسی کی طاعت کسی کی عبادت نہیں۔ بھائی دیکھتے نہیں ہو کہ ساتوں آسمان و زمین کے فرشتوں کو جو طاعت سے آراستہ تھے۔ ان کو یہ حکم ہوا کہ آدم کو سجدہ کریں۔ کون آدم، وہ آدم جو عبادت کی عین سے بھی سروکار نہیں رکھتا اور طاعت کے نام سے بھی جس کو واسطہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا کیا معاملہ ہے۔ تم یہ سنکر حیران ہوگے کہ قصہ کیا ہے۔ ایسا کیوں ہوا۔ بھائی تم کہاں ہو، اس سے بڑھ بڑھ کر معاملات ہوئے اور ہو رہے ہیں۔ مگر ہمیں تمہیں خبر کہاں ہے۔ اس کی قدرت کا اس کو ایک ادنیٰ کرشمہ سمجھو کہ اگر وہ چاہے تو ایک لحظہ میں ہزاروں آدم اور ہزاروں عالم پیدا کر کے رکھ دے اور سینکڑوں کو حبیب اور سینکڑوں کو خلیل اپنا بنالے ہم جو کہہ رہے ہیں یہ بات دیکھنے میں ایک پہاڑ سی معلوم ہوتی ہوگی۔ مگر یقین جانو کہ جو قدرت عرش سے فرش تک اور علیٰ سے ثریٰ تک ہے (باقی آئندہ)

باب التفسیر

تفسیر سورہ فاتحہ

(۱۱۶)

(از جناب مولانا مفتی ابو القاسم محمد علیق صاحب بحر العلومی فرنگی محل۔ لکھنؤ)

مولانا ابو الحسنات محمد عبد الحی فرنگی محلی قدس سرہ الحفی دا لجلی اپنے ایک فتوے میں تحریر فرماتے ہیں:۔

اولاً تمہید چند مقدمات میکنم بعد ازاں بر اصل می آیم۔ مقدمہ اولیٰ محدث امریست کہ نہ وجود آں بخصوصیت در ازمنۂ ثلاثہ یعنی زمانۂ آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم وزمانۂ صحابہ وزمانۂ تابعین کہ مشہود لہ بالخیر ہستند باشد وبہ اصلش از ادلۂ اربعہ کتاب وسنت واجماع وقیاس یافتہ شود۔ علامہ سید شریف در حواشی مشکوٰۃ در شرح حدیث من احدث فی امرنا ھذا ما لیس منہ فھو ردٌ می نویسد المعنی ان من احدث فی الاسلام رایا لم یکن لہٗ من الکتاب والسنۃ سند ظاھر او خفی ملفوظ او مستنبط فھو مردود علیہ انتھی وفاضل معین بن صفی در شرح اربعین می نویسد (عبارت آں) وحافظ ابن حجر در ہدی ساری مقدمہ فتح الباری در فصل خامس کہ موضوع است برائے شرح غریب می آید (عبارت آں) ودر فتح الباری می آرند (عبارت) وابن حجر مکی در فتح مبین شرح اربعین می نویسد (عبارت) وہمچنیں ملا علی قاری در شرح اربعین وابن ملک در شرح مصابیح وبیضاوی

پہلے چند مقدمات کی تمہید کرتا ہوں، اس کے بعد اصل (مسئلہ) پر آتا ہوں۔ پہلا مقدمہ محدث وہ امر ہے کہ اس کا وجود خصوصیت کے ساتھ تینوں زمانوں، یعنی زمانۂ آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم اور زمانہ صحابہ وزمانۂ تابعین میں کہ جن کے لئے خیرات کی گواہی دی گئی ہے۔ نہ ہو اور نہ اس کی اصل کتاب وسنت واجماع وقیاس چاروں دلیلوں سے پائی گئی ہو۔ علامہ سید شریف حواشی مشکوٰۃ میں حدیث من احدث (یعنی جس نے ہمارے اس کام میں وہ چیز پیدا کی جو دین سے نہیں ہے، تو وہ مردود ہے) کی شرح میں لکھتے ہیں کہ معنی یہ ہیں کہ جس نے اسلام میں کوئی ایسی راہ نکالی جس کے لئے کتاب وسنت سے کوئی سند ظاہر یا خفی جو لفظوں میں آتی ہو یا مستنبط ہونہ ہو وہ اس پر رد کردی جائے گی انتہی اور فاضل معین بن صفی شرح اربعین میں لکھتے ہیں۔ (اس کی عبارت لکھی ہے) اور حافظ ابن حجر ہدی ساری مقدمہ فتح الباری کی خامس میں جو غریب کی شرح کے لئے مقرر کی گئی ہے۔ لاتے ہیں۔ (اس کی عبارت ہے) اور فتح الباری میں لاتے ہیں (عبارت ہے) اور

در شرح مصابیح وغیرہ نوشتہ اند پس معلوم شد کہ ہر امرے کہ وجودش در زمانے از ازمنۂ ثلثہ یافتہ باشد یا سندش از دلیلے از ادلۂ اربعہ یافتہ شود بدعت ضلالت نخواہد شد۔ مقدمۂ ثانیہ آنکہ گمان بزی کہ استحسان شرعی صفت ماموربہ است کہ صراحۃً در دلیلے از ادلۂ اربعہ امر بادوارد شدہ باشد، بلکہ استحسان صفت ہر ماموربہ است خواہ صراحۃً امر بادوارد شدہ باشد یا از قواعد کلیہ شرعیہ سندش یافتہ شدہ باشد خواہ واجب باشد یا مندوب کما لایخفیٰ علیٰ من تامل فی العبارات السابقۃ، وآنچہ کہ در کتب اصول اختلاف در اطلاق ماموربہ بر مندوب مذکور است نزاعی لفظی ست کما حققہ ابن الہمام فی تحریر الاصول ہمچناں کہ اطلاق ماموربہ بر واجبات می شود بر مندوب نیز میشود۔ ہمچناں کہ استحسان در واجبات ظاہر میگردد ہمچناں در مندوبات۔ پس ہر محدثے کہ وجودش بخصوصہ در زمانے از ازمنۂ ثلاثہ نیافتہ باشد لیکن سندش در دلیلے از ادلۂ اربعہ یافتہ شود ہم مستحسن خواہد شد کہ بنائے مدارس را جملہ فقہاء شرقاً وغرباً ومحدثین جنوباً وشمالاً مستحسن می نویسند حالانکہ وجودش در زمانِ نبوی نبود مگر اصلش از حدیث اذا مات ابن آدم انقطع الامن ثلاث (الی آخرہ) چوں ثابت میشود لہذا حکم استحسانش دادہ اند ودر بدعت ضالہ داخل نساختند۔

مقدمۂ ثالثہ آنکہ مفتی را لازم کہ ہر واقعہ کہ درپیش شود اگر حکم آں صریح باشد در کتاب یا سنت یا اجماع یا قیاس باید کہ حسب آں فتوی دہد، ورنہ آں واقعہ را زیر قواعد کلیہ شرعیہ پیش سازد واز جزئیات ہر کلیہ کہ یابد حسب آں فتوی دہد وہمیں حال علمائے مجتہدین وفقہائے متجرین ماندہ آرے بر مفتی کہ بجز نقل عبارات کتب واقوال مجتہدین واقف استنباط مدار ندارد تا البتہ بجز نقل

اور ابن حجر کی فتح مبین شرح اربعین میں لکھتے ہیں (عبارت) اور اسی طرح ملا علی قاری نے شرح اربعین میں اور ابن ملک شرح مصابیح میں اور بیضاوی نے شرح مصابیح میں لکھا ہے پس معلوم ہوا کہ ہر امر کہ جس کا وجود تینوں زمانوں میں سے کسی زمانہ میں پایا گیا ہو۔ یا اس کی سند چاروں ادلہ میں سے کسی دلیل سے پائی گئی ہو۔ وہ بدعت ضلالت نہ ہوگا۔ دوسرا مقدمہ یہ ہے کہ یہ گمان نہ کرنا کہ استحسان شرعی اس ماموربہ کی صفت ہے کہ جس کا حکم چاروں ادلہ میں سے کسی دلیل میں صراحۃً وارد ہوا ہو۔ بلکہ استحسان ہر ماموربہ کی صفت ہے۔ خواہ اس کا حکم صراحۃً وارد ہوا ہو یا قواعد کلیہ شرعیہ سے اس کی سند پائی گئی ہو۔ خواہ واجب ہو یا مندوب، جیسا کہ اس شخص پر پوشیدہ نہیں، جس نے سابقہ عبارتوں میں غور کیا ہو اور یہ جو کچھ اصول کی کتابوں میں ماموربہ اور مندوب کے اطلاق میں اختلاف مذکور ہے، وہ نزاعی لفظی ہے، جیسا کہ ابن ہمام نے تحریر میں اس کی تحقیق کی ہے۔ حاصل یہ ہے کہ جس طرح ماموربہ کا اطلاق واجبات پر ہوتا ہے مندوب پر بھی ہوتا ہے اسی طرح استحسان واجبات میں ظاہر ہوتا ہے اسی طرح مندوبات میں بھی پس جس محدث کا وجود بالخصوص تینوں زمانوں میں سے نہ ہو۔ لیکن اس کی سند چاروں دلیلوں میں سے کسی دلیل سے پائی جاتی ہو، وہ بھی مستحسن ہوگا۔ کیا تم نہیں دیکھتے ہو کہ مدارس بنانے کا جملہ فقہا مشرق ومغرب میں اور محدثین جنوب وشمال میں مستحسن لکھتے ہیں۔ حالانکہ ان کا وجود زمانہ نبوی میں نہ تھا۔ مگر اس کی اصل حدیث اذا مات ابن آدم انقطع عملہ آخر تک سے، چونکہ ثابت ہوئی لہذا اس کے استحسان کا حکم دے دیے ہیں اور بدعت ضالہ میں داخل نہیں قرار دیتے۔

تیسرا مقدمہ یہ ہے کہ مفتی کو لازم ہے کہ جو واقعہ درپیش ہو اگر اس کا حکم کتاب یا سنت یا اجماع یا قیاس میں صریح بھی ہو تو

چارۂ دیگر نیست علامہ سعد الدین تفتازانی در حواشی عضدی می نویسد (عبارت) و علامہ عمر حنفی در جواہر نفیسہ می آرد (عبارت)

بعد تمہید این مقدمات میگویم کہ نفس ذکر مولود بدعت ضلالت نیست بدو وجہ اول ذکر مولد عبارت است ازینکہ ذاکر آیتے از آیات قرآنیہ یا حدیثے نبویہ تلاوت کردہ در شرح آن قدرے از فضائل نبویہ و معجزات احمدیہ و برخے از احوال ولادت و نسب نبوی و خوارقے کہ بوقت ولادت و قبل از آن ظاہر گردیدند و امثال آنہا بیان سازد کما حققہ ابن حجر المکی فی النعمۃ الکبری علی العالم بمولد سید ولد آدم وغیرہ من العلماء الماہرین و وجود این حقیقت در زمانہ نبوی و زمانہ اصحاب ہم بود اگرچہ مسمی باین تسمیہ نباشد۔ بر ماہرین فن حدیث مخفی نخواہد بود کہ صحابہ در مجالس وعظ و تعلیم علم ذکر فضائل نبویہ و کیفیات ولادت احمدیہ میکردند و در صحاح مروی است کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم حسان بن ثابت را در مسجد خود بر منبر نشانیدند و او مدائح نبویہ را کہ نظم کردہ بود میخواند و آنحضرت او شان را دعائے خیر دادند و فرمودند اللہم ایدہ بروح القدس و بر ناظر دیوان حسان مخفی نخواہد ماند کہ در قصاید شان معجزات نبویہ و کیفیات ولادت و ذکر نسب شریف وغیرہ موجود است پس خواندن ہمچو اشعار بر سر مجلس عین ذکر مولد است و این قصہ خواندن حسان اشعار در مسجد در صحیح بخاری ہم موجود است من شاء الاطلاع فلیرجع الیہ و الی غیرہ پس در حقیقت ذکر مولد کہ بیان او گذشت و این قصہ فرقے معتد بہ معلوم نمی شود مگر اینکہ این قصہ مسمی بمجلس مولود نشدہ پس این امریست دیگر، اگر اختلاج این امر کا کہ اگرچہ وجود نفس ذکر مولد و فضائل وغیرہ ثابت شود مگر ذکر مولد بجمع کردن

اس کے موافق فتوے دے ورنہ اس واقعہ کو قواعد کلیہ شرعیہ کے تحت پیش کرے اور جس کلیہ کے جزئیات سے ہو اس کے مطابق فتوی دے اور یہی حال علمائے مجتہدین و فقہائے متبحرین کا رہا ہے' ہاں اس مفتی پر جو کتابوں کی عبارتیں اور مجتہدین کے اقوال نقل کرنے کے سوا استنباط کی طاقت نہیں رکھتے ہیں۔ انہیں البتہ سوا نقل کے دوسرا چارہ نہیں ہے علامہ سعد الدین تفتازانی حواشی عضدی میں لکھتے ہیں (عبارت) اور علامہ عمر حنفی جواہر نفیسہ میں لاتے ہیں (عبارت)

ان مقدمات کی تمہید کے بعد میں کہتا ہوں کہ نفس ذکر مولود دو وجہوں سے بدعت ضلالت نہیں ہے (اول) ذکر مولود اس بات سے عبارت ہے کہ ذاکر آیات قرآنیہ میں سے کوئی آیت یا کوئی حدیث نبوی کی تلاوت کرکے اس کی شرح میں کسی قدر فضائل نبویہ' و معجزات احمدیہ اور بعض احوال ولادت و نسب نبوی اور وہ معجزات جو بوقت ولادت اور اس کے قبل ظاہر ہوئے تھے اور ان کے امثال بیان کرے ایسا ہی اس کی حقیقت بیان کی ہے۔ ابن حجر مکی نے النعمۃ الکبری علی العالم بمولد سید ولد آدم میں اور اُن کے غیر علماء ماہرین نے اور اس حقیقت کا وجود زمانہ نبوی اور زمانہ اصحاب میں بھی تھا۔ اگرچہ اس نام سے موسوم نہ تھی۔

ماہرین فن حدیث پر مخفی نہ ہوگا کہ صحابہ مجالس وعظ و تعلیم علم میں فضائل نبویہ و کیفیات ولادت احمدیہ کا ذکر کرتے تھے اور صحاح میں مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حسان بن ثابت کو اپنی مسجد میں ممبر پر بٹھاتے اور وہ مدائح نبویہ کو نظم کرتے تھے اور پڑھتے تھے اور آنحضرت نے ان کو دعائے خیر دی اور فرمایا اے اللہ ان کو روح القدس سے قوت پہنچا اور دیوان حسان دیکھنے والے پر مخفی نہ رہے گا کہ ان کے قصاید میں معجزات نبویہ اور ولادت کی کیفیات اور ذکر نسب شریف وغیرہ موجود ہے۔ پس برسر مجلس ایسے اشعار پڑھنے عین ذکر مولود ہے اور مسجد میں حسان کے اشعار پڑھنے کا یہ قصہ صحیح بخاری میں موجود ہے۔ جو شخص

وطلب کردن احباب از خانہا بثبوت نرسید دفع آنہا باین طرح کردہ شود کہ جمع کردن مردم وطلب ایشان برائے نشر علم در حدیث ثابت است فقیہ ابو اللیث در تنبیہ الغافلین می آرد (حدیث) علاوہ ازیں کلام در نفس ذکر مولد است وتخصیصات عرفیہ اگر بالفرض ازیں اجتماع ثابت نشدہ عدم جواز نفس ذکر مولد لازم نمی آید۔

وجہ دوم اینکہ مسلّم کہ وجود ذکر مولد در زمانے از ازمنہ ثلاثہ نبودہ می گویم کہ در شرع این قاعدہ ثابت شدہ کل فرد من افراد نشر العلم فہو مندوب ابن ماجہ از ابی ہریرہ روایت کردہ (حدیث) وبخاری در کتاب العلم از عمر بن عبد العزیز روایت کردہ (عبارت) وعلامہ سیوطی (الی آخرہ) وظاہر است کہ در ذکر مولد تحقیقے کہ گزشت فردے از افراد علم پس دریں جا دو مقدمہ حاصل شد اول اینکہ ذکر المولد فرد من افراد نشر العلم دوم کل فرد من افراد نشر العلم مندوب نتیجہ بر آمد ذکر المولد مندوب وبخاری از ابی وائل روایت کردہ قال کان عبد اللہ بن مسعود یذکر الناس فی کل خمیس فقال له رجل یا ابا عبد الرحمن لوددت انک ذکرتنا کل یوم قال اما انه یمنعنی من ذلک انی اکرہ ان املکم وانی اتخولکم بالموعظة کما کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یتخولنا بها مخافة السامة علینا و وہم نسازی کہ ہرگاہ ذکر مولد در ازمنہ ثلاثہ نبود ونہ در زمانہ مجتہدین اثرش یافتہ شد پس بچہ طور فتوی بجوازش جائز باشد چہ سابقاً ذکر کردہ شد کہ مفتی را بطور استنباط باید کہ ضروری است۔ پس اگر تسلیم کنم کہ ذکر مولد در ازمنہ ثلثہ نبود ونہ از مجتہدین حکم او منقول شد لیکن چوں در شرع این قاعدہ مہید شدہ است کل فرد من افراد نشر العلم مندوب وذکر مولد نیز از آنست لابد حکم

اس پر مطلع ہونا چاہیئے۔ اس کو (صحیح بخاری) کی وغیرہ کی طرف رجوع کرنا چاہیئے۔ پس ذکر مولود کی حقیقت میں جس کا بیان گذر چکا ہے اور اس قصہ میں کوئی معتد بہ فرق معلوم نہیں ہوتا ہے۔ مگر یہ کہ یہ قصہ مجلس مولود کے نام سے موسوم نہیں ہوا اور یہ ایک دوسرا امر ہے' اگر اس امر کی خلش پیدا ہو کہ اگرچہ نفس ذکر مولود وفضائل وغیرہ کا وجود ثابت ہوتا ہے مگر احباب کو ان کے گھروں سے بلانا اور جمع کرنا ثبوت کو نہیں پہنچا تو اس کا دفعیہ اس طرح کیا جائے گا کہ اشاعت علم کے لئے لوگوں کا جمع کرنا اور انہیں حدیث میں ثابت ہے فقیہ ابو اللیث تنبیہ الغافلین میں لائے ہیں (حدیث) اس کے علاوہ گفتگو نفس ذکر مولود میں ہے اور تخصیصات عرفیہ' اگر بالفرض اس سے اجتماع ثابت نہ ہو تو نفس ذکر میلاد کا ناجائز ہونا لازم نہیں آتا۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ اگر ہم تسلیم کرلیں کہ ذکر میلاد کا تینوں زمانوں میں سے کسی زمانہ میں وجود نہ تھا، تو میں کہتا ہوں کہ شرع میں یہ قاعدہ ثابت ہے کہ اشاعت علم کے افراد میں سے ہر فرد مندوب ہے۔ ابن ماجہ نے ابو ہریرہ سے روایت کیا ہے (حدیث) اور بخاری نے کتاب العلم میں عمر بن عبد العزیز سے روایت کیا ہے (عبارت) اور علامہ سیوطی (آخر کلام تک) اور ظاہر ہے کہ ذکر مولود میں جو تحقیق گزر چکی ہے۔ اشاعت علم کے افراد میں سے ایک فرد ہے۔ دوسرا افراد اشاعت علم میں سے ہر فرد مندوب ہے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ذکر مولود مندوب ہے اور بخاری نے ابو وائل سے روایت کیا ہے' وہ کہتے ہیں کہ عبد اللہ بن مسعود لوگوں کو پنجشنبہ میں نصیحت کیا کرتے تھے، تو ان سے کسی شخص نے کہا اے ابو عبد الرحمان میں دوست رکھتا ہوں کہ آپ ہم کو روزانہ نصیحت کرتے انہوں نے کہا کہ مجھ کو اس امر سے یہ بات روکتی ہے کہ میں اس بات کو ناپسند کرتا ہوں کہ تم کو ملول کروں اور میں تم کو نصیحت میں مہلت دیتا ہوں جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو مہلت دیتے تھے۔ ہم کو ملول ہونے کے

...ہند پیدا وا‌ده خواہد شد و برہمیں مسلک فقہائے متبحرین و اہل فتاوے
متقدمین مثل ابوشامہ و حافظ ابن حجر وسیوطی و شامی و امثال
ایشاں رفتہ اند و حکم بہ ندب ذکر مولد داده اند و بعد از تردید مقدمات
سائل فرموده) حاصل مرام و ملخص مقام اینکہ ذکر مولد فی نفسہ امر
ست مندوب خواه بسبب وجود آں در خیر القرون یا بسبب اندراج
ش زیر سند شرعی و کسے از ایشاں را منکر نشده مگر یک طائفہ قلیلہ
رب النوع آں طائفہ تاج الدین فاکہانی مالکی است و او را طاقتے
ست کہ مقابلہ بعلمائے مستنبطین کہ فتوی بہ ندب ذکر مولد داده اند کنند
پس قولش دریں باب معتبر نیست آرے اگر بحقیقت ذکر مولد کہ سابقاً
...شت تخصیصات غیر مشروعہ وتشریحات غیر ماثوره منضم شوند حکم ندب
باقی نخواہد ماند لیکن ایں امرے است دیگر، در نفس جواز مولد شکے
نیست واللہ اعلم بالصواب۔

(فتاوی قیام الملۃ والدین)

خوف سے اور یہ وہم نہ کرنا اگرچہ ذکر مولود تینوں زمانوں میں نہ تھا
اور نہ مجتہدین کے زمانہ میں اس کا اثر پایا گیا پس کس طور سے
اس کے جواز کا فتوی جائز ہوگا کیونکہ سابق میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ
مفتی کو بطور استنباط فتوی دینا چاہیے کہ ضروری ہے پس اگر میں تسلیم
کر لوں کہ ذکر مولود تینوں زمانوں میں نہ تھا اور نہ مجتہدین سے اس کا
کوئی حکم منقول ہے لیکن جبکہ شرع میں یہ قاعدہ مقرر شدہ ہے
کہ افزائش اشاعت علم کا ہر فرد مندوب ہے اور ذکر مولود بھی اس میں
سے ہے تو ضروری ہے کہ اس کی مندوبیت کا حکم دیا جائے اور اسی
مسلک پر فقہائے متبحرین اور افتا استنباط کرنے والے کے اہل حضرات
مثل ابوشامہ وحافظ ابن حجر وسیوطی وشامی اور ان کے مثل
(علماء) چلے ہیں اور ذکر مولود کے مندوب ہونے کا حکم انہوں نے
دیا ہے۔

(اور سائل کے مقدمات کی تردید کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ)

حاصل مقصد اور خلاصۂ مقام یہ ہے کہ ذکر مولود فی نفسہ امر مندوب ہے
خواہ خیر القرون میں اپنے پائے جانے کے باعث (جیسا کہ ثابت ہو چکا ہے) یا سند شرعی کے تحت اس کے اندراج کے باعث، اور کوئی شخص اس کا منکر نہیں ہوا۔ مگر ایک تھوڑی قلیل جماعت کہ اس گروہ کے سردار تاج الدین فاکہانی مالکی ہیں اور انہیں کچھ بھی طاقت نہیں کہ ان علمائے مستنبطین کا جنہوں نے ذکر مولود کے مندوب ہونے کا فتوی دیا ہے، مقابلہ کر سکیں۔ پس ان کا قول اس باب میں معتبر نہیں رہا۔ ہاں اگر ذکر مولود کی اس حقیقت کے ساتھ جو سابق میں مذکور ہوئی غیر مشروعہ تخصیصات اور غیر ماثورہ تشریحات منضم ہو جائیں، تو اس کے مندوب ہونے کا حکم باقی نہیں رہے گا۔ لیکن یہ ایک دوسرا امر ہے، نفس جواز مولود میں کوئی شک نہیں۔

خریداران صاحبان سے

"المجیب" وقت پر نہ ملنے کی شکایت سیدھے دفتر "المجیب" میں کرکے آپ اپنے ڈاکخانہ میں شکایت درج کرنے کی مہربانی فرمائیں۔ رسالہ روانہ کرتے وقت کسی کے ساتھ کوئی فرق وامتیاز نہیں برتا جاتا ہے۔ ہر ماہ چاند کی ۱۰ویں تاریخ کو روانہ کر دیا جاتا ہے۔

(منیجر)

و طلب کردن احباب از خانہا بثبوت نرسید، لیکن آنہا بایں طرح کردہ شود کہ جمع کردن مردم و طلب ایشاں برائے نشر علم در حدیث ثابت است فقیہ ابو اللیث در تنبیہ الغافلین می آرد (حدیث)

علاوہ ازیں کلام در نفس ذکر مولد است و تخصیصات عرفیہ اگر بالفرض ازیں اجماع ثابت نشود عدم جواز نفس ذکر مولد لازم نمی آید۔

وجہ دوم اینکہ مسلّما کہ وجود ذکر مولد در زمانے از ازمنہ ثلاثہ نبودہ می گویم کہ در شرع ایں قاعدہ ثابت شدہ کل فرد من افراد نشر العلم فہو مندوب ابن ماجہ از ابی ہریرہ روایت کردہ (حدیث) و بخاری در کتاب العلم از عمر بن عبد العزیز روایت کردہ (عبارت) و علامہ سیوطی (الی آخرہ) و ظاہر است کہ در ذکر مولد تحقیقے کہ گذشت فردے از افراد علم پس دریں جا دو مقدمہ حاصل شد اول اینکہ ذکر المولد فرد من افراد نشر العلم دوم کل فرد من افراد نشر العلم مندوب نتیجہ برآمد ذکر المولد مندوب و بخاری از ابی وائل روایت کردہ قال کان عبد اللہ بن مسعود یذکر الناس فی کل خمیس فقال له رجل یا ابا عبد الرحمن لوددت انک ذکرتنا کل یوم قال اما انه یمنعنی من ذلک انی اکرہ ان املکم وانی اتخولکم بالموعظة کما کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یتخولنا بہا مخافة السآمة علینا و وہم نسازی کہ ہرگاہ ذکر مولد در ازمنہ ثلاثہ نبود و نہ در زمانہ مجتہدین اثر یافتہ شد پس بطور فتوی بجوازش جائز باشد چہ سابقاً ذکر کردہ شد کہ مفتی را بطور استنباط باید کہ ضروری است۔ پس اگر تسلیم کنم کہ ذکر مولد در ازمنہ ثلثہ نبود و از مجتہدین حکم او منقول نشد لیکن چوں در شرع ایں قاعدہ مہیا شدہ است کل فرد من افراد نشر العلم مندوب و ذکر مولد نیز از آنست لابد حکم

اس پر مطلع ہونا چاہیئے۔ اس کو (صحیح بخاری) کی وغیرہ کی طرف رجوع کرنا چاہیئے۔ پس ذکر مولود کی حقیقت میں جس کا بیان گذر چکا ہے اور اس قصہ میں کوئی معتد بہ فرق معلوم نہیں ہوتا ہے۔ مگر یہ کہ یہ قصہ مجلس مولود کے نام سے موسوم نہیں ہوا اور یہ ایک دوسرا امر ہے' اگر اس امر کی خلش پیدا ہو کہ اگرچہ نفس ذکر مولود و فضائل وغیرہ کا وجود ثابت ہوتا ہے مگر احباب کو ان کے گھروں سے بلانا اور جمع کرنا ثبوت کو نہیں پہنچا تو اس کا دفعیہ اس طرح کیا جائے گا کہ اشاعت علم کے لئے لوگوں کا جمع کرنا اور انہیں حدیث میں ثابت ہے فقیہ ابو اللیث تنبیہ الغافلین میں لائے ہیں (حدیث) اس کے علاوہ گفتگو نفس ذکر مولود میں ہے اور تخصیصات عرفیہ' اگر بالفرض اس سے اجماع ثابت نہ ہو تو نفس ذکر میلاد کا ناجائز ہونا لازم نہیں آتا۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ اگر ہم تسلیم کرلیں کہ ذکر میلاد کا تینوں زمانوں میں سے کسی زمانہ میں وجود نہ تھا، تو میں کہتا ہوں کہ شرع میں یہ قاعدہ ثابت ہے کہ اشاعت علم کے افراد میں سے ہر فرد مندوب ہے۔ ابن ماجہ نے ابو ہریرہ سے روایت کیا ہے (حدیث) اور بخاری نے کتاب العلم میں عمر بن عبد العزیز سے روایت کیا ہے (عبارت) اور علامہ سیوطی (آخر کلام تک) اور ظاہر ہے کہ ذکر مولود میں جو تحقیق گزر چکی ہے۔ اشاعت علم کے افراد میں سے ایک فرد ہے۔ دوسرا افراد اشاعت علم میں سے ہر فرد مندوب ہے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ذکر مولود مندوب ہے اور بخاری نے ابو وائل سے روایت کیا ہے' وہ کہتے ہیں کہ عبد اللہ بن مسعود لوگوں کو پنجشنبہ میں نصیحت کیا کرتے تھے، تو ان سے کسی شخص نے کہا اے ابو عبد الرحمان میں دوست رکھتا ہوں کہ آپ ہم کو روزانہ نصیحت کرتے انہوں نے کہا کہ مجھ کو اس امر سے یہ بات روکتی ہے کہ میں اس بات کو ناپسند کرتا ہوں کہ تم کو ملول کروں اور میں تم کو نصیحت میں مہلت دیتا ہوں جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو مہلت دیتے تھے۔ ہم کو ملول ہونے کے

مجتہدین ادا دادہ خواہد شد بر مسلک فقہائے متبحرین واہل فتاوائے مستنبطین مثل ابو شامہ وحافظ ابن حجر وسیوطی وشامی وامثال آنہا رفتہ اند وحکم بندب ذکر مولد دادہ اند (وبعد از تردید مقدمات سائل فرمودہ) حاصل مرام وملخص مقام اینکہ ذکر مولد فی نفسہ امریست مندوب خواہ بسبب وجود آں در خیر الازمنہ یا بسبب اندراج زیر سند شرعی وکسے تا حال ایں را منکر نشدہ مگر یک طائفہ قلیلہ کہ رب النوع آں طائفہ تاج الدین فاکہانی مالکی است واو را طاقت نیست کہ مقابلہ علمائے مستنبطین کہ فتوی بندب ذکر مولد دادہ کند پس قولش دریں باب معتبر نیست آرے اگر بحقیقت ذکر مولد کہ سابقاً گذشت تخصیصات غیر مشروعہ وتشریعات غیر ماذونہ منضم شوند حکم ندب آں باقی نخواہد ماند۔ لیکن ایں امرے است دیگر، در نفس جواز مولد شکے نیست واللہ اعلم بالصواب۔

(فتاوی قیام الملۃ والدین)

خوف ہے اور یہ وہم نہ کرنا کہ چونکہ ذکر مولود تینوں زمانوں میں نہ تھا اور نہ مجتہدین کے زمانہ میں اس کا اثر پایا گیا پس کس طور سے اس کے جواز کا فتوی جائز ہوگا۔ کیونکہ سابق میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ مفتی کو بطور استنباط فتوی دینا چاہیے کہ ضروری ہے۔ پس اگر میں تسلیم کر لوں کہ ذکر مولود تینوں زمانوں میں نہ تھا اور نہ مجتہدین سے اس کا کوئی حکم منقول ہے، لیکن چونکہ شرع میں یہ قاعدہ مقرر شدہ ہے کہ افزائش اشاعت علم کا ہر فرد مندوب ہے اور ذکر مولود بھی اسی میں سے ہے، تو ضروری ہے کہ اس کی مندوبیت کا حکم دیا جائے اور اسی مسلک پر فقہائے متبحرین اور افتاء استنباط کرنے والے اہل حضرات نے مثل ابو شامہ وحافظ ابن حجر، وسیوطی وشامی اور ان کے مثل (علماء) چلے ہیں اور ذکر مولود کے مندوب ہونے کا حکم انہوں نے دیا ہے۔

(اور سائل کے مقدمات کی تردید کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ)

حاصل مقصد اور خلاصۂ مقام یہ ہے کہ ذکر مولود فی نفسہ امر مندوب ہے خواہ خیر ازمنہ میں اپنے پائے جانے کے باعث (جیسا کہ ثابت ہو چکا ہے) یا سند شرعی کے تحت اس کے اندراج کے باعث، اور کوئی شخص اس کا منکر نہیں ہوا۔ مگر ایک تھوڑی قلیل جماعت کہ اس گروہ کے سردار تاج الدین فاکہانی مالکی ہیں اور انہیں کچھ بھی طاقت نہیں کہ ان علمائے مستنبطین کا جنہوں نے ذکر مولود کے مندوب ہونے کا فتوی دیا ہے، مقابلہ کر سکیں۔ پس ان کا قول اس باب میں معتبر نہیں رہا۔ ہاں اگر ذکر مولود کی اس حقیقت کے ساتھ جو سابق میں مذکور ہوئی غیر مشروعہ تخصیصات اور غیر ماذونہ تشریعات منضم ہو جائیں، تو اس کے مندوب ہونے کا حکم باقی نہیں رہے گا۔ لیکن یہ ایک دوسرا امر ہے، نفس جواز مولود میں کوئی شک نہیں۔

خریداران صاحبان سے

"المُجیب" وقت پر نہ ملنے کی شکایت سیدھے دفتر "المُجیب" میں نہ کر کے آپ اپنے ڈاکخانہ میں شکایت درج کرنے کی مہربانی فرمائیں۔ رسالہ روانہ کرتے وقت کسی کے ساتھ کوئی فرق وامتیاز نہیں برتا جاتا ہے۔ ہر ماہ چاند کی ۱۰ویں تاریخ کو روانہ کر دیا جاتا ہے۔

(مینجر)

شیخ التبلیغ کے قدیم رفیق کار مولانا احتشام الحسن صاحب رح

کی رحلت سے متعلق

جناب صوفی الحاج افتخار فریدی صاحب کا خط

بنام

حضرت الحاج مولانا شاہ محمد امان اللہ صاحب مدظلہ العالی سجادہ نشین خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف

۷۸۶

مراد آباد (یوپی)
۹ دسمبر ۱۹۷۱ء

مخدوم محترم حضرت شاہ صاحب دام مجدہم ۔ السلام علیکم، مزاج گرامی

کرم نامہ ملا، مولانا محبوب عالم صاحب کی وفات کا حال معلوم ہو کر بہت قلق ہوا۔ حق تعالیٰ مغفرت فرمائے۔ بندہ دعا کرتا ہے۔ حضرت والا کا تعلق ان کے لئے بہت مفید ہوگا۔ حضرت مولانا محمد احتشام الحسن صاحب کاندھلوی مجاز حضرت شیخ التبلیغ مولانا شاہ محمد الیاس صاحب رح ستائیس ۲۷ سال کی مسلسل علالت کے بعد ۴ دسمبر کو ہندو راؤ اسپتال دہلی میں انتقال فرما گئے۔ مولانا بچپن سے لے کر حضرت جی کی وفات تک غالباً سب سے زیادہ حضرت جی کے ساتھ لگے رہے۔ ۱۹۴۴ء میں بڑے حضرت جی کی وفات کے ساتھ ہی مولانا کی علالت کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا، جس سے کہ بستی نظام الدین دہلی کا قیام چھٹا اور کاندھلہ اپنے وطن میں قیام فرمایا۔ اس زمانہ میں زمینداریاں ختم ہوئیں جس کے سبب مالی اعتبار سے بالکل خالی ہو گئے۔ اہلیہ ماجدہ دماغی علالت میں مبتلا ہوئیں۔ غرضکہ صحت اور تبلیغی کام کے ذرائع دہلی چھٹنے سے اور اہل ومال سب ہی ختم ہو گئے۔ ایسی بے کسی اور بے بسی کے عالم میں حق تعالیٰ شانہ نے امت دعوت میں دعوت دینے کی لگن و تڑپ عطا فرمائی، جس کے لئے اپنے تمام آلام و مصائب کو نظر انداز کر کے دن رات اس دعوت کی فکر و تدبیر میں لگے۔ اس کے لئے اسفار بھی کئے۔ ہزاروں صفحات کے مضامین دقت بچے تحریر کر کے طبع کراتے اور تمام دنیا میں امت دعوت کے خواص کو پہنچانے کی کوشش کرتے رہے اور اپنی ملت کو اس عظیم کام کے لئے آمادہ کرتے رہے۔ حتیٰ کہ دہلی کے اسپتال میں جہاں ۲ ماہ قیام رہا، پیٹ کے شدید درد اور انتہائی ضعف کے باوجود، ڈاکٹروں، اسپتال کے عملوں اور عیادت کرنے والوں کو دعوت دیتے رہے۔ اسپتال کا عملہ (جو غیر مسلم ہے) نے بہت ہی اثر لیا۔ جب بندہ حاضر ہوا تو انہوں نے فرمایا کہ دہلی والوں سے ملنا چاہتا ہوں۔ بعض کے

نام بھی ہے۔ غرضکہ آخری سانس تک دعوت کا کام کرتے رہے۔ ہزاروں خطوط، سیکڑوں مضامین، اخبارات و رسائل میں تقریباً پچاس ہزار کتابچے طبع کرا کر مختلف ملکوں میں بھیجائے (جبکہ اعوان انصار نہ ہونے کے برابر تھے) حضرت والا سے ان کے لئے دعائے مغفرت اور ایصال ثواب کی درخواست ہے اگر مناسب ہو تو میرا یہ عریضہ ماہنامہ "المجیب" میں شائع کرادیں۔ اُس میں مولانا مرحوم کے مضامین بھی آنے چاہئیں، مولانا کے صاحبزادے مولوی احترام الحسن صاحب دارالاشاعت کاندھلہ ضلع مظفر نگر سے مولانا کے دعوتی کتابچے انشاء اللہ شائع کرتے رہیں گے۔

خادم

افتخار فریدی

فریدی بلڈنگ، سنبھلی گیٹ، مرادآباد (یوپی)

بقیہ تذکرہ الحق

ڈاکٹر صاحب نے کہیں کہیں تعارف کے سلسلے میں ایسی باتیں بھی کہی ہیں جن سے مبالغہ جھلکتا ہے لیکن ایسا بہت کم ہوتا ہے۔ عموماً ان کی باتیں جچی تلی ہوتی ہیں۔

بحیثیت مجموعی عبدالحق اردو تنقید میں ایک منفرد مقام رکھتا ہے۔ ان کا ایک خاص مرتبہ ہے۔ تنقید کی وہ عمارت جس کی بنیاد حالی کے ہاتھوں پڑی تھی عبدالحق نے اسے اور بھی اونچا اٹھایا۔ مغربی ادبیات کے مطالعے نے ان کی تنقید میں مزید وسعت، گہرائی پیدا کردی۔ ان کی تنقید مغربیت کی رو میں بہہ نہیں جاتی بلکہ ان اپنا رنگ و آہنگ اور مشرقی کیف و کم ان کی تنقیدوں میں ہر جگہ نمایاں ہے۔ ان کی تنقید مغربی و مشرقی تنقید کا سنگم ہے، خلوص، ہمدردی، وسعت، دردمندی، تخیل کی بلند پروازی، احساس کی شدت اور شعور کی بیداری نے مل کر ان کی تنقید کو بہت بلند کردیا ہے اور وہ ایک محقق کے باوصف اردو تنقید میں بھی منفرد مقام رکھتے ہیں۔

ادبیات

قطعات تاریخ رحلت

"مجموعۂ اخلاق، مونس اولیا، مولوی محبوب عالم" مرحوم و مغفور

۱۳ ھ ۹۱

(از جناب الحاج محمد شفیع صاحب شفیع تمنائی، پھلواروی)

مولوی محبوب عالم جب جہاں سے رخصت ہوئے
اب وہ محبوب خدا ہیں داخلِ جنت ہوئے

ظلِ دامانِ نبی ظلِ الٰہی ہے نصیب
ہو گئے مرحوم زیرِ سایۂ رحمت ہوئے

حبِ ملت، حبِ دیں دونوں ملے ان کو نصیب
جب کے محبوب "محی الدین والملت" ہوئے

عارف باللہ مولانا نظام الدین سے
لے لیا درسِ نظامی علم کی دولت ہوئے

شیخ دیں خلوت نشیں شاہ امان اللہ سے
زندگی بھر فیضیابِ جلوت و خلوت ہوئے

کون سا جلوہ نظر آیا کہ سکتہ لگ گیا
کس کی صورت دیکھ کر آئینۂ حیرت ہوئے

کوئی خدمت بھی نہ لی حسرت ہے یہ خدام کو
داغِ فرقت یوں دیا ملتے ہوئے رخصت ہوئے

اب کہاں وہ مہر و الفت وہ محبت اب کہاں
تم سے اے یعسوب رخصت واز الشفقت ہوئے

ان کے فیضِ درس کا پوچھے کوئی ان سے کمال
جو عروجِ علم پا کر صاحبِ رفعت ہوئے

مونسِ احباب تھے وہ اب اکیلا ہے شفیع
لطف احمد کو بھی تنہا چھوڑ کر رخصت ہوئے

معرفت کے نور سے گنجِ لحد معمور ہے
رحمتوں کے پھول برسے چادرِ تربت ہوئے

ہے الف داخل سے خارج جب ہوئی تاریخ یہ
مدرسے سے یہ مدرس داخلِ جنت ہوئے

۱۳ ۹۲
۱
۱۳ھ ۹۱

کلامِ بے مثال

(از جناب مولانا حکیم سید محمد طٰہٰ کمالؔ ندوی۔ استاذ شعبہ سینئر، مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ، پٹنہ)

دل منتظر ہے آیئے للّٰہ آیئے ظلمت کدہ کو خانۂ روشن بنایئے
دل فرشِ راہ کیجیے، آنکھیں بچھایئے وہ آرہے ہیں دیکھیے، قربان جایئے
ہر درد کی دوا ہے یہ سنتا ہوں رات دن ہے دردِ دل کی کوئی دوا تو بتایئے
یہ داغِ عشق گورِ قیامت کا ہے دیا اِس کو درونِ سینہ لہو سے جلایئے
یہ آسمانِ قدس کی ہے دل میں روشنی تیرہ دلوں کو تابشیں اس کی دکھایئے
جس کو جہانِ حسن کی رویت نہیں نصیب کیا فائدہ کہ آئینہ اس کو دکھایئے
گو ناپسند آپ کو میرا کلام ہے لوحِ سخن سے نام نہ میرا مٹایئے
باقی رہے نہ ہستیِ باطل کا کچھ نشان جھوٹی ہے اپنی زیست تو اس کو مٹایئے
سُن لیجیے حکایتیں سارے جہان کی اپنی کہانیاں نہ کسی کو سنایئے
کیا ہوں گی آہ! اپنی حقیقت بیانیاں وہ کہہ رہے ہیں کوئی فسانہ سنایئے
بدحالیوں کی فوج کو دیجیے ہزیمتیں خوابیدہ قوتوں کو خدارا جگایئے
بغض و حسد کی رسم ہی باقی نہیں رہے صاحبدلوں سے دوستی ایسی لگایئے
چشمے دلوں سے عشق و ولا کے اُبل پڑیں ذکرِ حبیبِ جاں کی وہ ضربیں لگایئے
ساقی! شعاعِ جام کی یہ دل فروزیاں لاکھوں کی منتیں ہیں، ہمیں بھی پلایئے
جب رمزِ نازِ حسن ہے پوشیدہ آج تک رازِ نیازِ عشق عبث کیوں بتایئے
ملتے کہاں ہیں عشق و محبت کے ساز اب طاغوتیوں کے آپ نہ باجے بجایئے
موقوف اب اسی پہ ہیں گردن فرازیاں دیوانہ وار "بارِ امانت" اٹھایئے
دل کے لہو سے شعر کی ہیں آبداریاں یوں گردِ انتقاد نہ اس پر اڑایئے
بستانِ عاشقی میں مضامیں کمال کے شمشیرِ انتقاد نہ ان پر چلایئے

اک ایک شعر جس کا بصیرت فروز ہو
ایسی غزل کمالؔ! ہمیشہ سنایئے

استفہامیہ

(از جناب مولانا شاہ منظر امام صاحب روشؔ مجیبی پھلواروی)

کون پوچھے کس سے پوچھوں، آرزو کس کی ہوں میں
اس جہاں میں انتہائے جستجو کس کی ہوں میں

سبزۂ بیگانہ سے یا لالہ و گل سے صبا
لائی ہے آخر کہاں سے رنگ و بو کس کی ہوں میں

حضرتِ جبریل سے یا طائرِ لاہوت سے
پوچھ لے جا کر کوئی یہ گفتگو کس کی ہوں میں

میری ہستی ہے معمہ جب جہانِ علم کا
یہ شبیہ و شکل و صورت ہو بہو کس کی ہوں میں

خانقاہ و مدرسہ دیر و حرم میں پھر چلیں
نعرۂ مستانہ کس کا ہا و ہو کس کی ہوں میں

آہ یہ شمس و قمر، انجم و کواکب کی طرح
رات دن گردش میں ابتک کو بکو کس کی ہوں میں

دیکھ کر آئینۂ دل میں جمال روئے دوست
اے روشؔ سمجھا یہ میں نے خلق و خو کس کی ہوں میں

غزل

(از جناب بیدمؔ واحدی صاحب بستوی، یو۔پی)

ترا نور، نورِ خالق، تری شان خسروانا
تری ہر ادا نرالی، ترا حسن دلبرانا

جو بصد خلوصِ الفت ترے آستاں پہ آیا
وہی فخرِ آسماں ہے، وہی نازشِ زمانا

مجھے خوفِ برق کیوں ہو، میں غلامِ شاہ دیں ہوں
یہ زمیں پہ گرنے والی، مرا عرش آشیانا

کسے تاب ہے کہ دیکھے ترے رخ کی تابناکی
سرِ عرش قدسیوں میں نہ کہیں نقاب اٹھانا

نہیں جس کا کوئی حامی، تو ہی اس کا آسرا ہے
ترے در پہ جو بھی پہنچا، اسے مل گیا ٹھکانا

یہ جہانِ عقل و حکمت تجھے کیا سمجھ سکے گا
تجھے حسن ہی نے پایا، تجھے عشق ہی نے جانا

تجھے اپنی خلوتوں میں دیا اذنِ باریابی
اسے دید کی طلب تھی معراج تھا بہانا

تجھے کیا بتاؤں کیا ہے یہ جنونِ عشق بیدمؔ
جہاں سجدہ شوق اپنا وہیں تیرا آستانا

مدینے والے

(ازجناب ضیا شہبازی بھاگلپوری)

تم ہی سب کے ہو نگہبان مدینے والے
کس پہ تیرا نہیں احسان مدینے والے

صدقہ حسنینؓ کا جھولی میں عطا کر دو کچھ
درد کے ہو مرے درمان مدینے والے

اے صبا بارگہہِ ناز میں کہنا جا کر
تیرا بندہ ہے پریشان مدینے والے

ہے اٹھا زور پہ طوفان الم اے آقا
کر دو مشکل مری آسان مدینے والے

ہے یقیں مجھ کو سہارا نہ اگر تم دو گے
ہوگا ارمان کا شمشان مدینے والے

یہ ترا زورِ تکلم شہِ بطحا سے ضیا
تجھ پہ کتنے ہیں مہربان مدینے والے

غزل

(ازجناب سعید عارفی۔ الہ آباد)

لہو سے نقش گری بہار کیا کرتے
جو بوالہوس ہیں وہ کانٹوں سے پیار کیا کرتے

کچھ اس میں تیری بھی سازش ہے، اے صبا ورنہ
چمن تباہ یہ برق و شرار کیا کرتے

تری نوازشِ پیہم کا شکریہ لیکن
خزاں ہو جس میں ہم ایسی بہار کیا کرتے

ازل سے تنگ نگاہی سرشت ہے جن کی
وہ اہلِ ہوش، جنوں اختیار کیا کرتے

ہے اس کی رحمتِ بے انتہا کا دل کو یقیں
سعید اپنے گنہ ہم شمار کیا کرتے

کوائف و حالات

رازو نیاز بلبل و گل ہم سے پوچھئے　　　نرگس کی آنکھ بن کے رہے ہیں چمن میں ہم

کچھ اپنی ـــــ کچھ دوسروں کی

پاکستان سے ڈاک وتار کا سلسلہ بند :-

ہند و پاک کی جنگ کے ختم ہونے کے بعد اس کے اثرات اس حد تک ابھی باقی ہیں کہ دونوں ملکوں کے درمیان ڈاک و تار کی سروسیں بند ہیں۔ اس لئے اب بھی دونوں ملکوں کی جانب سے خطوط و تار ، ٹیلیفون وغیرہ نہیں جا آ رہے ہیں ۔

مرکزی حکومت کے ترجمان نے عوام سے اپیل کی ہے کہ وہ پاکستان کسی بھی طرح کا خط نہ بھیجیں ایسے خطوط ، تار وغیرہ کو بھی پاکستان نہیں بھیجا جاسکے گا جو ڈاکخانوں کو تو ملے لیکن پہلے نہیں بھیجے جا سکے اس لئے ان خطوط اور تاروں کو بھیجنے والوں کے پاس واپس کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے ۔

ہند و پاک کے سفارتی عملوں کی واپسی :-

غیر ممالک خبر رساں ایجنسیوں نے مطلع کیا ہے کہ ہند و پاک جنگ کے نتیجہ میں ہند و پاک کے سفارتی عملے اپنے اپنے ملک واپس ہو گئے ایک ترجمان نے بتایا ہے کہ اسلام آباد اور کراچی سے ہندوستان کے ۱۳۰ عملے بذریعہ طیارہ وطن واپس آ گئے ۔ نئی دہلی اور بمبئی سے ۲۴۳ پاکستانی سفارتی عملے بھی اپنے وطن بخیریت لوٹ گئے ۔ سفارتی عملوں کا یہ تبادلہ سوئزرلینڈ کی حکومت کی نگرانی میں ہوا ہے جو ہند و پاک کے سفارتی تعلقات ٹوٹنے کے بعد ان کے مفاد کی دیکھ بھال کر رہی ہے ۔ دونوں ممالک کے سفارتی عملوں کی اپنے اپنے وطن کی واپسی طیاروں کی پانچ اڑانوں میں پوری ہوئی ۔

صوبہ بہار کی جانب سے قومی دفاعی فنڈ میں پانچ کروڑ روپے :-

۲۰ دسمبر کی شام میرا بہار شہری دفاعی کمیٹی کے زیر اہتمام ایک عام جلسہ ہندوستانی فوجی جوانوں کی شاندار کامیابی پر خراج عقیدت پیش کرنے اور بنگلہ دیش کی فتح منانے کے لئے گاندھی میدان میں ہوا جلسہ کی صدارت کرتے ہوئے وزیر اعلیٰ بہار ہند و پاک جنگ کے دوران کام آنے والے فوجی جوانوں کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے اعلان کیا کہ حکومت بہار کی جانب سے جوانوں کے وارثوں کو ۵۰۰۰ ہزار روپے

دیے جائیں گے اور اس کے علاوہ دوسرے مراعات بھی دیے جائیں گے۔

جلسہ کو خطاب کرتے ہوئے گورنر بہار شری دیو کانت برواں نے بنگلہ دیش کی آزادی پر بھارتی قیادت اور قومی نوجوانوں کو دلی مبارکباد پیش کی اور صوبہ بہار کے عوام سے اپیل کی کہ قومی دفاعی فنڈ میں دل کھول کر چندہ دیں تاکہ صوبہ بہار کی جانب سے پانچ کروڑ روپے دیئے جاسکیں۔

وزیر اعلیٰ اور گورنر موصوف کے علاوہ سیاسی پارٹیوں کے لیڈروں اور معزز شہریوں نے بھی قومی دفاعی فنڈ میں چندہ دینے کی اپیل کی تائید کی۔

صوبہ مہاراشٹر میں اردو ادیبوں اور شاعروں کے لئے سالانہ انعامات :—

حکومت مہاراشٹر (بمبئی) نے اردو ادیبوں اور شاعروں کی ہمت افزائی کے لئے اردو کی تخلیقات پر سالانہ انعامات اور اعزازات دینے کا ایک منصوبہ مرتب کیا ہے۔ یہ انعامات صرف ان ادباء اور شعراء کے لئے ہوں گے جو مہاراشٹر کے شہری ہیں۔ انعامات موجودہ سال سے دیئے جائیں گے۔

اس منصوبہ کے تحت ہر سال اردو نظم و نثر کی تخلیقات پر ایک ہزار روپے فی کس کا انعام دیا جائے گا۔ انعام یافتگان کو یہ نقد انعامات مع ایک خریطہ اور ایک تمغہ ایک مخصوص اجلاس میں دیئے جایا کریں گے۔

پروفیسر محمد توحید عالم کو دکتور العلم کی ممتاز ڈگری :—

پٹنہ یونیورسیٹی میں یونیورسیٹی گرانٹس کمیشن کے ریسرچ فیلو جناب پروفیسر محمد توحید عالم جو ان دنوں پی۔ ایچ۔ ڈی کے لئے کام کر رہے ہیں حکومت بہار نے ان کو "دکتور العلم" (ڈاکٹر آف سائنس) کی ممتاز ڈگری عطا کی ہے۔

موصوف بہار کے ایک مشہور قطعہ گو فارسی شاعر جناب شاہ محمد یحییٰ ابوالعلائی عظیم آبادی کے حالات زندگی اور قلمی کارنامے اپنا تحقیقی مقالہ ادارہ تحقیقات عربی و فارسی پٹنہ کی زیر نگرانی مرتب کیا ہے۔

غالب اکاڈمی کے اشاعتی پروگرام :—

جناب عبدالحمید صاحب صدر غالب اکاڈمی، نظام الدین نئی دہلی ۱۳ مطلع کرتے ہیں کہ غالب اکاڈمی کی طرف سے ہر سال تین کتابیں شائع کرنے کا اعلان کیا گیا ہے۔ ۲۱ر فروری ۱۹۶۹ء کو صدر جمہوریہ ڈاکٹر ذاکر حسین مرحوم کے ہاتھوں غالب اکاڈمی کا افتتاح کے موقع پر بیک وقت چار کتابوں کا اجراء عمل میں آیا تھا۔ اس کے بعد معیاری مسودات نہ ملنے کی وجہ سے ۱۹۷۰ء میں صرف نقش غالب پروفیسر اسلوب احمد صاحب کی شائع ہو سکی۔ ڈاکٹر یوسف حسین خاں کی "غالب اور آہنگ غالب" اضافات کے بعد تقریباً ڈیڑھ سو صفحات کے ساتھ دسمبر ۱۹۷۱ء میں دوبارہ شائع کی گئی ہے۔

اکاڈمی کی اشاعت کمیٹی پانچ ماہرین پر مشتمل ہے مصنفین کو معقول رائلٹی دی جاتی ہے۔ جلد ہی ایک اعلیٰ پریس کی سہولت مل جانے کی وجہ سے اکاڈمی "غالب اور اس کے عہد" پر اردو، انگریزی، فارسی اور ہندی کے معیاری مسودات کا خیر مقدم کرے گی

ہم ان اصحاب کا بھی شکر گزار ہوں گا جو اکاڈمی کے اشاعتی پروگرام کے متعلق اپنی تجاویز یا اسکیمیں ارسال فرمائیں گے۔

دارالعلوم مجیبیہ پھلواری شریف کا تعلیمی سال :-

دارالعلوم ماہ رمضان کی طویل فرصت گزارنے کے بعد ماہ شوال میں وقت پر کھل گیا ہے۔ نئے سال کا داخلہ بھی خاطر خواہ ہوا ہے۔ عربی کی جماعت اور درجہائے حفظ و ابتدائی میں تدریسی مشاغل شروع ہو گئے ہیں۔ عربی کے مدرسین حضرات میں مولانا عبد الغفار صاحب رضوی، مولانا شاہ رضوان اللہ صاحب پھلواروی، مولانا شاہ امین اللہ صاحب پھلواروی اور مولانا عبد القیوم صاحب پورنوی۔ اور درجہ حفظ و تجوید میں جناب حافظ قاری محمد ثناء اللہ صاحب گیاوی کام کر رہے ہیں۔

مہتمم صاحب نے اطلاع دی ہے کہ باہر سے بعض اور مدرسین بھی آنے والے ہیں جو جلد ہی آکر تدریسی کام سنبھال لیں گے۔

دورۂ حدیث کے درجہ میں بھی اس سال طلبہ ہیں۔ بخاری شریف اور مسلم شریف حضرت حضور شاہ محمد امان اللہ قادری مدظلہ العالی نے پہلے دن شروع کرا دی ہے۔ اب مدرسین حضرات اس کا درس دے رہے ہیں۔

چاند کی اطلاع ---- ماہ ذیقعدہ ۱۳۹۱ھ :-

۲۹ر شوال کو رویت نہیں ہوئی۔ اس لئے یکم ذیقعدہ مطابق ۲۰ر دسمبر ۱۹۷۱ء روز سہ شنبہ ہوئی۔ اور یازدہم ذیقعدہ مطابق ۳۰ر دسمبر روز جمعرات ہوگی۔

JANUARY, 1972) | Regd. No P. 10/4

Phone No. ...65

The ALMUJEEB Monthly

PHULWARI SHARIF, (PATNA)

The Only and most widely Circulated Urdu ... of ...

هو الفرد المجیب ولی النعمة

دار الاشاعت خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف کا دینی و علمی

ماہنامہ
المجیب

مدیر مسئول سید احمد حسین بی اے سہسرامی

دار الاشاعت خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف۔ پٹنہ

فی پرچہ ۶۲ پیسے

نظام نامہ قواعد

دار الاشاعت خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف (پٹنہ)

تصنیف و تالیف اور نشر و اشاعت کے سلسلہ میں مجلس دار الاشاعت خانقاہ مجیبیہ کا نظام عمل

(۱) بالعموم صوبہ بہار اور بالخصوص پھلواری شریف کے فضلاء، صوفیاء، شعراء اور اہل قلم حضرات کی تصنیفات اور علمی نوادر کی طبع و اشاعت اور اکابر پھلواری شریف کے سوانح حیات کی ترتیب و اشاعت۔ اہل ذوق اور ارباب ہمت حضرات کی اس میں شرکت اور اس سے فائدہ حاصل کرنے کے لئے

قواعد

لائف ممبر قسم اوّل:۔ جو صاحب نقد ایک سو روپیہ عنایت فرمائیں گے۔ ایسے علم دوست حضرات کو دار الاشاعت کی جملہ مطبوعات بلا قیمت پیش کی جائیں گی اور ادارہ ان کے قیمتی مشوروں سے مستفید ہوگا۔

لائف ممبر قسم دوم:۔ جو صاحب پچاس روپیہ عطا فرمائیں گے ان حضرات کو اعیان وطن مفت اور بقیہ مطبوعات نصف قیمت پر دی جائیں گی۔

لائف ممبر قسم سوم:۔ جو صاحب پچیس ۲۵ روپیہ عطا فرمائیں گے۔ انکی خدمت میں اعیان وطن نصف قیمت پر اور پانچ سال تک جو کتابیں شائع ہوں گی وہ بھی نصف قیمت پر دی جائیں گی۔

مقام اشاعت:۔ دفتر دار الاشاعت خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف (پٹنہ)

ضروری اعلان

خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف میں جو رقم بذریعہ منی آڈر بھیجی جائے منی آرڈر کوپن پر اس کی صراحت ہونی چاہیئے کہ مرسلہ رقم کس مد کی ہے۔ جن رقوم میں مد کی صراحت نہیں ہوتی ہے اس کو معلوم کرنے کے لئے خط لکھنے پڑتے ہیں اور ظاہر ہے ایسی صورت میں کام کرنے والوں کی دقتیں بڑھ جاتی ہیں اور تعمیل حکم میں تاخیر الگ ہوتی ہے۔ بار بار اعلان کے باوجود لوگ اس طرف توجہ نہیں کرتے۔ لازم ہے کہ منی آرڈر کوپن پر صاف طور پر لکھیں اور کام کرنے والوں کو مشکلات سے بچائیں۔

محمد عبد الدیان قادری مجیبی۔ مہتمم دار العلوم مجیبیہ پھلواری شریف

نوی نمبر ۲۳۲۸۹

ھوالفرد المجیب فی النعمۃ

رجسٹرڈ نمبر پی ۱۰۷۴

قیمت سالانہ ۶ روپے فی پرچہ ۶۲ پیسے

ماہنامہ

المجیب

پھلواری شریف (پٹنہ)

پاکستان و غیر ممالک سے ۸ روپے

جلد ۱۳ — ماہ محرم ۱۳۹۲ھ مطابق ماہ فروری مارچ ۱۹۷۲ء — شمارہ ۵

مدیر مسئول:-
سید محمد حسین سہسرامی

مدیران:-
سید یوسف رضوی
ظفر حسنین
اسماعیل حسنین نقوی

پرنٹر پبلشر:-
سید لطف احمد قادری

مطبع:-
لبرل لیتھو پریس، رمنہ روڈ، پٹنہ

مقام اشاعت:-
دارالاشاعت خانقاہ مجیبیہ
پھلواری شریف پٹنہ

لمعات

موجودہ الکشن اور ہمارا موقف

(از مولانا شاہ عون احمد صاحب قادری ۔ پھلواری شریف)

نیفی احسنت ازیں عشق کہ دوراں امروز
گرم دارد ز تو ہنگامۂ رسوائی را

ہمارے ہندوستان میں انتخابی مہم کا وقت ہر چند سال کے بعد آتا ہے، اسی طرح اس سال بھی وقت آ گیا ہے اور انتخابی کاروائیاں شروع ہو گئی ہیں۔ اس انتخاب میں جو نمائندے منتخب ہو کر اسمبلیوں میں جائیں گے، وہ ملک و قوم کے محافظ اور ان کے مطالبات کے ذمہ دار ہوں گے۔

ان مطالبات و حقوق میں مذہبی امور بھی ہیں، سیاسی مسائل بھی اور اخلاقی و انسانی قدریں بھی! چنانچہ قانون ساز اسمبلیوں میں مطالبات کے مطابق حقوق ملتے ہیں اور ملنے چاہئیں۔

یہ اس طرف کا معاملہ ہوا! لیکن اگر دوسری طرف دیکھا جائے تو ہمارے بہتیرے مذہبی اور سیاسی مسائل ہیں کہ حالات کی ابتری اور وقت کی نزاکت کی بناء پر انہیں جلد حل ہونا چاہیئے۔ مگر ان کی طرف نہ ارباب حکومت کی توجہ ہے اور نہ ممبران اسمبلی و پارلیمنٹ جو وہاں ہماری نمائندگی کر رہے ہیں۔ کوئی آواز اٹھانے کو تیار ہیں۔

تقسیم ہند سے پہلے، بنگال کا مغربی و مشرقی حصہ ہمارے ملک کا اہم حصہ تھا۔ تقسیم ہند کے ناگزیر حالات نے مشرقی حصہ کو ہم سے الگ کر دیا۔ اس تقسیم کے نتیجہ میں حالات نے وہ دن دکھائے کہ بہار و یوپی اور بعض دوسرے صوبوں کے بہت کافی باشندے (جو بعد میں مجموعی طور پر غیر بنگالی و بہاری کہے جانے لگے) جو اُن میں سرکاری ملازمتوں میں تھے۔ وہ باقاعدہ حکومت کے ذریعہ تبادلہ کرا کے کوآپٹ (co-opt) مشرق چلے گئے اور وہاں کے بنگالی اسی تبادلہ پر ہندوستان آ گئے۔ یہ تبادلہ کوآپٹ (co-opt) ڈاکخانہ۔ ریلوے اور بعض دوسرے محکموں میں باقاعدہ ہوا۔

اس کے علاوہ، جو غیر بنگالی و بہاری، سرکاری ملازمتوں میں نہیں تھے وہ بھی بطور خود وہاں چلے گئے اور اس طرح وہاں کے بنگالی عوام ہندوستان آ گئے۔ اور بھی اپنے اپنے معاشی و اقتصادی مشاغل میں مصروف ہو گئے۔

اب ادھر بعض ناگفتہ بہ حالات کے باعث بنگال کا مشرقی حصہ آزاد کرا دیا گیا اور اس آزادی کی جد و جہد میں نمایاں مقام ہندوستان کو حاصل رہا۔ اس لحاظ سے فتح دراصل ہندوستان کو ہوئی۔

اور ہم ہندوستانیوں نے فاتح کی حیثیت سے وزیر اعظم صاحبہ کو نہ صرف تہنیت و مبارک باد پیش کی، بلکہ ان کو اس خوشی میں "بھارت رتن" کا خطاب بھی دیا۔

تو جب اس معرکہ میں ہندوستان اور ہندوستانیوں کو یہ مقام حاصل ہوا۔ اس لئے اب ہمارا یہ فرض ہونا چاہیئے کہ آزاد بنگلہ دیش کے غیر بنگالی اور بہاری باشندوں کے مشکلات کو حل کریں اور ان کے مصائب کو دور کریں۔

جس طرح اس سے پہلے مشرق سے آئے ہوئے پریشان حال رفیوجیوں کو ہندوستان نے فراخدلی کے ساتھ قبول کیا۔ ان کی پریشانیوں کو دور کیا۔ ان کو عافیت و آرام پہنچانے کا ہر ممکن سامان کیا، اسی طرح اس سے زیادہ وسعت قلب اور فراخدلی کے ساتھ ان غیر بنگالی باشندوں کے مصائب و مشکلات کو حل کرنے کی بھی سعی کرنی چاہیئے، جو وہاں ہر طرح کی مصیبتوں کے شکار ہو رہے ہیں۔ کیونکہ اور چیزوں کو چھوڑ کر انسانی ہمدردی اسی کو چاہتی ہے اور اخلاقی تقاضا یہی ہے۔

لیکن ــــ افسوس کا مقام ہے کہ ارباب حکومت جس کے اثرات سے یہ مشکل مسئلہ بخوبی حل ہو سکتا ہے، وہ اس کو بالکل اہمیت نہیں دے رہے ہیں۔ اور اس کو غیر واقعی اور غیر اہم سمجھ رہے ہیں۔ اس سلسلہ میں کہنا یہ ہے کہ اخبارات کی اطلاعیں پروپگنڈا کی بنا پر الکشن ورک اور مبالغہ پر محمول کی جا سکتی ہیں۔ لیکن جب وہاں کے صحیح حالات بذریعہ خطوط یہاں پہنچ رہے ہیں اور معتمد چشم دید بیانات سے اس کا علم ہو رہا ہے اور بعض غیر ملکی نمائندوں کے معائنے اس کی گواہی دے رہے ہیں، تو ایسی حالت میں وہاں کی خبروں کو غیر واقعی کہنا بالکل لچر اور لغو حرکت ہے، جو ہرگز قابل تسلیم نہیں۔

بنگالی ہو یا غیر بنگالی سبھی انسان ہیں۔ ان کے ساتھ ظلم، قتل و غارت گری، ان کی معاشی و اقتصادی مار، ان کی ملازمتوں کو ختم کر کے بیکار کر دینا، ان کو نظر بند و محصور کر کے ضروریات زندگی سے محروم کر دینا۔ مختلف بہانوں سے ان کی تلاشی لے کر خوفزدہ و پریشان کرنا، کسی کالونی سے کیمپ میں یا دوسرے کسی مقام میں جبر و تشدد کے ساتھ ان لوگوں کو منتقل کرنا۔ ان کے جوان اور باکار لوگوں کو موقع پاتے ہی غائب کر کے بالکل لاپتہ کر دینا، یہ سب انسانیت کے لئے انتہائی شرمناک حرکتیں ہیں۔ خواہ مغربی پاکستان میں بنگالیوں کے ساتھ ایسا کیا جائے یا بنگلہ دیش میں غیر بنگالیوں و بہاریوں کے ساتھ یہ سلوک کئے جائیں، سب ہی قابل ملامت و نفرین ہے اور اس کو روکنے کے لئے ہر دردمند انسان کو آواز بلند کرنی چاہیئے۔

بڑے رنج اور دکھ کی بات ہے کہ ہمارے ملک کے ارباب اقتدار ان خبروں کو سن کر یا خاموش ہو جاتے ہیں یا یہ کہکر ٹال دیتے ہیں کہ "یہ سب پروپگنڈا ہے، وہاں سب محفوظ ہیں"۔ حقیقت اور واقعیت سے انکار کرنا باعث صد حیرت ہے۔ ؎

بسوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بوالعجبی است

قابل توجہ امر یہ ہے کہ جب بنگلہ دیش کے سربراہ نے ان تمام بنگالیوں کو جو تقسیم ہند کے بعد ہندوستان آگئے تھے، وہاں واپس جانے کی اجازت دیدی اور مکان وجائداد وغیرہ کی ہر سہولت دینے کا اعلان کر دیا، تو وہ غیر بنگالی وبہاری جو بنگلہ دیش میں اس وقت زندگی وموت کی درمیانی حالت میں ہیں۔ ہماری حکومت کو چاہیئے کہ انہیں بھی ہندوستان آنے کی اجازت دیدے اور وہاں سے بلانے اور یہاں آباد ہونے کے خاطر خواہ ذرائع ومواقع مہیا کرے۔ کیونکہ حکومت ہند کی طرف سے اس کی مثال موجود ہے کہ ہندوستان کے وہ باشندے جو سینکڑوں سال قبل ترکِ وطن کرکے یہاں سے افریقہ یا برما وغیرہ چلے گئے تھے۔ جب کسی وجہ سے وہاں سے ہٹنے پر مجبور ہوئے، تو ہماری حکومت نے ان سب کو یہاں آکر بسنے اور آباد ہونے کی اجازت دی اور ہر طرح کی سہولت بخشی۔

اس وقت ہمارا ملک ہندوستان فاتح کی حیثیت رکھتا ہے۔ فاتح اور مفتوح کے حالات میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ مفتوح قوم ہراساں اور خوفزدہ ہوکر اپنا اعتماد نفس بھی کھو بیٹھتی ہے، اس کی پریشانیاں ہر معاملہ میں دوچند ہوتی ہیں۔ لیکن فاتح قوم کو سہولت کے جملہ مواقع حاصل ہوتے ہیں۔ وہ چاہے تو بالخصوص مفتوح طبقہ کو جملہ فوائد سے بہرہ مند کر سکتی ہے۔ اور ہمیں تو اپنے سربراہ حقیقی، ہادی عالم، مصلح اعظم کے اسوہ سے یہی سبق ملتا ہے کہ فاتح کو مفتوح کے ساتھ پوری فراخدلی اختیار کرنی چاہیئے۔ فتح مکہ کے وقت حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی فتح وکامرانی کا اعلان کرتے ہوئے مفتوح قوم کو مخاطب کرکے فرمایا تھا:۔

"آج تم پر کوئی الزام نہیں ہے۔ جاؤ تم سب آزاد ہو"

درحقیقت عالم انسانیت کے لئے یہ ایک نمونہ ہے کہ فاتح کو ایسا کرنا چاہیئے۔ اگر فاتح قوم فراخدلی برتے گی اور مفتوح قوم کے ساتھ اچھا سلوک کرے گی تو اس کو فتح وکامرانی کے ثمرات وفوائد تا دیر حاصل رہیں گے۔ اور اگر اچھے سلوک ومراعات پر عمل نہیں کیا گیا، تو فتح کے فوائد جلد ہی ختم ہو جاتے ہیں۔

میں کہتا ہوں کہ اس وقت مذہبی وسیاسی حیثیتوں سے قطع نظر کرکے صرف اخلاقی قدروں اور انسانی ہمدردی کا تقاضا کیا چاہتا ہے؟ اس کو سمجھ کر اس پر عمل کرنے کی ضرورت ہے۔

مگر ـــــ اس کے برعکس ہم یہ دیکھ رہے ہیں کہ ہمارے بہاری اور غیر بنگالی بھائیوں کی جانیں ضائع ہو رہی ہیں۔ ان کے مال واسباب لوٹے جا رہے ہیں، وہ حیات وموت کی کشمکش میں مبتلا کرکے چھوڑ دیئے گئے ہیں۔ لیکن ہمارے احساس کو دھکا بھی نہیں لگا۔ تو گویا ہمارے جان ومال کی کوئی قیمت نہیں ہے۔ اور جب ایسا ہے تو الکشن اور انتخابی مہم میں ہمارے ووٹ کی بھی کوئی قیمت نہیں ہونی چاہیئے۔

اسی لئے اس صورت حال میں الکشن میں ہمارا حصہ لینا اور ووٹ دینا بالکل لاحاصل فعل ہوگا ـــ اور اگر واقعی ہمارے ووٹ کی کچھ قیمت ہے، تو ہم ان حالات میں اس کو ضائع اور رائیگاں کرنا نہیں چاہتے۔ بلکہ ان مظالم اور قتل وغارت گری کے خلاف جو بنگلہ دیش میں غیر بنگالیوں کے ساتھ ہو رہی ہے۔ ہم بطور احتجاج کے اعلان کرتے ہیں کہ موجودہ الکشن میں کسی جماعت یا کسی پارٹی یا کسی آزاد امیدوار کو ووٹ نہیں دیں گے اور احتجاجاً اس الکشن میں کوئی حصہ نہیں لیں گے اور اس آواز کو ہر طبقہ

دہی جماعت سے لے کر ایوانِ حکومت تک پہنچا دینا چاہتے ہیں کہ ہم احتجاجاً ایسا کر رہے ہیں۔
راقم کا تعلق بعض اداروں سے بھی ہے اور بعض جماعتوں سے بھی! لیکن اپنی رائے میں بذاتِ خود دے رہا ہوں۔
یعنی کسی ادارہ یا جماعت کے نمائندہ کی حیثیت سے نہیں۔ بلکہ ذاتی طور پر اس الکشن میں اپنے مؤقف کا اظہار کر رہا ہوں۔
ہاں یہ اور بات ہے کہ میرے اس خیال ونظریہ کی تائید دوسرے حضرات بھی کریں۔
بلکہ میرے نزدیک اس وقت خصوصاً تمام بہاریوں اور غیر بنگالیوں کا یہی مؤقف ہونا چاہیئے۔ ؎

من انچہ شرطِ بلاغ ہست باتو می گویم
تو خواہ از سخنم پند گیر و خواہ ملال

۱۳۹۲ھ کے تاریخی نام (لڑکوں کے لئے)

(۱) غلام محمد مصطفیٰ۔ (۲) محمد منظور الجلیل (۳) امین اصغر (۴) سلیمان اختر (۵) محمد منظر علی (۶) محمد صغیر (۷) محمد ظفر احسان (۸) منظفر العالم (۹) ظفر حسن انجم (۱۰) ناظم عرفان (۱۱) محمد مسعود خورشید (۱۲) تفضل امام (۱۳) افتخار علی (۱۴) رفیق بخت (۱۵) محمد فضل شمیم (۱۶) محمد مظفر حسیب (۱۷) سید رضوان اکرم۔ (۱۸) سید منظر حسین (۱۹) سید خورشید فصیح (۲۰) شیخ محمد شمیم (۲۱) فراست خاں۔

(لڑکیوں کے لئے)

(۱) فضیلت بیگم (۲) افشاں نذیر (۳) فاخرہ مسرور (۴) خورشید نذیں (۵) تنویر کوثر

گذارش

جن لوگوں کی خریداری مدت ختم ہو چکی ہے۔ ان کی خدمت میں گذارش ہے کہ ۱۳۹۲ھ کے لئے زرِ سالانہ بلا تاخیر دفتر میں بھیج دیں۔ اور ادارہ کی طرف سے وی، پی کا انتظار نہ کریں۔
یاد رکھئے "المجیب" ایک دینی، علمی، اصلاحی اور مذہبی رسالہ ہے۔ ایسے پرچوں کو آپکے مذہبی جذبات ہی فروغ دے سکتے ہیں۔ اس کی بقا اور تمام تر انحصار آپ اور صرف آپ پر ہے۔

(مینجر)

حقیقت انسانی کا مطالعہ

(۸)

(از جناب مولانا حکیم سید محمد طٰہٰ کمال ندوی - استاذ شعبۂ سینئر مدرسہ شمس الہدیٰ - پٹنہ)

حدیث مذکورہ بالا کا یہ فقرہ فقال رب لولا سَوَّیتَ بین عبادک فقال اِنّی اَحبَبتُ اَن اُشکَرَ (پس آدمؑ نے کہا اے میرے رب تو نے اپنے بندوں کے درمیان مساوی درجے کیوں نہیں قائم کیے؟ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے یہ پسند کیا کہ میرا شکر ادا کیا جائے) کہ اسلامی زندگی کے تمام حقائق کو جامع ہے

حضرت آدم علیہ السلام کی تمناؤں سے بھری ہوئی درخواست رَبِّ لولا سَوَّیتَ بین عبادک اور اس کے جواب میں باری تعالیٰ کا یہ ارشاد انی اُحببتُ اَن اُشکَر ہمارے سامنے یہ درس حقیقت پیش کر رہا ہے کہ ہم اگر حسین ہیں، تو اپنے حسن پر کبر و ناز نہ کریں ۔ اسی طرح ہم اگر مالدار اور غنی ہیں تو اپنے مول اور غنا پر فخر و غرور نہ کریں ۔ بلکہ باری تعالیٰ کا شکر ادا کریں ۔ یعنی حسن صورت اور حسن سیرت کے جو فطری تقاضے ہیں ۔ ہم ان کو پورا کریں اور مال و دولت کے جو اسلامی مصارف ہیں ان ہی مصارف میں ہم اپنے مال و دولت کو احکام خداوندی کے مطابق خرچ کر کے باری تعالیٰ کی رضا و خوشنودی حاصل کریں ۔

پیدائش و از دیاد دولت کا فطری شوق یا اس کی فطری صلاحیتیں تمام انسانوں میں یکساں ہو نہیں سکتیں ۔ جس طرح حسن و عدم حسن میں تمام انسان یکساں اور مساوی نہیں ہیں ۔ اسی طرح مال و دولت حاصل کرنے کی باطنی صلاحیتوں اور استعدادوں میں بھی سب یکساں نہیں بنائے جا سکتے ۔ اگر ایسا کیا جائے تو انسان کی " قوت ممیزہ " ہی نیست و نابود ہو جائے گی اور قوت ممیزہ کا فقدان انسانی خصوصیت اور بشری امتیاز کا فقدان ہوگا ، لیکن میرا یہ مطلب نہیں کہ میں نظام سرمایہ داری یا نظام آمریت و ملوکیت کا طرفدار ہوں ۔ بلکہ میں صرف اسلامی نظام حیات ، اسلامی نظام مملکت اور اسلامی نظام معیشت کو فطرت انسانی کے مطابق پاتا ہوں ۔

دور حاضر میں " نظام اشتراکیت " کا دوسرے نظاموں سے سخت تصادم ہے ۔ یہاں تک کہ " اسلامی نظام معاش " سے بھی اشتراکیت متصادم ہے ، ان باہم بین الاقوامی مصادمات کے باوجود ہر ہر نظام معاش اور ہر ایک نظام حکومت کے علمبردار " انسانیت " کے راگ الاپا کرتے ہیں ۔ لہٰذا ہمارا یہ فرض ہے کہ ہم اس حقیقت کو واضح طور پر سمجھ لیں کہ اسلام ، نظام سرمایہ داری

کی بیخ کنی کرتا ہے ۔

اسلام "نظام سرمایہ داری" کی بیخ کنی کرتا ہے

سورۂ حشر میں "مالِ فئ" کے متعلق ہے کی لَا یَکُوْنَ دُوْلَۃً بَیْنَ الْاَغْنِیَاءِ مِنْکُمْ ۔ آپ پہلے پوری آیت ذہن نشین کرلیں۔

مَآ اَفَآءَ اللّٰہُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ مِنْ اَھْلِ الْقُرٰی فَلِلّٰہِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ کَیْ لَا یَکُوْنَ دُوْلَۃً بَیْنَ الْاَغْنِیَآءِ مِنْکُمْ وَمَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَمَا نَھٰکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا وَاتَّقُوا اللّٰہَ اِنَّ اللّٰہَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ ○

(سورہ الحشر پارہ ۲۸)

جو کچھ اللہ تعالیٰ (مالِ فئ کے طور پر) اپنے رسول کو دوسری بستیوں کے کافر لوگوں سے دلوا دے (جیسے فدک اور ایک حصہ خیبر کا) سو وہ بھی اللہ کا حق ہے (یعنی حکومت اسلامیہ کا سرکاری مال ہے) اور رسول کا اور آپ کے قرابتداروں کا اور یتیموں کا اور مسکینوں کا اور مسافروں کا، تاکہ وہ 'مالِ فئ' تمہارے تونگروں کے قبضہ کی دولت دائمی بن کر نہ رہے۔ اور رسول تم کو جو کچھ دیا کریں وہ لے لیا کرو۔ اور جس چیز کے لینے سے روک دیں (خواہ وہ حرام مال و دولت ہو۔ یا "غیر اسلامی نظام زندگی کے اصول و ضوابط") تو تم اُن کو لینے سے رُک جایا کرو اور اللہ سے ڈرو (یعنی اس کی مخالفت نہ کرو) بے شک اللہ تعالیٰ اپنے مخالفوں کو سخت سزا دیتا ہے۔

فقہاء مفسرین کے نزدیک "مالِ غنیمت" اور "مالِ فئ" میں فرق یہ ہے کہ کافروں سے جنگ کرنے میں جو مال حاصل ہو۔ وہ مالِ غنیمت ہے اور جو اُن سے جنگ کئے بغیر کافروں کی جلا وطنی یا ان کے فرار ہو جانے سے حاصل ہو وہ "مالِ فئ" ہے۔

دورِ جاہلیت میں سب غنائم اور سارے محاصلِ جنگ اور اموالِ فئ ذی اختیار لوگ کھا جاتے تھے اور فقراء بالکل محروم رہ جاتے تھے۔ اس لئے اللہ نے مالِ غنیمت اور مالِ فئ کے مصارف بتلا دیئے۔ مالِ غنیمت کے پانچ حصے کئے جاتے ہیں۔ ایک حصہ اسلامی بیت المال کا ہوتا ہے اور چار حصے لشکر اسلامی کو بانٹ دیئے جاتے ہیں اور مالِ فئ سارا کا سارا اسلامی بیت المال میں آنے کے بعد امیر المومنین کی رائے سے متعینہ مصارف میں صرف کیا جاتا ہے۔

فئ کی تقسیم کے متعلق مختلف فیہ مسائل

کو تفسیر بیضاوی کی روشنی میں ہم سمجھتے چلیں، تو آئندہ استخراج نتائج میں بڑی سہولتیں ہوں گی۔

اختلف فی قسم الفئ فقیل یسدس بظاھر الاٰیۃ ویصرف سھم اللّٰہ فی

فئ کس طرح تقسیم کیا جائے، اس میں اختلاف کیا گیا ہے چنانچہ ایک (اختلافی) قول تو یہ ہے کہ چھ حصے کئے جائیں۔ جیسا کہ

عمارة الکعبة وسائر المساجد، قیل یخمس لان ذکر اللہ للتعظیم ویصرف الآن سہم الرسول الی الامام علی قول والی العساکر والثغور علی قول والی مصالح المسلمین علی قول ۔ وقیل خمس خمسة کالغنیمة فانه علیه السلام کان یقسم الخمس کذالک ویصرف الاخماس الاربعة کما یشاء والآن علی الخلاف المذکور ۔

آیت کے ظاہری الفاظ کا تقاضا ہے اور اللہ کا سہم عمارت کعبہ اور تمام مساجد میں خرچ کیا جائے اور دوسرا اختلافی قول یہ ہے کہ آیت میں اللہ کا ذکر محض تعظیم کے طور پر ہے ۔ اسے صرف پانچ حصوں میں بانٹا جائے اور آج کل (وفات حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد) سہم رسول امام المسلمین کو دے دیا جائے گا ۔ بعض فقہا کہتے ہیں کہ نہیں سہم رسول کو اسلامی لشکروں پر اور اسلامی ملک کی سرحدوں کی حفاظت پر صرف کیا جائے گا ۔ بعض دوسرے فقہاء کہتے ہیں کہ امت مسلمہ کی مصلحتوں پر صرف کیا جائے گا ۔ بعض فقہا کا یہ قول بھی ہے کہ پانچ حصے لگائے جائیں گے اور پانچواں حصہ مال غنیمت کی طرح خرچ کیا جائے گا ۔ کیونکہ نبی علیہ السلام اسی طرح بانٹا کرتے تھے ۔ اور بقیہ چار خمس کو رسول اور اس کا نائب (امیر المومنین) امت مسلمہ کے یتامیٰ و مساکین اور مسافروں پر جس طرح چاہے گا ۔ اور جس طرح مناسب سمجھے گا ، خرچ کرے گا ۔ اور اب (عہد حاضر میں) خلاف مذکور کی روشنی میں یا تو چھ حصے لگائے جائیں گے یا پانچ حصے کرکے سہم رسول یا تو امام المسلمین کو دیدیا جائے گا ، یا اسلامی لشکروں یا سرحدوں کی حفاظت پر خرچ کیا جائے گا ۔

"مال فئ" کی مذکورہ بالا تقسیم کی غرض و غایت یہ بتائی گئی ہے کی لا یکون دولة بین الاغنیاء منکم آپ دولۃ کی بھی توضیح سن لیں ۔

الدولة ما یتداوله الاغنیاء ویدور بینهم کما کان فی الجاهلیة وقرئ دولة بمعنی کی لا یکون الفئ ذاتی تداول بینهم او اخذه غلبة تکون بینهم ۔

دولت اس چیز کو کہتے ہیں جس کا لین دین مالدار اس طرح کرتے رہتے ہیں کہ وہ انہی میں گھوم گھوم کر ہمیشہ رہتی ہے ۔ جیسا کہ جاہلیت کے زمانہ میں کیا جاتا تھا اور دُولَۃ بھی پڑھا گیا ہے دونوں قرأتوں کے معنی ایک ہی ہیں کہ مال فئ مالداروں کے درمیان ہر پھر کر رہنے والی چیز نہ بنے ، یا ایسا قبضہ دولت پر نہ جما یا جائے کہ وہ ہمیشہ مالداروں کے غلبۂ گرفت سے باہر نکل ہی نہ سکے ۔

"نظام سرمایہ داری" کے مغز سے جو ماہرین اقتصادیات آشنا ہوں گے ۔ وہ اب بہ آسانی یقین کرسکیں گے کہ اسلام نظام سرمایہ داری کی بیخ کنی کرتا ہے ۔ اس طرح کے مباحث ناچیز کے دائرہ عنوان سے اس لئے باہر نہیں ہیں کہ نظام سرمایہ داری اور نظام اشتراکیت وغیرہ سے انسانی طبائع پر جو اثرات مرتب ہوتے ہیں ۔ ہم کو ان کا بھی مطالعہ کرنا ہے ۔ تاکہ ہم سمجھ سکیں کہ اسلامی نظام زندگی کی ازلی و ابدی ہمہ گیر وسعت سے باہر قدم رکھنا انسانیت کی بربادی دنیا ہی کو دعوت دینا ہے ۔

انسان کی ابدی حیثیت

انسان ناجی ہو یا ناری یعنی جنتی ہو یا دوزخی، ہر لحاظ سے وہ ابدی ہے۔ افحسبتم انما خلقناکم عبثاً و انکم الینا لا ترجعون کیا تم یہ سمجھ بیٹھے ہو کہ ہم نے تم کو عبث (بے کار اور لاحاصل) پیدا کیا ہے اور تم ہماری طرف نہیں لوٹائے جاؤ گے۔ یہ آیت اور اسی طرح کی سیکڑوں آیتیں جو انسان کے مبداء و معاد پر دلالت کرتی ہیں۔ وہ سب انسان کی ابدی حیثیت کو بھی نمایاں کرتی ہیں۔ نیز وہ آیات قرآنی جو کفار و فجار کے خلود فی النار اور صلحاء و عباد کے خلود فی الجنۃ کے متعلق ہیں وہ بھی اور بہت سی حدیثیں بھی انسان کی ابدی حیثیت پر دلالت کرتی ہیں۔ تفصیلات میں جانے کی نہ تو ضرورت ہے اور نہ یہاں گنجائش ہے۔

یونان کے قدیم فلاسفہ اور ان کے خوشہ چیں مسلمان مصنفوں نے بھی انسان کی ابدی حیثیت کو نمایاں کیا ہے۔ یہاں یہ اشارات کافی ہیں۔

انسان اگرچہ ازلی بھی ہے اور ابدی بھی ہے۔ لیکن اس کی ازلیت و ابدیت باری تعالیٰ کی ازلیت و ابدیت کا پرتو ہے۔

بخود از شعشعۂ پرتو ذاتم کردند ۔۔۔۔۔ بادہ از جام تجلی بصفاتم دادند

انسان کی ازلی و ابدی حیثیتوں کے پیش نظر اسی کو خلیفۃ اللہ فی الارض کا منصب جلیل قدرت کی طرف سے عطا فرمایا گیا ہے۔

خلافتِ ارضی کے لئے آدم علیہ السلام کا انتخاب

واذ قال ربک للملٰئکۃ انی جاعل فی الارض خلیفۃ قالوا اتجعل فیھا من یفسد فیھا ویسفک الدماء ونحن نسبح بحمدک ونقدس لک قال انی اعلم ما لا تعلمون ○ وعلم آدم الاسماء کلھا ثم عرضھم علی الملٰئکۃ فقال انبئونی باسماء ھٰؤلاء ان کنتم صادقین ○ قالوا سبحانک لا علم لنا الا ما علمتنا انک انت العلیم الحکیم ○ قال یا آدم انبئھم باسمائھم فلما انبأھم باسمائھم قال الم اقل لکم انی اعلم غیب السمٰوٰت والارض واعلم

اور جب کہا تیرے پروردگار نے فرشتوں سے کہ ضرور میں بناؤں گا زمین میں ایک نائب فرشتے۔ کہنے لگے کیا آپ پیدا کریں گے زمین میں ایسے لوگوں کو جو فساد کریں گے اور خون ریزیاں کریں گے اور ہم تیری حمد و ستائش کے ساتھ تیری پاکی بیان کرتے رہتے ہیں اور تیری تقدیس میں محو رہتے ہیں۔ اللہ نے کہا میں جانتا ہوں، جو تم نہیں جانتے۔ اور اللہ نے آدم کو سارے مخلوقات کے اسماء کا علم دے دیا۔ پھر ان کو فرشتوں کے سامنے پیش کیا اور کہا کہ مجھے ان چیزوں کے نام تو بتاؤ اگر تم سچے ہو۔ فرشتوں نے کہا تو پاک ہے۔ ہم کو علم نہیں ہے مگر اسی قدر جتنا علم تو نے دیا ہے۔ بیشک تو ہی علیم و حکیم ہے۔ تیرے رب نے کہا۔ اے آدم تو بتا دے ان فرشتوں کو ان (مخلوقات کے) نام۔ پس جب آدم نے فرشتوں کو ان کے نام بتائے، تو اللہ

ما تبدون وما کنتم تکتمون ۰ (البقرہ ع ۴) نے کہا، کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ میں جانتا ہوں تمام آسمانوں کی پوشیدہ چیزیں اور زمین کی اور میں جانتا ہوں، جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو اور جو تم چھپاتے ہو۔

آیات مندرجہ بالا میں مخاطبت نبی آخر الزماں خاتم الانبیاء والمرسلین حضرت احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے کہ آپ اس ازلی ساعت کو اپنے آئینہ دل کے سامنے لائے، جبکہ آپؐ کے رب نے فرشتوں سے کہا کہ میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں، تفسیر ابن کثیر کی روایت کے مطابق آدم علیہ السلام کی پیدائش سے دو ہزار برس پہلے روئے زمین پر جنات آباد تھے، وہ آپس میں لڑتے مرتے رہتے تھے۔ ان کی فساد انگیزیوں اور خون ریزیوں کے پیش نظر فرشتوں نے (اعتراض کے طور پر نہیں، بلکہ) دریافت حقیقت کے طور پر اللہ تعالیٰ سے یہ درخواست کی کہ روئے زمین کی مخلوق (خواہ حیوانات ہوں یا جنات یا آئندہ آدم و ابنائے آدم) سب ہی مفسدہ پرداز ہوگی۔ ایسی مخلوقات نیابت الٰہی کے فرائض کیا انجام دے سکے گی۔ ہم فرشتے تیری تسبیح و تقدیس میں مشغول رہنے والے خلافت و نیابت کے زیادہ مستحق ہیں۔ لیکن فرشتے انسان و بشر کی حقیقت اور اس کے کمالات باطنی سے بے خبر تھے۔ انسان کے خداداد علمی تبحر کے مقابلہ میں فرشتوں کی معلومات ہیچ ثابت ہوئیں۔ وہ دل سے اس امر کے قائل ہوگئے کہ خلافت و نیابت الٰہی کا منصب جلیل انسان ہی کو ملنا چاہیئے، کیونکہ وہی اپنے علم و دانش سے کائنات میں تصرفات کے تماشے دکھا سکے گا۔ (باقی آئندہ)

اعلان بحکم پریس رجسٹرار حکومت ہند

فارم IV ——— دیکھئے رول نمبر ۸

مقام اشاعت :- دارالاشاعت خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف

نوعیت اشاعت :- ماہنامہ

نام پرنٹر :- لطف احمد قادری

قومیت :- ہندوستانی

پتہ :- خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف، پٹنہ

نام پبلشر :- لطف احمد قادری

قومیت :- ہندوستانی

نام ایڈیٹر :- سید احمد حسین سہسرامی۔ بی اے

قومیت :- ہندوستانی

پتہ :- "دفتر المجیب" خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف پٹنہ

نام پتہ مالک رسالہ :- دارالاشاعت خانقاہ مجیبیہ۔ پھلواری شریف۔ پٹنہ

میں لطف احمد قادری تصدیق کرتا ہوں کہ جو تفصیلات اوپر دی گئی ہیں میرے علم و یقین میں صحیح ہیں۔

(دستخط) لطف احمد قادری ۔ مارچ ۱۹۷۲ء

سلیقۂ گفتگو پر اسلامی ذہن

(از جناب پروفیسر سید عبدالحیٔ صاحب)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کی روشنی میں گفتگو کا سلیقہ کیا ہو افسوس ہے کہ ہم میں کی اکثریت نے اس موضوع پر توجہ صرف اس حد تک دی ہے کہ گفتگو میں موٹی موٹی باتوں کا خیال رکھا جائے جو گناہ میں آتے ہیں اور ان گناہ والی باتوں کو گفتگو میں لانے سے پرہیز کیا جائے یعنی گالی۔ فحش بیانی. غیبت بہتان۔ الزام تراشی۔ عیب جوئی اور پردہ دری وغیرہ باتوں سے بچا جائے باقی گفتگو کی ساخت و ترتیب بناوٹ و انداز بیان و دیگر سلیقہ گفتگو میں ہم اپنے کو آزاد سمجھ لیتے ہیں جس کے نتائج فوراً ہی اتنے خطرناک ہوتے ہیں کہ وہ ساری باتیں اور گناہ جن سے ہم نے پرہیز کیا تھا آپ سے آپ سرزد ہونے لگتے ہیں یہی ہے غلط سلیقہ گفتگو اور جس کے نتیجہ میں ہمارے لوگوں کا حال یہ ہے کہ گفتگو کے قریب قریب ہر میدان میں ناکارہ۔ بدمزاج۔ بودے۔ جاہل اکھڑ و پسند و مغرور ثابت ہوتے ہیں۔ یہ حال صرف ان کا نہیں جو واقعتاً جاہل یا ناتجربہ کار ہیں بلکہ امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں یہ وہ حضرات ہیں جو اہل علم اہل بصیرت۔ اہل الرائے۔ اہل تجربہ اور اپنے آپ کو غمخوار و دردمند اور رہنمائے ملت سمجھتے ہیں اور غلط سلیقہ گفتگو سے بجائے اسکے کہ اُمت کو کچھ بنا کر دیں اور زیادہ سے زیادہ بگاڑتے ہی چلے جا رہے ہیں۔ اکثر اوقات تو غیر مسلم بھی گھبرا جاتے ہیں کہ کیا اسلام اپنی محبت میں غیر اسلامی طریقہ گفتگو و سلیقہ تحریر کو بھی جائز قرار دیتا ہے؟ حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کھلی حدیث شریف ہے جسکا مفہوم اس طرح ہے کہ "برائی برائی سے نہیں مٹائی جاتی" متانت و سنجیدگی و خوش بیانی و نرم کلامی پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی واضح نصیحتیں ہیں اور انہی اعمال پر صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین نے دنیا کو اپنا تابع اور گرویدہ بنا کر دکھلا دیا مگر اس دور میں ہمارے حضرات نے اپنے کو ان سلیقہ سے بالکل بری کر رکھا ہے اور دنیاوی تہذیب کی نقل پڑا کر گفتگو اور تقریر و تحریر کا ڈھنگ ایسا اختیار کر لیا ہے کہ وہ سچی بات اور جائز بات بھی بجائے اپنا صحیح اثر رکھنے کے اُلٹا اور مخالف اثر پیدا کر رہی ہے۔

اس فن سے لاعلمی اور صحیح تربیت نہ ہونے کی وجہ کر عام طور پر ہمارے یہاں یہی ہوتا ہے کہ ابھی دو حضرات میں گفتگو شروع ہوئی کہ فوراً ہی نفسیاتی تغیرات دونوں کے چہرہ پر ظاہر ہوتے جو اس بات کو بتانے لگتا ہے کہ دونوں ہی خود پسندی کے شکار ہو کر اپنی مدافعت پر ذہنی تیاری میں مشغول ہیں اور اسطرح خوشگواری کی فضاء تو یقینی ختم ہوگئی دونوں کی جدائی بھی رنجش پر ہوتی ہے۔

یہاں اس موضوع پر شعور کو بیدار کرنے کی حد تک اختصار کے ساتھ گھریلو ماحول سے لیکر عام زندگی کے اس ماحول کو بھی سامنے رکھا جا رہا ہے جس سے ہم اور آپ ہر روز دوچار ہوتے رہتے ہیں۔

گھریلو زندگی میں اور خصوصی طور پر شوہر و بیوی کے مابین تو سلیقہ گفتگو اتنا اہم ہے کہ دونوں کی لاعلمی اور غفلت سے اچھی خاصی خوشحال زندگی مصیبت زدہ اور اجیرن بن جاتی ہے۔ اگر دونوں کے دونوں بودے اور جاہل ہے تو پھر گھر کا ماحول تو خراب رہے گا ہی اور آگے زخمی دشمن و سینہ مجبور دبے بس سماجی و مذہبی حکم بندی کے ڈر سے ٹک ٹک دیدم دم نہ کشیدم کے طور پر پوری عمر گذار دیتے ہیں اور ہر دو فریق ایک دوسرے کے خلاف دل میں ناسور لئے قبر میں چلے جاتے ہیں۔

یورپ و امریکہ تو ایک مثال بھی ایسے بے جوڑ زندگی کی نباہ کی نہیں پیش کر سکتا یہ صرف ہندوستان کا ماحول ہے جہاں اب بھی عورت و مرد کی بدوصلی جو شادی کے ذریعہ ہو جاتی ہے۔ ہزار ناچاقیوں۔ بدعنوانیوں میں بھی نباہ کی منزل کو پہونچانا ہی بہتر سمجھا جاتا ہے۔ اسلام نے بھی اسی پہلو کو بہتر قرار دیا ہے۔ اور خدا کے نزدیک شوہر بیوی کی جدائی بے انتہا ضبط و صبر و درگذر کو کام میں لائے بغیر بہت ہی ناپسندیدہ ہے۔

اسی سلسلے میں ہمیں اور آپ کو یہ بات بھی یاد رکھنی چاہئے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے واضح طور پر اس مفہوم میں بات فرمادی ہے کہ انسان اپنے اعمال کے ذریعہ اتنا جہنمی نہیں بنتا جتنا کہ یہ زبان اُسے جہنم کی گہرائیوں میں ڈالتی چلی جاتی ہے۔ تلوار تو جسم کو چیرتی اور کاٹتی ہے مگر زبان (یعنی غلط گفتگو) تو دلوں کو پھاڑ ڈالتی ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس بات پر کہ انہوں نے اپنی ایک سوتن کے سلسلے میں ٹھگنی یعنی پست قد کا لفظ استعمال کیا تو فوراً ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کہہ کر تربیت فرمادی کہ اے عائشہ یہ لفظ اتنا خراب ہے کہ اگر اسے سمندر میں ڈال دیا جائے تو اسکے اثرات سے دنیا کے سبھی سمندروں کے پانی کالے ہو جائیں۔

ایسی تربیت کے پیش نظر صحابہ رضی کی گفتگو سے جو اصول نکلتے ہیں وہ یہ ہیں:۔

اولاً آغاز گفتگو دوئم دوران گفتگو اور آخری اختتام گفتگو

آغاز گفتگو

گفتگو کی کامیابی و ناکامیابی کی ابتدا یہیں سے ہے عام طور پر انسان پہلے بنے بنائے اور سنی سنائی اور خود ساختہ خطرات کے بوجھ سے اپنے دماغ کو اتنا وزنی کر ڈالتا ہے کہ آغاز گفتگو ہی میں اُس سے ایسی چوک ہو جاتی ہے جسکے نتیجہ میں تشدد۔ خفگی تحقیر دھمکی دھکے پن کا اشارہ ہی ہے دوسرے فریق کو مل جاتا ہے اور دوسرا فریق بھی اپنے کو قابو نہ رکھ کر بالکل اُسی رو میں چل پڑتا ہے یا اگر مصلحتاً خاموش بھی رہے تو بھی صاف ظاہر ہے کہ مسلمان سے ملاقات کر کے فریق نے کوئی خاص چیز نہ پائی۔ لہذا ہمارے صحابہ رضی نے آغاز گفتگو کی مدت میں اتنے اچھے اخلاق انداز و سلیقہ کا مظاہرہ کیا ہے کہ دشمن بھی اپنے سو فیصدی غلط فہمیوں کو محض اسی عنوان پر دل سے ہٹا دیتا تھا۔

اس زمرہ میں وہ حضرات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کو پورا دھیان میں رکھتے تھے کہ لب و لہجہ تحکمانہ۔ آمرانہ۔ جارحانہ۔ غاظانہ اور تحقیرانہ نہ ہو۔ اسی مدت میں ہمارے صحابہ اپنے مخاطب کو یہ بھی سکھا دیتے تھے کہ مخاطب کے ساتھ حسب مرتبہ و منصب کیسی خاطر داری و اخلاق برتنی چاہئے۔ جنگ ہو یا امن ہمارے صحابہ نے محض آغاز ملاقات میں ہی یہ بات دل تک پہونچا دی کہ ہم ایمانداری اور سچائی کے ساتھ لوگوں سے دردمند ہیں کوئی دنیاوی عزت و نام نمود کے طلبگار نہیں۔

دوران گفتگو

اس امر پر فریق کو پورا پورا دھیان دینا چاہئے کہ جب ایک شخص بات کہہ چلے تو دوسرا بالکل خاموش ہو کر سنے اُسے اپنے نکتہ یا عذر یا موضوع کو
مکمل واضح کر دینے کا موقع دے جب اطمینان پا جائے کہ وہ فریق ساری باتیں کہہ چکا تو اب دوسرا شروع کرے اور یہاں اب اگلے فریق کو چاہئے
بالکل ساکت و خاموش ہو کر سنے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین نے یہی تربیت پائی تھی اور وہ باتوں کو بغور سنتے اور سر جھکا دیتے تھے یہ انداز پوری گفتگو میں ملحوظ
رہے تو پھر بہت ہی مختصر مدت میں گفتگو بھی ہو جائے اور ہر دو ایک دوسرے سے مطمئن ہو جائیں۔

دوران گفتگو میں کوئی بات سمجھ میں نہ آتے پر یا اپنے خیال کے مطابق دوسرے کی بات غلط لگنے پر ایسے الفاظ کا استعمال نہ کیا جائے
جس سے فوری تحقیر و تمسخیر و توہین کا پہلو اُجاگر ہو جیسے "یہ بات تو سراسر جھوٹ ہے" "یہ محض آپ کا افترا ہے" "یہ ایک چال ہے" "یہ بات بوگس
ہے" وغیرہ وغیرہ ـــ اشارۃً و کنایتاً بھی ایسے الفاظ نکل گئے تو جان جائیں کہ گفتگو میں زہر پڑ گئی اور آگے اس سے سینکڑوں اور ہزاروں گونا سخت سے
سخت الفاظ دوسرے فریق کے ذریعہ استعمال ہونگے اور اسطرح غلط سلیقہ گفتگو اب آپسی تعلقات کو کاٹ کر رکھ دیں گے۔
خصوصی طور پر دوستانہ ماحول اور ازدواجی زندگی میں ان پہلوؤں پر ہر شخص ہوشیار رہے اور لفظ نکالنے کے پہلے اس کے وزن و نفسیاتی اثر کو
تول لے۔

اختتام گفتگو

یہ مسئلے صحیح معنوں میں اُن مواقع پر آتے ہیں جہاں کوئی فریق ساری گفتگو کے مقصد پر بھی سوچنا چاہتا ہے اور صاف صاف ہاں یا نا جاننا چاہتا
ہے یا نکتہ یا مسئلہ کی صحیح اور واضح وضاحت چاہتا ہے۔ ایسے حالات میں ہم لوگوں سے عام طور پر بغیر کوئی عذر کے بھی اخلاقی اور ایمانی کمزوریوں کے بنا پر غلطیاں
ہو جاتی ہیں اور پھر بر غلط بیانی آگے سینکڑوں طرح کے غلط طرز گفتگو حیلہ و بہانہ و فرار کو بیدار کرتی ہیں اور تعلقات خراب ہو جاتے ہیں اور اعتبار جاتا رہتا
ہے۔ اس موضوع پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کی روشنی میں ہمارے صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین نے کبھی بھی تذبذب سے کام نہ لیا اور حضرت جعفر
طیارؓ نے شاہ حبشہ کے دربار میں ان ساری باتوں کا جواب بھی بالکل اسی طرح دیا جو اسلام کا منشا تھا۔ باوجودیکہ یہ جواب بادشاہ وقت اور اس کے قوم
عیسائی کے عقیدے کے خلاف تھا اور حالات ایسے تھے کہ بس بادشاہ کی خوشی اور ناراضگی پر ان حضرات صحابہ کی زندگی و موت کا فیصلہ تھا۔
یہاں پر سلیقہ براہ راست ایمانی مضبوطی اور خوف خداوندی سے تعلق رکھتا ہے۔ افسوس ہے کہ ان مواقعات پر سیاسی جواب و چال بازی
کا نام ہم نے بہترین سلیقہ قرار دیا ہے۔ وقتی طور پر چاہے اس سلیقہ سے جو بھی مسرت مل جائے مگر ہمارے اسلاف سے ایسا سلیقہ ثابت نہیں۔
ان اصولی باتوں کو جان لینے کے بعد کچھ اپنے ماحول پر بھی نظر کر لیں جن سے ہم ہر لمحہ وابسطہ ہیں اور کیا عجب کہ تھوڑا دھیان بھی میرے
لئے اللہ رب العزت کی طرف سے زیادہ خیر کا پانے والا بنا دے۔

میٹنگ یا جلسہ میں گفتگو

جلسہ کی نوعیت کے اعتبار سے لوگوں کو اپنی گفتگو رکھنے کا موقع دیا جائے اور دوران گفتگو میں کوئی رخنہ نہ ڈالے گفتگو جائے مخصوص

پر جاکر کی جائے۔ مقرر بے محل ادھر ادھر مڑ کر کسی خاص طبقہ سامعین کو مخاطب نہ بنائے۔ تہقہہ و تمسخر کی عادت پر قابو پایا جائے۔ مقرر کی بات ناپسند آنے پر اسے روک دینے کی یا ہوٹ کر دینے کی فکر میں لگ جانا دوسرے فریق کے طرز گفتگو کو اور سخت بنا ڈالے گا اور بجائے اجتماعی بھلائی نکلنے کے گروپ بندی اور ہراؤ و ہٹاؤ کی ٹولیاں بنیں گی۔

بزرگ و عزیز کے درمیان گفتگو

یہ گفتگو عام طور پر شاگرد و استاد و والدین و اولاد یا اسی مرتبہ کے بزرگ و عزیز کے درمیان ہوتی ہے۔ فطرتی طور پر یہاں بڑوں کا انداز گفتگو ناصحانہ ہوگا جس کیلئے اصول کلیہ ہے کہ عزیز خاموشی سے سن لے اور اگر ابہام کا پہلو لئے وضاحت طلب کرے۔ اس طریقہ گفتگو سے بڑوں کی شفقت بڑھے گی اور عزیز کو بے انتہا فائدہ ہوگا۔ برخلاف اس کے عزیز کی طرف سے فراری ذہن کا مظاہرہ یا جواب دیکر اپنی قابلیت کا دھونس جمانا یہ ساری باتیں اچھے سلیقہ کی مخالف ہیں اور بدمزگی لائے گی۔

ہمجولیوں کے درمیان گفتگو

یہ گفتگو اسٹاف روم۔ کینٹین۔ کلب۔ ہوٹل۔ ٹرین و بس و جہاز کی مسافرت و کسی مجلس میں اکٹھا ہو جانے کے وجہ کر محض تفریحاً ہوتی ہے یہاں گفتگو کا کوئی موضوع سخن نہیں ہوتا بلکہ چلتی پھرتی عام باتیں یا مشکلات یا سیاسی تبصرہ وغیرہ موضوع سخن ہوتا ہے۔ ان حالات میں جو سلیقہ صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین سے ثابت ہے وہ یہ کہ یہ مواقع محض فضول گوئیوں کو پیدا کرتے ہیں اور جن سے حضور صلی اللہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔ بلکہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کی روشنی میں عذاب قبر کو فضول گوئی بھی پیدا کرتی ہے۔ لہذا میری حفاظت اسی میں ہے کہ ہم اپنے کو ذکر میں مشغول رکھیں، اگر حالات کھینچ کر گفتگو پر ڈال ہی دیں تو پھر سلیقہ میں دو باتوں کا دھیان رکھنا چاہئے اول یہ کہ گفتگو بلند آواز کے ساتھ نہ کی جائے کہ خواہ مخواہ دوسری ٹولیوں کو اپنی بات بند کر دینی پڑے اور آہستگی کو بھی اس طرز پر نہ لایا جائے کہ کانا پھوسی ہونے لگے۔ یہ دونوں طرز گفتگو اسلامی سلیقہ و شعار کے خلاف ہے۔ دوسری بات یہ کہ مخاطب سے ایسے سوالات نہ کرے جس کے جواب میں اُسے پس و پیش ہو اور جو عام طور پر نازک معاملات ہیں یا فطرتی طور پر جس کا جواب دینے میں انسان جھجکا کرتا ہے۔ نازک معاملات تو وہ ہیں جو موقع محل سیاسی تغیرات کے بنا کسی کے ذہن میں کسی کے خلاف نقشہ و پروگرام کی حیثیت رکھتے ہیں اور جھجک کی بات وہ ہے جس میں مخاطب سبکی محسوس کرتا ہے۔ جیسے "آپ کا مشاہرہ کیا ہے" وغیرہ وغیرہ ہمارے خلیفہ دوئم حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انسان کی جانچ کی ایک کڑی سفر بھی بتائی ہے جس سے ظاہر ہے کہ مسلمان اپنے سلیقہ میں اکرام و خوش خلقی اور ایثار کا پہلو زیادہ اجاگر رکھے۔

شوہر و بیوی کی گفتگو

شوہر و بیوی کا رشتہ نہایت ہی کمزور دھاگے میں باہمی اخلاقیات کے مضبوط بندھن پر بندھا ہوتا ہے۔ یہ ایک ذمہ داری ہے جسے

اسلامی نقطۂ نظر سے شوہر و بیوی دونوں کو نباہنا ہی ہے جب تک کہ خود مذہب جواب نہ دے دے۔ اچھے شوہر و اچھی بیوی ہر ایک کی محنت و قربانی سے بنتے ہیں بنے بنائے نہیں ملتے۔ لہٰذا یہ تصور سراسر جہالت و ناتجربہ کاری و غلط فہمی پر مبنی ہے کہ اچھے ہوتے ہیں اور اچھی بیویاں ہوتی ہیں۔ ایسی پسند محض فضل ربی ہے بلکہ اچھے شوہر اور اچھی بیویاں بنائی جاتی ہیں۔ اب اس بنانے میں جس طرح والدین کو دخل ہے اسی طرح آگے خود شوہر و بیوی کے فن کاریگری کو بھی پورا دخل ہے اور ان میں نمایاں ہاتھ سلیقۂ گفتگو کا ہی ہوتا ہے۔ عورتیں طعن و تشنہ و ناشکری و نامرادی کے الفاظ کثرت سے استعمال کرتی ہیں اور یہ سلیقہ شوہر کو بجائے خوش رکھنے کے ہمیشہ ذہنی اذیت اور دل کنفی میں ڈالتا رہتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث شریف ہے کہ عورتیں محض اپنی عادت کے بنا پر کثرت سے جہنم میں جائنگیں۔ چونکہ مسلمان عورتوں میں علم دین کا فقدان ہے۔ مغربی طریقۂ تعلیم نے ایسا زور پکڑ لیا ہے کہ کسی عورت کو بھی یہ پتہ نہیں کہ صحیح معنوں میں ایک عورت اپنی ذات سے اسلام کے کون سے منشاء و ضرورت کو پورا کرتی ہے۔ نتیجہ ظاہر ہے کہ دنیاوی طرز زندگی کے اثرات بھی دنیاوی ہونگے گفتگو بھی وہی ہونگے اور پھر اعمال بھی ویسے ہی ہونگے۔

اسی طرح مرد بھی اپنے سلیقۂ گفتگو میں وہ انداز نہیں پیدا کر پاتا جو اسلام کا مزاج ہے۔ یا تو وہ اتنا مرغوب ہے کہ بیوی اس کی حاکم و بزرگ کی حیثیت رکھتی ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کی روشنی میں ذلیل نشانیاں ہیں اور قیامت کو قریب لائینگی یا توازن سے نیچے گر اتو پھر اتنا گر جاتا ہے کہ بیوی کے تحت ساری ذمہ داریوں کو فراموش کر ڈالتا ہے اور سلیقۂ گفتگو بھی [illegible] و [illegible] بیرونی نقشہ رکھ کر حقارت و ذلت و اذیت و نکتہ چینی کا رنگ لے لیتا ہے۔ لہٰذا ازدواجی زندگی میں زبان کو قابو میں رکھنا ہر لمحہ ضروری ہے اور جس کیلئے ہر وقت ذہن کو جاگتا ہوا رکھنا پڑیگا۔

اس طرح زندگی میں گفتگو کے ان اصولوں کو باہمی تعلقات میں کم سے کم اتنے انداز و سلیقے کیلئے لحاظ میں رکھے جائیں اور ہٹ دھرمی کو راہ نہ دیا جائے تو پھر انشاء اللہ گفتگو کی نسبت سے حالات نہیں بگڑ پائنگے۔ یہ ساری تعلیم حضور صلی اللہ وسلم کی ہیں اور جسے ان کے فدائیان صحابہؓ نے برت کر اور پورے ماحول کو اپنا تابع بنا کر ہمیں دکھلا دیا ہے۔ اللہ ہمیں اور آپ کو اس بات کی توفیق فرمائے کہ جسم کے اندر یہ تھوڑے سے گوشت کے لتھڑے کی اہمیت کو سمجھیں اور اس کے صحیح استعمال پر اپنے کو اللہ سے راضی کرلیں (آمین)

اپنا مسودہ بھیجتے وقت

۱۔ یہ دیکھ لیجئے کہ آپنے کاغذ کے ایک ہی طرف لکھا ہے؟ کاغذ کے دونوں جانب لکھنے سے مضمون کی اشاعت میں تاخیر ہو جائے گی۔

۲۔ یہ تسلی کر لیجئے کہ مسودے پر آپ کا نام اور مکمل پتہ درج ہے۔ مسودہ پر پورا پتہ نہ ہونیکی صورت میں آپکی تخلیق اشاعت سے محروم رہ جائے گی۔

۳۔ یہ جان لیجئے کہ دفتر میں آپکے مسودہ کی ہر طرح حفاظت کی جاتی ہے۔ لیکن ناگزیر حالات کی بنا پر اگر مسودہ گم ہو جائے، تو دفتر اس کا ذمہ دار نہیں ٹھہرتا۔

(ایڈیٹر)

صحاح ستہ اور اس کے جامعین

(۲)

(از مولوی نصیر احمد — پھلواروی)

تبحر علم اور کمال حفظ

حضرت امام بخاریؒ کے علم و فضل کا شہرہ ہر جگہ ہو چکا تھا اور اتنا زیادہ چرچا ہو گیا تھا کہ ہر جگہ عوام و خواص سبھی ان کے تبحر علمی کے واقعات سن سن کر نادیدہ طور پر بھی متاثر تھے اور ان کی صلاحیت کا لوہا مانتے تھے۔ ایسی حالت میں اس وقت کے دارالحکومت بغداد جہاں کثیر تعداد میں علما و فضلا موجود تھے اور جو علوم کا مرکز تھا۔ اس شہر میں داخل ہونا کوئی معمولی بات نہ تھی۔ امام بخاری کے بغداد آنے کی خبر سے عوام میں مسرت کی لہر دوڑ گئی تھی۔ اور ہر شخص شاداں و خنداں تھا۔ کہ جس کے علم کا افسانہ سنتے تھے آج اس کو ہم دیکھ رہے ہیں۔ لیکن وہاں کے خواص یعنی محدثین کرام میں ایک انتشار سا ہو گیا۔ لہٰذا ان لوگوں نے امام بخاری کو جانچنا چاہا۔

ابو احمد بن عدی حافظ فرماتے ہیں۔ کہ بغداد کے چند مشائخ سے میں نے سنا کہ جب محمد بن اسمٰعیل بخاری بغداد آئے اور ان کے آنے کی خبر یہاں کے محدثین کو ملی۔ تو یہاں کے تمام محدثین نے محمد بن اسمٰعیل بخاری کے حفظ و اتقان اور علم حدیث میں ان کی بصیرت کا امتحان لینا چاہا۔ ان لوگوں نے یہ ترکیب کی کہ ایک سو احادیث شریف کو الٹ پلٹ کر دیا۔ ایک کے اسناد کو دوسرے کے متن میں ملا دیا۔ اور اسی طرح دوسرے کے متن کو اسکے اسناد میں۔ پوری سَو حدیثوں کو اسی طرح بگاڑ دیا۔ اور دس اشخاص میں سے ہر ایک کو دس احادیث دیکر تیار کیا کہ وہ امام بخاری کے پاس جائیں۔ اور یکے بعد دیگرے ہر شخص اپنی اپنی تمام احادیث ان کو سنائے۔ اور ان سے سب کی تصویب چاہے۔ شہر میں ایک جگہ متعین کی گئی۔ اور وہاں تمام لوگ جمع ہوئے جس میں عوام و خواص سبھی تھے۔ ان دس آدمیوں میں سے ایک نے اپنی احادیث امام بخاری کو سنانا شروع کیا۔ ایک حدیث سنایا۔ اسی طرح بگاڑی ہوئی۔ تو امام بخاری نے فرمایا (لا اعرف) یعنی نہیں پہچانتا اس حدیث کو۔ پھر انھوں نے دوسری حدیث سنایا۔ اسکے سننے کے بعد بھی آپ نے فرمایا۔ (لا اعرف) اسی طرح اس نے اپنی تمام حدیثوں کو سنا دیا۔ اور ہر کے جواب میں آپ نے یہی فرمایا۔ (لا اعرف) پھر دوسرے نے سنایا پھر تیسرے نے سنایا۔ یہاں تک کہ ان دسوں نے اپنی تمام حدیثوں کو سنا ڈالا۔ اور ہر کے جواب میں آپ نے یہی فرمایا (لا اعرف)

اب حالت یہ ہوئی کہ وہاں پر جتنے لوگ علم حدیث سے نابلد تھے۔ ان لوگوں کے آپس میں چشمک ہونے لگی اور ان لوگوں نے یہ خیال کیا کہ جو کچھ ہم لوگوں نے سنا تھا اور سمجھا تھا مشاہدہ اسکے خلاف ہوا۔ لیکن جو لوگ اہل علم اور صاحب بصیرت تھے، ان لوگوں نے ایک دوسرے سے کہا۔ فہم الرجل (یعنی یہ مرد ہماری چال سمجھ گیا۔)

جب امام بخاری نے دیکھا کہ اب یہ لوگ فارغ ہو چکے اور اب نہیں سنائیں گے تو آپ نے ان کو مخاطب کیا ۔ جس نے پہلی مرتبہ حدیثیں سنائی تھیں ۔ اور فرمایا کہ پہلی حدیث جس سند کیساتھ تم نے پڑھی ۔ وہ غلط ہے اور صحیح یہ ہے پھر فرمایا کہ وہ حدیث جو دوسری بار تم نے پڑھی تھی ۔ اس سند کیساتھ یہ غلط ہے اور یہ صحیح ہے ۔ اسی طرح آپ نے ان کی دس بگاڑی ہوئی حدیثوں کو دہرایا اور درست کیا ۔ پھر دوسرے کو سنایا پھر تیسرے کو اسی طرح ان تمام اشخاص کی پوری سو حدیثوں کو آپ نے درست فرمایا ۔ اسی سلسلہ سے جس ترتیب کیساتھ سلسلہ سے ان لوگوں نے سنایا تھا ۔ اور سندوں کی غلطی کو درست کر دیا ۔ امام بخاری کی اس تصویب کا کیا اثر پڑا ہوگا ۔ یہ ہر ذی فہم سمجھ سکتا ہے ،

علامہ ابن حجر عسقلانی مقدمہ فتح الباری میں فرماتے ہیں ۔ فاقر الناس لہ بالحفظ واذعنوا لہ بالفضل ابو محمد بن عدی آخر میں فرماتے ہیں ۔ هنا یخضع للبخاری یعنی لوگ ان کے سامنے عاجز رہ گئے اور جھک گئے ۔ شہر بغداد جہاں متکلمین ، ومحدثین ، وفقہا اطراف عالم سے سمٹ کر جمع ہو گئے تھے ۔ اور جہاں دراز سے تشنگان علوم عقلیہ اور مہینوں کی سفر کی تکالیف برداشت کر کے پہنچے تھے ۔ اور سیراب ہوتے تھے وہاں کے مشائخ کا عاجز رہ جانا کوئی معمولی بات نہیں ہے ۔ مسلم بن ابراہیم کہتے ہیں کہ مجھے صرف بغداد میں آٹھ سو اساتذہ محدثین مل گئے تھے جو شیخ کا لقب حاصل کر چکے تھے ۔ اور یہ بھی پہلے گذر چکا ہے کہ امام بخاری نے تحصیل علم کے خاطر کئی بار بغداد کا سفر کیا ہے

پھر علامہ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں ۔ فما العجب من رده الخطا الی الصواب فانہ کان حافظا بل العجب من حفظہ للخطأ علی ترتیب ما القوہ علیہ من مرة واحدة ۔ یعنی امام بخاری نے غلطی کی گرفت کی اور اصلاح کیا تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے چونکہ وہ حافظ الحدیث تھے بلکہ حیرت ان کے کمال حفظ پر ہے کہ انہوں نے ایک ہی بار تمام غلطیاں سنیں اور اسکو محفوظ رکھا پھر اسی وقت اسی ترتیب اور سلسلے کیساتھ درست کیا ۔

امام بخاری کی مدح وثنا محدثین وحفاظ کے زبانی ابو حامد الاعمش احمد بن حمدون القصار راوی ہیں کہ امام مسلم ابن الحجاج قشیری حضرت امام بخاری کے پاس آئے اور ان کی پیشانی کو بوسہ دیا اور فرمایا اے استاذ الاستاذین اے سید المحدثین ، طبیب الحدیث فی علله ، مجھے اجازت دیجئے تاکہ میں آپ کی قدم بوسی کروں ـــ امام ابو عیسیٰ ترمذی نے فرمایا کہ محمد بن اسمٰعیل بخاری عبد اللہ بن منیر کے پاس تھے ـــ یہ امام بخاری کے شیوخ میں سے ہیں متوفی ۲۴۱ھ ۔ جب وہاں سے اٹھے تو عبد اللہ بن منیر نے ان کے لئے دعا کی ـــ کہ اے ، ابو عبد اللہ اللہ تعالیٰ تجھے اس امت کیلئے زینت بنائے ۔ ابو عیسیٰ ترمذی نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس دعا کو محمد بن اسمٰعیل کے حق میں قبول فرمایا ۔

یحییٰ بن جعفر بیکندی فرماتے ہیں کہ اگر میں اسپر قادر ہوتا کہ اپنی عمر میں سے کچھ کم کر کے محمد بن اسمٰعیل کے عمر میں اضافہ کر دوں تو ضرور ایسا کرتا ۔ چونکہ میری موت ایک شخص کی موت ہے ۔ اور محمد بن اسمٰعیل کی موت علم کی موت ہے ، اس میں علم کا فقدان ہے ،

ابو سہل محمود بن نضر فقیہ نے فرمایا کہ میں بصرہ ، شام ، اور حجاز ، کوفہ ، ان تمام جگہ گیا ۔ اور ہر جگہ کے علماء سے ملا ، ان لوگوں میں جب بھی محمد بن اسمٰعیل کا ذکر ہوتا تو وہ سب ان کی بڑائی بیان کرتے ۔ اور اپنے اوپر ان کو فضیلت دیتے ،

قال الحاکم ابو احمد ولو فتحت باب ثناء الائمة علیه ممن تاخر عن عصره لفنی القرطاس ونفدت الانفاس

فلذا کہ بھولے ساحل لئے ۔ حاکم ابو احمد نے کہا کہ منار بخاری کا ، ان کے بعد کے ائمہ نے اتنی کثرت سے کیا ہے کہ اگر اس کو کتابی شکل میں قلمبند کیا جائے۔ تو کاغذ ختم ہو جائیگا ۔ روشنائی ختم ہو جائیگی یہ دریائے ناپید اکنار رہے،

امام بخاری کے اوصاف

امام بخاری کو اپنے والد کے ترکہ سے کثیر مال ملا تھا ۔ آپ اس سے تجارت کرتے تھے ۔ اور زیادہ تر مال مضاربتہ میں لگا دیا تھا ۔ (ایک قسم ہے تجارت کی) اسلئے آپ کسب معاش کی فکر سے مطمئن ہو کر یکسوئی اور لگن کیساتھ علم حدیث کی خدمت میں منہمک رہتے تھے ۔

اور یہ بات پہلے گذر چکی ہے کہ امام بخاری کے والد نے انتقال کے وقت احمد بن حفص سے فرمایا تھا کہ میں اپنے مال سے ایک درہم بھی حرام یا مشتبہ نہیں جانتا ہوں ۔ عن احمد بن حفص یقول دخلت علی اسمعیل والد ابی عبد اللہ عند موتہ فقال لا اعلم من مالی درھما من حرام ولا درھما من مشتبہ ۔ امام بخاری رح کے ساتھ بعض شریک تجارت نے اچھا سلوک نہیں کیا لیکن چونکہ آپ کی ذات جامع صفات حسنہ تھی ۔ اسلئے آپ کسی سے بدلہ لینا پسند نہیں کرتے ۔ وہ آپ کے درپئے آزار کیوں نہ ہو ۔ یہ تو بڑے لوگوں کی خاص صفت ہے ، اسلام کی تاریخ میں یہ چیز بہت نمایاں ہے ۔

ایک مضارب پچیس ہزار درہم لیکر فرار ہو گیا ۔ اور آمل چلا گیا ۔ محمد بن ابی حاتم نے عرض کیا کہ کسی طرح اس سے روپیہ حاصل کیا جائے ۔ آپ نے فرمایا میں اس کو پریشانی میں ڈالنا نہیں چاہتا ۔ پھر وہ آمل سے خوارزم گیا ۔ آپ کے مخلصین نے کہا اب بھی کوئی مشکل نہیں ہے ۔ آپ گورنر کے طرف سے ایک خط حاکم خوارزم کو بھیجئے ۔ امام بخاری نے فرمایا ۔ کہ میں حکومت سے ایک خط کی طمع کرونگا ۔ تو حکومت میرے دین میں طمع کریگی ۔ میں حکومت کا ممنون منت ہونا نہیں چاہتا ۔ نہ اپنا دین دنیا کے عوض بیچنا چاہتا ہوں ۔ لیکن لوگوں نے آپ کو خبر کئے بغیر ایک خط حاکم خوارزم کو لکھوا کر اس قرضدار کو گرفتار کرانا چاہا ۔ جب اسکی خبر آپ کو ہوئی تو آپ کو اس کا ملال ہوا ۔ اور آپ نے محمد بن ابی حاتم سے فرمایا ۔ کہ تم مجھ سے زیادہ خیر خواہ نہ ہو ۔ اسی وقت ایک خط آپ نے کسی شاگرد کے نام خوارزم بھیجا ۔ کہ ہمارے قرضدار سے تعرض نہ کیا جائے ۔ وہ قرضدار خوارزم سے چھوٹا مرو کا قصد کیا ۔ لیکن دوسرے تاجروں سے مڈبھیڑ ہو گئی ۔ اور حکومت کو بھی اس کی خبر ہو گئی ۔ جب حکومت کی طرف سے اس پر سختی ہوئی تو آپ کو اسکا بہت افسوس ہوا ۔ اور بکراہت قرضدار سے یہ مصالحت کی کہ ہر ماہ (پچیس ہزار درہم میں سے) صرف دس درہم دے دیا کرے ۔ محمد بن ابی حاتم وراق لکھتے ہیں کہ آخر اس کا انجام یہ ہوا کہ امام تک اسمیں سے ایک حبہ بھی نہ پہنچ سکا ۔

غنجار نے تاریخ بخاری میں ابو سعید بکر بن منیر سے یہ روایت کی ہے کہ ابو حفص نے محمد بن اسمعیل کے پاس سامان تجارت بھیجا ۔ جب اسکی خبر وہاں کے تاجروں کو پہونچی تو وہ امام بخاری کے پاس اسی روز شام کے وقت جمع ہوئے ۔ اور ان سے یہ درخواست کی کہ ہم لوگوں سے معاملہ کیا جائے ۔ ہم لوگ پانچ ہزار تک منافع دے سکتے ہیں ۔ امام صاحب نے ان لوگوں کو یہ جواب دیا کہ اب رات ہو گئی ہے واپس جایئے اور کل آیئے ۔ دوسرے روز دوسرے تاجر پہونچے ۔ اور ان لوگوں نے یہ اصرار کیا ۔ ہم لوگوں کو دیجئے ہم لوگ دس ہزار درہم تک منافع دینگے ۔ جو اس سے دوگنا ہے ۔ لیکن آپ نے ان سے صاف انکار کر دیا اور فرمایا کہ رات میں نے یہ نیت کر لی ہے کہ انھیں لوگوں کو دونگا ۔ جو پہلے ہمارے پاس آئے تھے میں اپنے ارادے سے خلاف نہیں کرونگا ۔ اور انھیں لوگوں کو دیا جو پہلے آئے تھے ۔

محمد بن ابی حاتم سے روایت ہے کہ امام بخاری نے فرمایا کہ جب سے مجھے یہ معلوم ہوا کہ غیبت حرام ہے، میں نے کسی کی غیبت نہیں کی۔

بکر بن منیر سے روایت ہے کہ امام بخاری نے فرمایا۔ انی لارجوان القی اللہ تعالیٰ ولا یحاسبنی انی اغتبت احداً۔ یعنی میں امید رکھتا ہوں کہ بارگاہ ایزدی میں میری حاضری ہوگی، تو کسی کی غیبت کے متعلق مجھ سے پرسش نہ ہوگی۔ کہ تم نے کسی کی غیبت کی تھی۔

مقسم بن سعید سے روایت ہے کہ امام بخاری رمضان کے مہینہ میں پچھلی رات میں قرآن شریف کی تلاوت فرماتے تھے۔ تین رات میں ایک ختم کرتے تھے۔ اور دن کو روزانہ ایک ختم کرتے تھے۔ افطار کے وقت تک۔ اور ہر ختم کے بعد دعا مانگتے تھے جو قبول کی جاتی تھی۔ ویقول عند کل ختمۃ دعوۃ مستجابۃ

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نماز پڑھ رہے تھے کہ اسی اثنا میں مکھی نے سترہ جگہ کاٹا۔ اس سے اتنی اذیت ہوئی کہ ہر جگہ ورم ہوگیا۔ لیکن امام صاحب ایک طرح نماز میں مشغول رہے، جب فارغ ہوئے تو فرمایا۔ انظروا ای شیئ ھذا الذی آذانی فی صلاتی۔ دیکھو یہ کون چیز ہے۔ جس نے نماز میں مجھکو اذیت پہنچائی۔ جب دیکھا گیا تو وہ مکھی تھی۔ سترہ جگہ ورم ہوگیا تھا۔

باقی آئندہ

گذارش

ازراہ کرم ان امور کا برابر خیال رکھیں

(۱) آپ کا پتہ اگر بدل گیا ہے، تو اپنے نئے پتہ سے ہمارے دفتر کو فوراً مطلع کر دیجئے۔

(۲) خریداری نمبر کا حوالہ دینا نہ بھولئے، تاکہ پتہ تلاش کرنے میں "دفتر" کو دشواری نہ پیش آئے۔

(مینجر)

فلاح دارین

(از جناب مولانا شبنم کمالی، مظفرپوری)

اس بزم گیتی میں ہر وہ انسان جسے معبود حقیقی نے عقل سلیم کی بیش بہا دولت عطا فرمائی ہو اپنی فلاح کا طالب اور اس کے لئے کوشاں نظر آئیگا۔ نوع انسانی کے کچھ افراد ایسے ہیں جن کا مقصود صرف فلاح دنیا ہی ہے اور بس۔ اس سے آگے یا تو انکی عقل کی رسائی ہی نہیں یا جان بوجھ کر عقل کی پرواز کو محدود رکھنا ہی انکا اصول زندگی ہے۔ اور اسی پردہ صابر و قانع نظر آتے ہیں۔ ایسے ہی لوگوں کیلئے ارشاد خداوندی ہے۔

فمن الناس من یقول ربنا اٰتنا فی الدنیا وما لہٗ فی الاٰخرۃ من خلاق

انسان میں کچھ ایسے ہیں جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہمیں دنیا میں سب کچھ دیدے ایسے لوگوں کیلئے آخرت میں کچھ حصہ نہیں۔

ظاہر ہے ایسے لوگ جنہوں نے فلاح دنیا کی طلب ہی پر اپنی زندگی کا دارومدار رکھا ہو صریح نقصان اور واضح خسارہ میں ہیں کیونکہ اصل مقصود تو فلاحِ آخرت ہونا چاہئے اور جب یہ نہیں تو کچھ بھی نہیں۔ اگر عقل انسانی تھوڑی دیر کیلئے اپنی پرواز بلند کرلے اور غور و فکر کی دنیا میں اپنا قدم رکھے تو یہ بات سورج سے زیادہ آشکارا ہو جائیگی کہ فلاح آخرت ہی اصل میں فلاح دنیا ہے۔ کیونکہ الدنیا مزرعۃ الاٰخرۃ دنیا آخرت کی کھیتی ہے۔ اور کھیتی کا جو اناج و ثمرہ ہے اس کے حاصل کرنے کا دن آخرت کا دن ہے۔ اس لئے ہوشمند انسان وہی ہوگا جو دنیا میں رہکر اپنی آخرت کو فراموش نہ کرے اور فلاح دنیا سے زیادہ فلاح آخرت کی فکر کرے۔ یہی وجہ ہے کہ اسی انسانی جماعت میں کچھ ایسے لوگ بھی نظر آئیں گے جنہیں دنیا کی فلاح کے ساتھ ساتھ آخرت کی فلاح بھی مقصود ہے۔ بلکہ وہ آخرت کے طالب نظر آتے ہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

ومنھم من یقول ربنا اٰتنا فی الدنیا حسنۃ وفی الاٰخرۃ حسنۃ وقنا عذاب النار ۝ اولئک لھم نصیب مما کسبوا واللہ سریع الحساب ۝

اور ان میں سے کچھ اسطرح کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہمکو دنیا میں بھلائی دے اور ہمیں آخرت میں بھلائی دے۔ ایسے لوگوں کیلئے ان کی کمائی سے حصہ ہے اور اللہ جلد حساب لینے والا ہے۔

یہ دوسری جماعت جس کا ذکر پروردگار عالم نے قرآن عظیم میں فرمایا مومنین کی جماعت ہے۔ صحیح معنی میں وہی ہے جو یومِ آخرت اور بعث بعد الموت پر ایمان رکھتا ہو ساتھ ہی حیات اخروی کیلئے فلاح کا طالب اور کوشاں ہو۔

ذکر کی ہوئی باتوں سے جب یہ امر واضح ہو چکا کہ بندۂ مومن کا مقصود اصلی حیات دنیاوی میں فلاح آخرت ہے تو اب زیادہ مناسب یہ ہے کہ فلاح کا معنیٰ، اسکی صورت اور حقیقت معلوم ہو جائے۔ لغت میں فلاح کے معنیٰ کامیابی، حالت کی درستگی، بقا اور نجات ہے۔ اصطلاح

شرع میں فلاح اعمال صالحہ اور وسائل نافعہ کے ذریعہ مقصد حیات میں کامیابی حاصل کرنے کو کہتے ہیں۔ فلاح کی دو قسمیں ہیں۔

پہلی صورت یہ ہے کہ انجام کار آخر امر میں سہی نجات و رستگاری نصیب ہو اگرچہ اس کے پہلے عقاب و عذاب کی منزلیں طے ہو چکی ہوں (والعیاذ باللہ منہا) ایسی فلاح کا عقیدہ اہل سنت میں ہر مسلمان کیلئے لازم ہے کیونکہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے من قال لا الٰہ الا اللہ دخل الجنۃ جس نے لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہا وہ جنت میں داخل ہوگا۔

جس بندۂ خدا نے صدق دل سے اللہ کی وحدانیت اور سرکار کی رسالت کا اقرار کیا اگرچہ اسکے اعمال اچھے نہ ہوں اپنے اعمال کی سزا پانے کے بعد جنت میں داخل ہوگا۔ اس فلاح کیلئے کسی شیخ سے بیعت کی حاجت نہیں بلکہ اسکے لئے صرف اپنے نبی کو مرشد جاننا ہی کافی ہے۔

حضرت امام بخاری اور امام مسلم کی روایت جو حشر میں سرکار دو عالم کی شفاعت کے متعلق ہے اس سے ثابت ہے کہ ہر کلمہ پڑھنے والا حضور سراپا نور کے تیسرے سجدہ میں نجات پائے گا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہوگا ——— یا محمد ارفع راسک وقل تسمع وسل تعطہ واشفع تشفع ——— (اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے سر کو اٹھاؤ کہو سنا جائیگا۔ مانگو دیا جائیگا۔ شفاعت کرو قبول کی جائے گی) ——— چوتھے سجدہ میں حضور ان موحدین کیلئے شفاعت فرمائیں گے جنکو کسی نبی کی رسالت کا پیغام نہیں پہونچا اور وہ خدا کو ایک مانتے رہے اس سجدہ کے وقت اللہ تعالیٰ فرمائے گا یہ کام تو میرا ہے۔ اس سے مجھے کوئی واسطہ نہیں۔ پھر وہ اپنی عزت و جلال اور عظمت و کبریائی کی قسم کھائے گا کہ میں ہر موحد کو جہنم سے نکال لونگا اس سے ثابت ہے کہ موحدین (خدا کو ایک ماننے والے) کیلئے بھی انجام کار رستگاری ضرور ہوگی۔ امام احمد۔ ابوداؤد ترمذی وغیرہم نے حضرت جابر بن عبداللہ سے یہ حدیث روایت کی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

شفاعتی لاھل الکبائر من امتی — میری شفاعت میری امت کے کبیرہ گناہوں والے کیلئے ہے

اسی فلاح کی مزید تائید کیلئے اس حدیث پر غور کیجئے جسکو امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ ہی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

شفاعتی لمن شھد ان لا الٰہ الا اللہ مخلصا
وان محمدا رسول اللہ یصدق لسانہ قلبہ
وقلبہ لسانہ

میری شفاعت اس کے لئے ہے جو خلوص کے ساتھ گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بے شک محمد اللہ کے رسول ہیں اسکی زبان اسکے دل کی تصدیق کرے اور اس کا دل اسکی زبان کی تصدیق کرے۔

حدیث مذکورہ میں سرکار کا وعدہ شفاعت شہادت کے دونوں کلموں کا اقرار اور یقین کرنے والوں کے لئے صاف ظاہر ہے یہاں اعمال کی کوئی قید نہیں حضور کی شفاعت کا انجام آخر پہلی حدیث سے واضح ہے کہ نجات اور چھٹکارا ہے۔ یہی وہ فلاح ہے جو آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں ہونے کے صدقے امت کے ہر فرد کو حاصل ہوگی اور اس پر ہر اہل سنت مسلمان کا بنیادی عقیدہ ہے لیکن ہر مسلمان کا مقصود اور مطلوب فلاح کی دوسری قسم ہے۔ فلاح کی دوسری صورت یہ ہے کہ عقاب و عذاب کی کسی بھی منزل سے گذرے بغیر جنت میں داخلہ ہو اور یہی فلاح اصل مقصود اور مطلوب محمود ہے۔ اسکے بھی دو طریقے اور دو پہلو ہیں پہلا طریقہ وثوق اور یقین کا ہے دوسرا طریقہ امید کا ہے۔

پہلا طریقہ جس میں سبقت عذاب کے بغیر دخول جنت کا یقین ہو اسکے متعلق اہل سنت و جماعت کا مذہب یہ ہے کہ یہ محض اللہ تعالیٰ

کی مشیت پر موقوف ہے جسے چاہے ایسی فلاح عطا فرمائے۔ اگر کوئی مسلمان لاکھوں گناہ کبیرہ کا مرتکب ہو لیکن خدا چاہے تو اپنے فضل سے کسی مواخذہ و عذاب کے بغیر اسے جنت میں داخل کر دے۔ اگر کوئی مسلمان اپنے دفتر اعمال میں لاکھوں نیکیاں رکھتا ہو لیکن رب تعالیٰ چاہے تو ایک گناہ صغیرہ پر گرفت کر کے اپنے عدل سے اسے جہنم میں داخل کر دے۔ ایک طرف فضل ہے اور دوسری جانب عدل ہے۔ یغفر لمن یشاء و یعذب من یشاء۔

امام احمد بن حنبل نے اپنے مسند میں صحیح کے ساتھ اور طبرانی نے معجم کبیر میں سند جید کے ساتھ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے اس حدیث کی روایت کی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

"مجھے میرے رب نے فرمایا تمکو اختیار ہے چاہے شفاعت لے لو چاہے یہ کہ تمہاری آدھی امت عذاب کے بغیر جنت میں داخل ہو۔ میں نے شفاعت کو اختیار کیا کہ وہ زیادہ عام اور زیادہ کافی ہے۔ کیا تم لوگ اسے پاکیزہ مومنوں کیلئے سمجھتے ہو۔ نہیں بلکہ وہ گناہ گاروں آلودہ معذ گاروں اور بخت خطا کاروں کے لئے ہے"۔ (ترجمہ)

گناہ گاروں، سیہ کاروں، معصیت معیشوں کے لئے سرکار دو عالم کی شفاعت ثابت ہے اور یہ امر بھی ہر قلب مومن پر واضح ہے کہ سرکار کی شفاعت کا آخری نتیجہ نار جہنم سے خلاصی و نجات ہے۔ گویا سطرح عصیاں شعاروں کیلئے بھی آخر امر میں فلاح حاصل ہو کر رہے گا۔

دوسرا طریقہ امید کا ہے اسکی صورت یہ ہے کہ انسان کے اعمال و افعال ایسے ہوں کہ اگر انہیں پر خاتمہ ہو تو کرم الٰہی سے اسے امید کامل ہو کہ وہ کسی عذاب کے بغیر جنت میں داخل ہو گا یہی وہ فلاح ہے جسکی تلاش و جستجو ہر بندۂ مومن پر لازم ہے اور اسی کا خالق کائنات کی طرف سے حکم بھی ہے جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے۔

سابقوا الی مغفرۃ من ربکم و جنۃ عرضھا کعرض السماء والارض — جلدی کرو اپنے رب کی مغفرت اور اس جنت کی طرف جس کی چوڑائی آسمان اور زمین کے پھیلاؤ کے مثل ہے۔

کسب انسانی کا تعلق اسی قسم کا ساتھ ہے۔ ہر مرد مومن اعمال صالحہ کی طرف اسی امید کے ساتھ قدم بڑھاتا ہے کہ مولیٰ تعالیٰ عزوجل اپنے کرم خاص سے اسکے عملوں کو قبول فرمائیگا اور اپنی بے پایاں نعمتوں والی جنت میں داخل فرمائے گا پھر اس فلاح کی بھی دو قسمیں ہیں۔ فلاح ظاہر۔ فلاح باطن۔

فلاح ظاہر کا مطلب یہ ہے کہ جسم و قلب دونوں پر جسقدر احکام الٰہیہ صادر ہوئے سب کو بجا لائے اور کسی گناہ کبیرہ کا ارتکاب نہ کرے اور نہ کسی گناہ صغیرہ پر مصر رہے اسی کا دوسرا نام فلاح تقویٰ ہے۔ کیونکہ اسکی وجہ سے آدمی سچا متقی اور پرہیزگار بن جاتا ہے۔ اس کو فلاح ظاہر اس وجہ سے کہا گیا کہ اس میں جو کچھ کرنا یا نہ کرنا ہے اسکے احکام ظاہر اور واضح ہو چکے ہیں ارشاد ربانی ہے۔ قد تبین الرشد من الغی ___ بھلائی گمراہی سے ظاہر ہو چکی یعنی احکام خدا اور فرمان رسالت مآب کے ذریعہ ہر انسان پر یہ بات بخوبی آشکارا ہو چکی کہ ہدایت کیا ہے۔ ضلالت کیا ہے۔ نیکی کیا ہے اور بدی کیا ہے۔ اب وہ رشد و ہدایت کی باتوں پر عمل کر کے اپنے مقام کا تعین کرے۔

فلاح باطن یہ ہے کہ قلب و قالب دونوں رذائل و معائب سے خالی ہوں اور فضائل و کمالات سے آراستہ ہوں فلاح ظاہر میں

انسان اعمال و کردار کے ذریعہ اپنے کو شرک جلی سے دور رکھتا ہے اور فلاح باطن میں تمام شرک خفی کو بھی انسان اپنے دل سے دور کرنے کی سعی کرتا ہے۔ اور فلاح باطن کا اعلیٰ مقام یہ ہے کہ قلب انسانی لا مقصود الا اللہ، لا مشہود الا اللہ، لا موجود الا اللہ کا مرکز خاص ہو۔ ۱؎ اللہ کے سوا کوئی مقصود نہ ہو دل ارادۂ غیر سے خالی ہو۔ ۲؎ اللہ کے علاوہ کوئی پیش نظر نہو غیر نظر سے بالکل معدوم ہو۔ ۳؎ اللہ تعالیٰ کے ماسوا کا قلب میں کہیں وجود بھی نہو حق تعالیٰ حقیقت میں اس طرح جلوہ فرما ہو کہ وجود خاص اسی کیلئے ہو اسی کا نام فلاح انسان ہے۔

فلاح تقویٰ میں عذاب سے دوری اور جنت کا آرام پیش نظر ہوتا ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

فمن زحزح عن النار وادخل الجنة فقد فاز۔ — جو شخص دوزخ سے دور کیا گیا اور جنت میں داخل کیا گیا بے شک وہ کامیاب ہو گیا۔

فلاح احسان کا مرتبہ فلاح تقویٰ سے ارفع و اعظم ہے کہ یہاں کوئی بھی کسی قسم کا اندیشہ اور رنج قلب کے پاس نہیں آنے پاتا جیسا کہ ارشاد الٰہی ہے

الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون — آگاہ ہو جاؤ بے شک اللہ کے دوستوں کو نہ مستقبل کا خوف ہے اور نہ انہیں ماضی کا کوئی غم۔ خوف و حزن کا یہاں کوئی شائبہ بھی نہیں ہوتا۔ فلاح تقویٰ یعنی فلاح ظاہر کے محض حصول کیلئے مرشد عام کی ضرورت ہے اور فلاح احسان یعنی فلاح باطن کیلئے مرشد عام کے ساتھ ساتھ مرشد خاص کی بھی حاجت ہے ان دو مرشدوں سے جدا ہو کر فلاح کی صورت کبھی نظر نہیں آسکتی۔

مرشد عام ۔ راستہ دکھانیوالی ہدایت کرنیوالی عام چیزیں چار ہیں۔

کلام اللہ۔ احادیث کریمہ۔ ائمہ شریعت و طریقت کے کلام۔ صاحب رشد و ہدایت علمائے دین کے کلام۔ ان چاروں میں بھی ترتیب لازمی طور سے ہے وہ اسطرح کہ علمائے دین کے کلام عوام کے لیے ہادی و رہنما ہیں۔ علمائے کرام کیلئے شریعت و طریقت کے اماموں کے کلام رہنما و ہادی ہیں۔ ائمہ شریعت و طریقت کیلئے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس فرامین ہادی و رہنما ہیں اور خود سرکار ابد قرار کیلئے رہنما خالق کائنات کا مقدس کلام ہے اس ترتیب کی اہمیت و افادیت سے کسی بھی صاحب علم اور اہل خرد کو انکار نہیں ہو سکتا کیونکہ اس ترتیب و تنظیم سے علیحدگی ہی لامحدود فتنوں اور بے انتہا گمراہیوں کا سبب بنتی ہے ۔ فاعتبروا یا اولی الابصار ۔ خواہ وہ فلاح ظاہر ہو یا فلاح باطن دونوں کیلئے اس مرشد عام کی حاجت ہر حال میں لازم ہے کیونکہ جو بھی اس سے جدا ہوگا بے شبہ وہ کافر ہے یا گمراہ پھر اس کی عبادت برباد اور تباہ نہ ہوگی تو کیا ہوگا؟

مرشد خاص ۔ اس سے مراد یہ ہے کہ بندہ کسی ایسے عالم، سنی، صحیح العقیدہ کے ہاتھ میں ہاتھ دے جو صحیح الاعمال ہو اور بیعت کی شرطوں کا جامع ہو اسی مرشد خاص کو پیر یا شیخ کہتے ہیں۔ فلاح احسان کیلئے اسی مرشد خاص کی حاجت ہے۔ فلاح تقویٰ کیلئے بھی اگر مرشد خاص کا انتخاب کیا جائے تو یہ بات محمود اور مسعود ہوگی اور اسکے فوائد بے شمار اور لا محدود ہیں لیکن جہاں تک صرف فلاح تقویٰ کا سوال ہے وہ مرشد خاص کے بغیر بھی حاصل ہو سکتی ہے۔

فلاح تقویٰ کے احکام واضح ہیں آدمی اپنے علم سے یا علماء سے پوچھ کر متقی بن سکتا ہے۔ اعمال قلب میں اگرچہ بعض باریکیاں ہیں لیکن

وہ محدود نہیں ائمہ دین مثلاً امام ابوطالب مکی اور امام حجۃ الاسلام غزالی کی کتابوں میں اس کی تشریح کر دی گئی ہے اسلئے بیعتِ خاص کے بغیر بھی اس کی راہ کشادہ ہے اور اسکا دروازہ کھلا ہوا ہے ـــــ خالق کائنات اللہ عزوجل کے اس ارشاد پر غور کیجئے ۔

ان تجتنبوا كبائر ما تنهون عنه نكفر عنكم سيئاتكم وندخلكم مدخلا كريما ۔ — اگر تم کبیرہ گناہوں سے بچے جس سے تم روکے گئے تو ہم تمہاری برائیاں مٹا دینگے اور ہم تمہیں عزت والے مکان میں داخل کرینگے

اس آیت کریمہ سے ظاہر ہے کہ گناہ کبیرہ سے بچنا جس سے منع کیا گیا ہے دخول جنت کا سبب ہے دوسری آیت کریمہ میں اہل تقویٰ اور اہل احسان دونوں کیلئے رب تعالیٰ نے اپنی معیت اور صاحبیت کا وعدہ فرمایا ہے جیسا کہ ارشاد باری ہے۔

إن الله مع الذين اتقوا والذين هم محسنون — بے شک اللہ متقیوں کے ساتھ اور انکے ساتھ ہے جو اہل احسان ہیں

بے شک یہ اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا فضل ہے اس سے بڑھ کر فلاح بھلا کیا ہو سکتا ہے کہ خود خالق کائنات اہل تقویٰ اور اہل احسان کے ساتھ ہو۔

تقویٰ ہر مسلمان پر عام طور سے فرض عین ہے۔ فلاح تقویٰ کیلئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے کافی وعدہ موجود ہے۔ جو بندہ مسلمان متقی ہوگا وہ عذاب جہنم سے نجات پائے گا۔ فلاح احسان یعنی راہ ولایت پر چلنا اعلیٰ درجہ کا مطلوب و محبوب ہے۔ مگر یہ تقویٰ کی طرح فرض نہیں ہے اس لئے کہ ہر دور میں صرف ایک لاکھ چوبیس ہزار اولیاء ہوئے ہیں باقی کروڑوں مسلمان اور ہزاروں علماء و صلحاء ہوئے ہیں اگر فلاح احسان بھی فرض عین ہوتا تو ایسے صورت میں اولیاء کے علاوہ سبھی مسلمان کا فاسق ہونا لازم آتا۔ اولیاء کرام نے بھی کبھی فلاح احسان کی طرف دعوت عام نہیں دی بلکہ لاکھوں میں سے کچھ لوگ کو اس راہ پر چلایا بلکہ ایسا بھی ہوا کہ اس راہ کے طالبوں میں سے جن لوگوں کو اس بوجھ کے اٹھانے کا اہل نہ پایا اسے واپس فرما دیا اگر یہ فرض ہوتا تو پھر فرض سے واپس کرنا کس طرح ممکن ہوتا۔ بہرکیف مرشد خاص کی حاجت اور بیعت ارادت کی ضرورت فلاح احسان کیلئے ہر حال میں ہے کیونکہ اسکے بغیر منزل مراد کو پالینا کبھی ممکن نہیں ہو سکتا۔ قرآن کریم کی ایک مقدس آیت ہے۔

يا ايها الذين امنوا اتقوا الله وابتغوا اليه الوسيلة وجاهدوا في سبيله لعلكم تفلحون ۔ — اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور اس کی طرف وسیلہ تلاش کرو اور اسکی راہ میں جان لڑاؤ اس امید پر کہ تم فلاح پالوگے۔

اس آیت کریمہ میں فلاح احسان کی طرف دعوت دی گئی ہے جس کیلئے تقویٰ شرط اولین ہے۔ اس لئے رب تعالیٰ نے اہل ایمان کو مخاطب کرتے ہوئے سب سے پہلے فرمایا اتقوا اللہ۔ اللہ سے ڈرو تقویٰ اختیار کرو پھر تقویٰ پر قائم ہو کر راہ احسان میں قدم رکھنا چونکہ عادتاً شیخ کے وسیلے کے بغیر ناممکن ہے۔ اس لئے دوسرے درجہ میں تلاش مرشد کو سلوک راہ پر مقدم فرمایا کہ وابتغوا الیہ الوسیلۃ اللہ کی طرف وسیلہ تلاش کرو۔ اسلئے کہ قاعدہ یہی ہے کہ الرفیق ثم الطریق ۔ پہلے دوست تب راستہ۔ اب جبکہ سامان مہیا ہو چکا تو اصل مقصود کا حکم دیا کہ اسکی راہ میں مجاہدہ کرو جسکا نتیجہ آخر میں یہ ہوگا کہ لعلکم تفلحون۔ تاکہ تم فلاح احسان کو پالو۔

اس آیت کریمہ سے بخوبی ظاہر ہوگیا کہ فلاح احسان وسیلہ پر موقوف ہے اور وہ وسیلہ مرشد خاص ہے۔ اس لئے مرشد خاص سے بیعت ارادت کے بغیر فلاح احسان کا حصول عادتاً ممکن نہیں بلکہ فلاح تقویٰ پر صحیح طریقہ سے فائز ہونے اور راہ کی دشواریوں کو بہ آسانی طے کرنے کے لئے مرشد خاص سے تعلق بے حد نافع اور انتہائی مفید ہے ۔ ...

پٹنہ ـ عظیم و قدیم

(جناب سلطان احمد ـ سابق مدیر "اتحاد" پٹنہ)

(۱)

اس شہر کی کہانی بھولی بسری بہت پرانی ہے ـ آزادی و خوشحالی کے کتنے دور گزرے، وقت کے ساتھ ساتھ اس کے نام بھی بدلتے رہے ـ کسم پور پھولوں کی کیاری تھی ـ پشپا پور آبادی کا خطہ، جو بڑھتے بڑھتے پاٹلی پتر بنا اور مگدھ کی راجدھانی ہوا ـ قصہ طویل، حکایت بوجھل ـ مختصر یہ کہ موجودہ شہر کو شیر شاہ نے بسایا ـ گنگا کے کنارے پشتہ لگایا، شہر کو مضبوط بنایا ـ پھر مغل حکمرانوں شہزادہ عظیم شاہ نے اس کو از سر نو آباد کیا ـ نئے نئے محلے بسائے ـ یہاں کے دار الحکومت کی مثال قائم کی ـ دلی کی جھلک دکھلائی ـ قلعہ کے متصل ارکان دولت رہتے تھے ـ اس کا نام کیوان شکوہ رکھا ـ مغل پورہ، لودی کٹرہ، صدر گلی، خواجہ کلاں، دیوان اور بخشی محلے اب تک موجود ہیں ـ غریبوں اور مسافروں کے لئے خیراتی مکان و مسافر خانے الگ الگ آباد تھے ـ کٹرے اور بازاروں کی رونق دن دونی اور رات چوگنی تھی ـ امن و سلامتی کے دن تھے اور خلوص و محبت کی بہاریں ـ یہ ایک بہادر قوم کی زندہ دلی تھی کہ اس نے شہر کو "پٹنہ صاحب" کا لقب دیا ـ عربی زبان کا یہ لفظ دلوں کو ایسا بھایا کہ پوری قوم اپنی مقدس کتاب اور متبرک شہروں کو صاحب کہکر پکارنے لگی ـ اگرچہ یہ لقب عوام کا زبان زد نہ ہو سکا، لیکن گرو گوبند سنگھ کے حلقہ بگوشوں میں ایسا مقبول ہوا کہ اب بھی ان کی صحبتوں میں بولا اور مراسلوں میں لکھا جاتا ہے ؛

> "تاریخی اعتبار سے چھٹی صدی کا زمانہ ہندوستان کی سیاسی زندگی کا انقلابی دور تھا ـ جو ہندوستان کی ارتقائی تاریخ کا ایک اہم باشان جزو بن گیا ـ یعنی صرف نصف صدی کے عرصہ میں ہندوستان کی ۱۶ ریاستیں مٹ مٹا کر چار بڑی سلطنتوں میں منتقل ہو گئیں اور شاہان سیسو ناگ اور نندا نے ریاست مگدھ کو فروغ دے کر شہنشاہی کے درجہ تک پہنچا دیا ـ"
>
> (تاریخ ہند قدیم مصنفہ پانکر)

ان چار بڑے حکمرانوں کی تاریخ، ایک ناٹک کی شکل میں اب تک محفوظ ہے ـ سنسکرت زبان کی ناٹکوں میں یہ ایک قدیم ترین ناٹک ہے جس میں اودھیانہ کو ہمعصر حکمرانوں کا ہیرو بنایا گیا ہے ـ اودھیانہ کے بادشاہ ہونے کی تصدیق ارتھ شاستر سے بھی ہوتی ہے ـ جو اس عہد کے سیاسی حالات کی ایک عجیب و غریب کتاب ہے ـ اس روایت میں کوئی اختلاف نہیں کہ قدیم آبادی جو آگے چل کر پاٹلی پتر مشہور ہوئی ـ اس مگدھ دیش کے راجہ پاٹلی نے بسائی تھی ـ البتہ اس کے دار الحکومت مقرر ہونے میں کسی قدر تامل کیا جا سکتا ہے ـ کیونکہ اس وقت مگدھ کی حکومت اور لکاولی قبائل میں سخت تصادم تھا اور ویشالی کے خلاف اقدام جاری تھے ـ کہتے ہیں اس نئی شورش کا بانی آجات شترو تھا ـ اس نے باپ کو فاقوں سے مار کر تخت

حاصل کیا اور لکاوی کو شکست دے کر ان کا حصہ ملک بھی اپنی حکومت میں شامل کر لیا۔ جب راجہ چندر گپت تخت نشین ہوا، تو اس شہر کی شان و شوکت اور زیادہ بڑھی۔ ابتدا میں چندر گپت ایک غیر معروف شخص تھا اس کے خاندان کی اصلیت بھی نہیں معلوم۔ اس نے چانکیہ نامی برہمن وزیر کی سازشوں سے نند راجہ کو قتل کرا دیا اور خود حکمراں بن بیٹھا۔ یہ سانحہ کسی قدر سخت و سنگین ہو، لیکن اسی کے بعد ہندوستان کی عظمتوں کا ایک نیا دور شروع ہوا۔ اس ملک میں پہلی مرتبہ ایک مضبوط و معظم حکومت قائم ہوئی جس کا مرکز یہی شہر پاٹلی پتر تھا۔ جس کے جاہ و جلال سے ملکی دیگر ملکی دونوں متاثر ہوئے۔ یونانی تو الٹے پاؤں اپنے وطن کو بھاگے اور سیلوکس نے میگستھنیز کو اپنا سفیر بنا کر بھیجا۔ وہ پاٹلی پتر میں برسوں مقیم رہا۔ یہاں کے متعلق اس کے بیانات بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔ ان سے قطع نظر خود چانکیہ کی مشہور کتاب ارتھ شاستر سے اس زمانہ کی پوری تصویر سامنے آجاتی ہے۔ چنانچہ اس شہر کے نظم و نسق کی وضاحت کرتے ہوئے اس کا مصنف لکھتا ہے:۔

"پاٹلی پتر کے انتظامات کے لئے پانچ پانچ ارکان کی چھ مجلسیں مقرر تھیں۔ پہلی مجلس کو صنعت و حرفت کی نگرانی، دوسری کو پردیسیوں اور مسافروں کی خبرگیری، تیسری کو پیدائش و موت اور ٹیکسوں کی وصولی، چوتھی کو شہر کے اندرونی اور بیرونی معاملات کی رہبری۔ پانچویں کو مالوں کی خریداری و نکاسی اور چھٹویں کو جملہ امور کی دیکھ بھاری اور انجام دہی سپرد تھی۔"

مذکورہ بالا اقتباس سے پتہ چلتا ہے کہ اس وقت پاٹلی پتر کی شہریت کتنی ترقی یافتہ تھی اور اس کے باشندوں کی متعلقہ ضرورتوں کو کن سہولتوں کے ساتھ پورا کیا جاتا تھا۔ شہری انتظام کا یہ دستور العمل صدیوں بعد کی میونسپل کمیٹیوں سے کسی طرح کم نہ تھا جبکہ خدمت خلق کے جذبے سے جہاں انسانی ہمدردیوں میں ہسپتال اور صحت گاہیں کھولی گئیں، وہاں شاید دنیا میں پہلی مرتبہ جانوروں کے شفا خانے بھی قائم کئے گئے۔ اس طرح درمیان کے سلسلہ میں نالندہ کی تعلیمات کا پرچم لہرایا۔ جس کے گرد و نواح کردور دراز ملکوں سے بڑی تعداد میں طلباء جمع ہوئے۔ اس کی شہرت ساری دنیا میں پھیلی۔ پھر باہمی رقابت اور نفاق کی تباہ کاریاں دیکھو۔ بنگالہ کے برہمن راجہ سسانکہ نے مگدھ پر چڑھائی کی اور پاٹلی پتر کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔ اس نے بودھ دھرم کی مشہور خانقاہ اور نالندہ کی درسگاہ کو تباہ و برباد کر ڈالا۔ یہ راجہ بودھ مذہب کا سخت مخالف تھا۔ شہر کی جس عمارت میں مہاتما بودھ کے قدم کا نشان تھا۔ اس کو بھی مٹا کر خراب و خستہ کر دیا گیا۔ ۶۲۳ء کے لگ بھگ چینی سیاح ہیوان چوانگ پاٹلی پتر آیا تھا۔ وہ اس سرزمین کے متعلق کہتا ہے:۔

"مگدھ کی سرزمین پست و مرطوب ہے۔ قصبات بلندیوں پر واقع ہیں، جن میں کثیر آبادی رہتی ہے۔ زمین زرخیز ہے۔ پیداوار خوب ہوتی ہے۔ گرمیوں سے قبل نصف خزاں تک میدانوں میں پانی بھرا رہتا ہے۔ آب و ہوا گرم ہے۔ یہاں کے باشندے نیک چلن ہیں۔ لوگ علم کی قدر اور بودھ کی عظمت کرتے ہیں۔"

اب قدامت کا تذکرہ کتابوں میں ہے۔ یا اس کے آثار کھنڈر کے ویرانوں میں۔ عمارتوں کے بام و در زمین کے برابر ہو گئے۔ نشیب و فراز کی علامتیں کہیں کہیں نظر آجاتی ہیں۔ جن سے پرانی بستیوں کا نشان ملتا ہے۔ قرائن سے ظاہر ہوتا ہے کہ موریہ کا محل بھی اسی کے متصل واقع ہوگا۔ جو زمین میں دھنس چکا ہے۔ اشوک کا بنایا ہوا وہ "موت کا منہ" جس میں مجرموں کو زندہ گرا دیا جاتا تھا" اگم کنواں" کے نام سے مشہور ہے۔ اس زمانہ میں جرائم کی سزائیں سخت تھیں۔ معمولی مجرم کو جرمانے دیکر چھٹکارا ہو جاتا تھا۔ لیکن بڑے بڑے جرموں، شدید قسم کی چوریوں اور سرکاری افسروں

کے سامنے جھوٹ بولنے پر سخت سزائیں دی جاتیں اور جسم کے اعضاء تک کاٹ لیے جاتے۔ سرکاری خلاف ورزیوں پر وقت کی بھی سزا ہوتی اور ... سے اقرار جرم کے لئے سخت اذیتوں سے کام لیا جاتا۔ مہاراجہ کھنڈ کے ویرانے میں ایک نادر نشانات ان ملتا ہے۔ جس کے گرد نواح ... شہر آباد تھا۔ موجودہ شہر کا تعلق عہد وسطیٰ سے ہے جو گنگا کے کنارے پچھم سے پورب پھیلتا ہوا ہے۔ دریا کی فرصت اس کی روانی میں ... کا رنگ ہے۔ دریا کے بہاؤ پر آبادی کی صورتیں گھٹتی بڑھتی رہتی ہیں۔ کبھی کبھی سیلاب کا زور پوری آبادی کے لیے خطرہ بن جاتا ہے ... دنوں شیر شاہ بنگالہ کی فتوحات میں مصروف تھا۔ اس کی یلغاروں کا ایک رخ ادھر سے گذرتا ہوا مونگیر کی طرف نکلا۔ وہ خود دریا کے کنارے کھڑا تھا۔ گنگا قدموں میں تھی۔ فوج ظفر موج ہمراہ و ہمقدم تھی۔ دریا، برداری ایسی کہ حکم ہو تو دریا میں کود پڑے۔ پل بن جائے اور راستہ نکالے۔ بھلا مہم کے نازک مرحلے میں کسی شہر کی تعمیر کا خیال ہی کیوں آتا۔ مگر ملک کے اس معمار کے سامنے جنگی ضرورتوں کے علاوہ شہر کی حفاظت و ترقی کا ایک نقشہ بھی ذہن میں آیا۔ اپنے حکم برداروں سے ارشاد فرمایا۔ کہا:-

”اگر اس موقع پر ایک ایسا قلعہ نما پشتہ لگا دیا جائے جو دریا کے بہاؤ پر قابو رکھے، تو آبادی بھی محفوظ ہو جائے اور یہ شہر ملک کا ایک اہم مرکز بن جائے۔“

چنانچہ ۱۵۴۱ء میں یہ قلعہ تیار ہو گیا۔ اب پٹنہ بہار کا سب سے بڑا شہر تھا۔ اور نئی خود مختار ریاست کا مرکز۔ بہار اور اس کا دار الحکومت —— ماضی و حال، کے عنوان سے ایک تاریخی مقالہ ڈاکٹر سید احمد اللہ سنہا نے مرتب یادگار جشن جوبلی پٹنہ یونیورسٹی میں شائع کیا ہے جس میں موجودہ شہر کا بانی شیر شاہ کو قرار دیا گیا ہے۔ اگرچہ وہ نور کا ایک تڑکا تھا جس سے کرن پھوٹی، تاریکی دور ہوئی اور اجالا پھیلا۔ لیکن ہند کی عظمتوں کا آفتاب، ابھی شاہان مغلیہ کے نصف النہار تک پہنچنے کا منتظر تھا۔ تاکہ اکبر کا اقبال طلوع ہو۔ جہانگیر کا عدل و انصاف ظہور میں آئے۔ شاہجہاں کا حسن تعمیر جلوہ گر اور عالمگیر کی خسروی اور فرماں روائی کا عہد، مملکت کی وسعتوں اور رونق کی کہانیوں کا نقطۂ عروج بن جائے۔ غرض آبادیوں و خوشحالیوں کے اسی ماحول میں عالمگیر کے پوتے شہزادہ عظیم الشان نے اس شہر کی آرائش، بلدہ کی رہائش اور ان کی جملہ خصوصیتوں کو اس حسن و خوبی کے ساتھ مہیا و آراستہ کیا کہ عظیم آباد کی دھوم عالم میں مچ گئی۔ ہر طرف سے اہل علم و فن یہاں سمٹ کر پہنچے۔ ملکی و غیر ملکی سبھی آموجود ہوئے۔ تجارت کی بڑی بڑی منڈیاں کھلیں۔ سوداگروں کا ہجوم ہوا۔ فرنگی، پرتگالی، ولندیزی، درآمدی برآمدی کاروبار میں لگے۔ عربوں کے تانتے بندھے۔ ایرانیوں کے میلے جمے۔ روشن دماغ علی حزیں ایسا مفتوں ہوا کہ اس شہر میں برسوں مقیم رہا۔ بیدل، راسخ اور وحشت جیسے بلند پایہ شعراء اسی خاک کے ذروں سے اٹھے اور ستارے بن کر چمکے۔ سیر المتاخرین کے مصنف غلام حسین اس کے نوحہ خواں ہیں اور غیر ملکی فرانسیسی بکانن رجز خواں کہتے ہیں —— ”یہ شہر علماء عظام کا مرجع تھا۔ یہاں علوم مشرقیہ کے ماہرین کی بڑی کثرت تھی۔“

مضمون نگاروں سے :- ناقابل اشاعت مضامین صرف اس وقت صاحب مضمون کو واپس بھیجے جائیں گے جبکہ اس کے ساتھ واپسی ٹکٹ بھی موجود ہو۔ بصورت دیگر انہیں ضائع کر دیا جائے گا۔ ”ایڈیٹر“

مسائل و فتاویٰ

سوالات

۱۔ عاشورا محرم کے روزے کا کیا حکم ہے۔ کیا یہ روزہ مسنون ہے؟ اور کس طرح رکھا جائے؟

۲۔ محرم بالخصوص عشرہ کے اندر جو مراسم کئے جاتے ہیں وہ کہاں تک صحیح ہیں؟

۳۔ کیا عاشورا کے روز اپنے اہل و عیال پر کھانے وغیرہ میں وسعت کرنے کی کوئی فضیلت ثابت ہے۔ اگر ایسا ہے تو بحوالہ کتاب بیان فرمائیے

الجواب

۱۔ احادیث نبویہ سے ثابت ہے کہ رمضان شریف کے روزے کی فرضیت سے پہلے عاشورا کا روزہ واجب تھا۔ لیکن صوم رمضان کی فرضیت کے بعد... عاشورا کے روزے کے وجوب کا حکم ختم ہوگیا۔ اور اب یہ روزہ مستحب (مسنون) ہے۔ مسلم شریف کی حدیث ہے۔ عن جابر بن سمرة قال كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يأمر بصيام يوم عاشوراء ويحثنا عليه ويتعاهدنا عنده فلما فرض رمضان لم يأمرنا ولم ينهانا ولم يتعاهدنا عنده (رواہ مسلم)

در اصل ثابت صوم عاشورا ہے۔ چونکہ بعض وجوہ سے صرف ۱۰ محرم کو روزہ رکھنا مکروہ قرار دیا گیا اسلئے ۹ اور ۱۰ محرم کو دو روز روزے رکھے جائیں یا ایک روز بعد میں یعنی ۱۰ اور ۱۱ محرم کو روزہ رکھا جائے۔ اسکا ثبوت بھی حدیث سے ملتا ہے، چنانچہ مسند احمد بن حنبل میں حضرت عبداللہ بن عباس کی روایت سے مرفوع حدیث موجود ہے۔

۲۔ مراسم محرم سے اگر تعزیہ داری وغیرہ مراد ہے تو ان کی کوئی اصل شرعی نہیں ہے بلکہ شرعاً بے اصل و بے بنیاد امور ہیں۔ اور بدعات سیئہ شنیعہ میں ان کا شمار ہے ان امور کو نہیں کرنا چاہئے۔ اور جو ثابت بالشرع ہے وہ صوم عاشورا ہے اور ایصال ثواب، اِطعامِ طعام (عامۂ مسلمین اور احباب و متعلقین کو کھانا کھلانا یا غریبوں، مسکینوں کو کھانا کھلانا) بہ نیت ایصال ثواب، یہ امور جائز ہے اور صحیح ہیں۔

اور بیان شہادت مناسب و صحیح طور پر سننا اور لوگوں کو سنانا بھی جائز و درست ہے۔

۳۔ حدیث شریف سے ثابت ہے کہ عاشورا کے دن اپنے گھر اور اہل و عیال پر جو شخص خرچ میں وسعت کرے گا اللہ تعالیٰ پورے سال اس پر وسعت و فراخی فرمائے گا۔ حدیثیں ملاحظہ ہوں۔

۱۔ عن ابی سعید الخدری رضی اللہ من وسع علی عیالہ فی یوم عاشوراء وسع اللہ علیہ فی سنۃ کلھا (رواہ الطبرانی والبیہقی)
علامہ جلال الدین سیوطی نے جامع صغیر میں اس حدیث کے بارے میں لکھا ہے کہ اسکی سند صحیح ہے۔

۲۔ عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ من وسع علی اہلہ من مالہ فی یوم عاشوراء وسع اللہ علیہ سائر سنۃ۔ (غنیۃ الطالبین تصنیف حضرت غوث الثقلین سیدنا عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ)

۳۔ عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ۔ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من وسع علی عیالہ یوم عاشوراء لم یزل فی سعۃ سائر سنۃ (ما ثبت بالسنۃ تصنیف حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی)

حررہ
العبد العاجز عون احمد القادری غفر اللہ لہٗ
۲۴ ذی الحجہ ۱۳۹۱ھ

افادات

مکتوبات حضرت شیخ الاسلام مخدوم الانام مخدوم شرف الدین یہاری قدس اللہ سرہٗ

ترجمہ

(از جناب شاہ نجم الدین احمد فردوسی، علیہ الرحمۃ)

مکتوب بست و ہشتم
در ترتیب مشغولی با آغاز نماز

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

برادرم شمس الدین اعزہٗ اللہ

بدانکہ بعد تحقیق ایمان وصحت توبہ مرید را باید کہ دائم الوضو باشد اصلا والبتہ یکزمان بےوضو نباشد۔ اگر شب باشد یا سرما بود و آب سرد بود و بعد از وضو دو رکعت تحیۃ الوضو بگزارد واصلا والبتہ فوت نکند۔ و پنج نماز با جماعت بگزارد و چوں نمازے بگزارد منتظر نماز دیگر باشد کہ المنتظر للصلوٰۃ کانہٗ فی الصلوٰۃ پس ہر نمازے بورد ے کہ برخود وظیفہ کردہ است یا پیرش فرمودہ مشغول شود و چوں مرید پیش از صبح بیدار شود، طہارت پاک بیارد و دو رکعت شکر وضو بگزارد و صد بار بگوید استغفر اللہ من الذنوب کلہا صغیرہا وکبیرہا سرہا وجہرہا اللھم اغفرلی برحمتک، چوصبح دوم پدید آید دو رکعت سنت وقت بگزارد، در رکعت اول قل یا یہا الکفرون و

اٹھائیسواں مکتوب
نماز کے ساتھ مشغولی کی ترتیب کے بیان میں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

برادرم شمس الدین ۔ اعزہ اللہ

تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ ایمان جب کامل ہوگیا اور توبہ جس وقت درست ہوگئی، تو مرید کو چاہیئے کہ ہمیشہ باوضو رہے ۔ ہرگز ہرگز ایک ساعت بے وضو نہ رہے ۔ رات کا وقت جاڑے کا موسم سرد سے سرد پانی کیوں نہ ہو ۔ اور ہر وضو کے بعد دو رکعت تحیۃ الوضو بھی ضرور ادا کرے ۔ اس کو فوت ہونے نہ دے ۔ اور پانچوں وقت کی نماز جماعت سے ادا کرے ۔ ایک نماز کے بعد دوسرے نماز کا انتظار کرتا رہے ۔ اس لیے کہ المنتظر للصلوٰۃ کانہ فی الصلوٰۃ اور ہر نماز کے بعد وہ ورد و وظیفہ جس کو خود اس نے اپنا معمول کر لیا ہے ۔ یا جس ورد کو اس کے پیر نے فرمایا ہے بحضور قلب پورا کیا کرے ۔ اور سنو جب مرید رات رہتے صبح کے قبل بیدار ہو، حوائج ضروری و طہارت واجبی سے فرصت کرکے بعد وضو کی نماز پڑھے اور شکر بارک

در رکعت دوم سورہ اخلاص بخواند از حضرت رسالت
صلی اللہ علیہ وسلم ہمچنیں مرویست بعد ازاں ایں دعا بخواند
اللھم انی اسألک رحمۃ من عندک تھدی بھا
قلبی تا آخر در قوت القلوب مکتوب است کہ حضرت رسالت
پناہ صلی اللہ علیہ وسلم در خواندن ایں دعائے ملازمت نمودے
و ہفتاد بار گوید استغفر اللہ الذی لا الہ الا ھو الحی
القیوم - اللھم انی اسألک التوبۃ بعد ازاں نماز بامداد
باید کہ بحضور دل بہ جماعت بگزارد، چوں نماز تمام کرد بعد ازاں
بادعیہ کہ آمدہ است در قوت القلوب مشغول شود بداں مقدور
کہ مداومت تواں کرد در ورد خود بیفزاید و ہر دم استغفار کند و توبہ
از سر برگیرد و عمر گذشتہ را آمرزش خواہد و سخن زیادت
نگوید۔ مگر بامر معروف و نہی منکر یا دعائے اصلاح مسلمانان
یا سخنی گوید کہ درو نفع برادر مسلمان باشد یا سخنے گوید از
علم باکسے کہ محتاج علم باشد کہ ایں نوع سخن در محل اذکار بود
و تا تواند در حال کہ ہست مستقبل قبلہ بود - اگر زیارت صاحب
دلے یا صحبت پیرے یا مجالست عالمے ربانی میسر شود
آں بہتر و فاضلتر از آنکہ بر سر مصلی بود مشغول باوراد و اگر
امثال آں میسر نشود آنگاہ نشستن بر مصلی در مسجد یا در خانہ
مشغول بذکر خدائے تعالی بہتر و فاضلتر از جز ایں چوں آفتاب
برآید برخیزد و دو رکعت نماز بگزارد ۔ ادنی اشراق بنیت
و نشستن بر جائے نماز تا آفتاب برآید و دو رکعت نماز
بعد از طلوع آفتاب گزاردن فضل بسیار است ۔ و چوں آفتاب
بلند برآید نماز چاشت بگزارد ۔ چنانکہ بر خود سنت کردہ است
و پیوستہ بتواند گزارد و بعد ازاں گفتہ اند بحاجت برادر مسلمان
برخیزد، چوں عیادت بیمارے و تشییع جنازہ و یاری کردن

استغفر اللہ من الذنوب کلھا صغیرھا وکبیرھا
سرھا وجھرھا اللھم اغفرلی برحمتک - اذان
صبح صادق ظاہر ہو تو دو رکعت نماز سنت فجر ادا کرے۔ پہلی
رکعت میں قل یا ایھا الکفرون دوسری رکعت میں سورہ
اخلاص پڑھے حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا ہی فرمایا
ہے۔ سنت کے بعد یہ دعا پڑھے اللھم انی اسألک رحمۃ من
عندک تھدی بھا قلبی تا آخر - قوت القلوب میں مسطور ہے
کہ حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وسلم اس دعا کو پابندی کے
ساتھ پڑھا کرتے تھے اور ستر بار کہے استغفر اللہ الذی
لا الہ الا ھو الحی القیوم اللھم انی اسألک التوبۃ
اس کے بعد نماز فرض فجر بحضور قلب اور با جماعت ادا کرے۔
نماز تمام کر کے قوت القلوب میں جو دعائیں آئی ہیں۔ ان میں مشغول
ہو۔ اسی قدر اور دعا کی عادت کرے جس کی پابندی ہو سکے۔ ہر
وقت توبہ کرتا رہے۔ توبہ کو کسی وقت نہ بھولے۔ اور جس قدر عمر
لہو ولعب میں گذری ہے اس کی مغفرت چاہتا رہے اور دوستوں
میں زیادہ بڑ نہ لگایا کرے۔ باتیں کم کیا کرے۔ ہاں خدا اور رسول
کے اوامر و نواہی کو البتہ کہہ سکتا ہے۔ یا مسلمانوں کے اصلاح کے لئے
دعا کر سکتا ہے۔ یا دینی بات کرے جس میں برادران اسلام کا نفع ہو
یا دینی حکایات ہو جس سے بے علم کو علم حاصل ہو۔ اس قسم کی باتیں
ذکر کے درجہ میں ہیں۔ اور جہاں تک ممکن ہو، قبلہ رو بیٹھا کرے
اگر اس کا موقع نہ ہو کہ کسی صاحبدل کی زیارت یا پیر کی صحبت
یا عالم ربانی کی مجالست میسر ہو سکے تو مصلی پر بیٹھ کر اوراد وغیرہ
میں مشغول رہنے سے یہ کہیں بہتر ہے۔ اور اگر اس قسم کی دولت
نصیب نہ ہو تو مصلی پر بیٹھ کر مسجد یا گھر پر ذکر میں مشغول رہنا
بہتر اور فاضلتر ہے۔ اور کبھی سلو۔ جب آفتاب نکل کر تھوڑا بلند

تقویٰ اگر ازیں ہا ہیچ نباشد آنگاہ بتلاوت قرآں و نماز نفل و ذکر مشغول شود اگر ازینہا نباشد آنگاہ فاذا قضیت الصلوٰۃ فانتشروا فی الارض الآیۃ برخواند۔ وکار خرقہ و لقمہ بکند و اگر ایں ہمہ نباشد آنگاہ و فی النوم سلامۃ حقیقت داند چوں وقت نماز پیشیں در آید از خواب بیدار شود و طہارت کند و چہار رکعت سنّت بگزارد و بعد ازاں فریضہ بگزارد، و دو رکعت سنت نیز بگزارد، و برجائے نماز منتظر نماز دیگر نشیند اگر دل فارغ دارد۔ ذکر میگوید تا نماز دیگر و اگر فارغ ندارد در فراغ دل بکوشید و آنرا عین ذکر داند۔ و فرائض در مسجد بگزارد، و نوافل در خانہ کہ سلامت دین و جمعیت خاطر در آنست و چوں نماز دیگر در آید چہار رکعت سنت بگزارد۔ بعد ازآں فریضہ بگزارد و پس بذکر و فکرے مشغول شود تا آفتاب فروزد۔ و ایں وقت زندہ داشتن در فضل ہیچو زندہ داشتن۔ دور اول است از بیدار شدن قبل از صبح تا بر آمدن آفتاب و با نفس محاسبہ کند کہ یکروز عمر تو گزشت چہ برکت آوری روزے زیاں شد۔ چہ سود کردی۔ چوں آفتاب فرو رفت استعداد نماز شام کند و چوں نماز فریضہ بگزارد۔ و از سنت فارغ شود۔ بعد ازاں بست رکعت نماز بگزارد و صلوٰۃ الاوابین کہ میان نماز شام و خفتن آمدہ است کہ اگر میسر شود ہمہ بگزارد۔ و اگر نہ آنچہ برخود وظیفہ کند تتجافی جنوبھم عن المضاجع در حق کسانے درست آید کہ میان مغرب و عشا زندہ دارند۔ و چوں نماز خفتن در آید چہار رکعت سنت و یا دو رکعت سنت بگزارد و وتر برائے آخر شب نگاہ دارد اگر عادت بود و اعتماد ہست کہ آخر شب فوت نخواہد شد و اگر نہ ہم اول شب بگزارد چوں ایں کند اورا از غافلاں ننویسند

ہو جائے دو رکعت نماز اشراق پڑھا کرے کم سے کم اشراق کا یہ درجہ ہے۔ نماز صبح کے بعد جائے نماز پر اس وقت تک بیٹھنا کہ آفتاب نکل آئے اور طلوع کے بعد دو رکعت نماز پڑھنا ان اعمال کی بہت فضیلت آئی ہے۔

اور جب آفتاب بہت بلند ہو جائے، تو نماز چاشت ادا کرے ماتباع سنت جس قدر اس نے اپنے لئے لازم کر لیا ہے اور دیکھ لے کہ اس کو ہمیشہ نباہ سکیں گے۔ ان کاموں کے بعد بزرگوں نے کہا ہے کہ مرید کو چاہیئے کہ برادران اسلام کی حاجت براری کے لئے اٹھے جیسے بیمار کی عیادت یا جنازہ کی شرکت یا بر و تقویٰ میں مدد کرنا اگر اس قسم کے کسی کام کا موقع نہ ہو، تو قرآن شریف کی تلاوت کیا کرے یا نماز نفل پڑھا کرے یا ذکر میں مشغول ہو جائے۔ اگر اس کا بھی موقع نہ ہو تو فاذا قضیت الصلوٰۃ فانتشروا فی الارض پر عمل کرے۔ یعنی گھر سے نکل کر فکر معاش کرے۔ کھانے کپڑے کا سامان مہیا کرے اور اگر ان چیزوں کی بھی ضرورت نہ ہو تو فی النوم سلامۃ پر عمل پیرا ہو، یعنی سو رہے پھر جب نماز ظہر کا وقت آ جائے جاگ اٹھے۔ طہارت کرے۔ پہلے چار رکعت سنت پڑھے اور جائے نماز پر دوسری نماز کے انتظار میں بیٹھا رہے۔ اگر دل ذکر ما سوائے اللہ سے فارغ ہو، خدا کا شکر بجا لاتا رہے۔ یہاں تک کہ عصر کا وقت آ جائے۔ اور اگر دل فارغ نہ ہو تو فراغ دل کی کوشش کرے کیونکہ فراغ دل بھی عین ذکر ہے۔ نماز فرض مسجد میں ادا کی جائے اور نماز نفل گھر میں کہ دین کی سلامتی اور خاطر جمعی اس میں ہے۔ پھر جب عصر کا وقت آئے مرید چار رکعت سنت ادا کرے۔ بعد اس کے چار رکعت فرض پڑھے۔

ذکر و فکر میں مشغول ہو۔ یہاں تک کہ آفتاب غروب ہو جائے عصر و مغرب کے درمیان میں دنیاوی کام نہ کرنا، عبادات میں مشغول رہنا

و از غافلان نشمارند۔ و او را میان حاضران شمارند و بعد از نماز عشاء سورتہا کہ آمدہ است بخواند در قوت القلوب مسطور است و اگر میسر آں ندارد و یادش نیست ۔ بنجاہ بار سورۃ الاخلاص بخواند کہ آں ہزار آیت است بعد ازاں بخسپد با طہارت و ذکر تا خواب غلبہ نکند نخسپد و آخر شب پیش از صبح بیدار شود و تازہ در کار شود و آں وقت استغفار است و فاضل ترین اوقات است از شب و اگر در آخر شب بہ نماز تہجد مشغول شود کہ در نماز معنی و استغفار و معنی تلاوت قرآن موجود است اولیٰ تر و بریں وجہ مواظبت نماید تا از برکت ایں راہ باطن کہ آں را طریقت گویند بروے کشادہ شود و بروے واجب است کہ راہ طریقت بموافقت شریعت جوید و ہر اگر بیني در طریقت موافقت شریعت نبود او را از طریقت ہیچ فائدہ نبود او فتادہ باشد و آں مذہب ملحدان است کہ قیام یکے بے دیگرے روا دانند ۔ و گویند، چوں حقیقت کشف شد شریعت برخیزد لعنت بر آں اعتقاد باد ۔ ظاہر بے باطن نفاق است و باطن بے ظاہر زندقہ ۔ ظاہر شریعت بے باطن نقص است و باطن بے ظاہر ہوس ظاہر با باطن پیوستہ است ۔ در اصل کہ ہیچ کس جدا نکردہ است لا الٰہ الا اللہ حقیقت است و محمد رسول اللہ شریعت ۔ و اگر کسے خواہد در حال صحت ایمان یکے را از دیگرے جدا کند نتواند و خواستش باطل بود و روز بروز باید کہ سلوک طریقت بصدق دل و علو ہمت و صفائی سیرت و حسن سیرت عادت کند و اخلاق پسندیدہ از صحبت نیکان و از خدمت بزرگان خود را حاصل کند و بداند کہ مدار ایں کار بر ارادت و ریاضت است و راہ ارادت آں است کہ باندک و بسیار اشارت پیر را مخالفت نماید کہ امتثال فرمان پیر سبب برکات است ۔ و راہ ریاضت آں است کہ مخالفت

ایسا ہے جیسے کوئی شخص آخر شب میں اٹھے اور طلوع آفتاب تک عبادت کرتا رہے اور مرید کو چاہیئے کہ نفس کے ساتھ محاسبہ کرے اور یہ کہے کہ ایک روز عمر تیری گذری ۔ کیا تجھ کو حاصل ہوا ۔ ایسا مبارک دن گذر گیا ۔ تجھ کو کیا ملا ۔

پھر نماز مغرب کی تیاری کرے ۔ پہلے تین رکعت فرض ۔ بعدہٗ دو رکعت سنت پڑھے ۔ اس کے بعد بیس رکعت صلوٰۃ اوابین ادا کرے ۔ اگر ممکن ہو تو بیسوں رکعت پڑھا کرے، ورنہ جس قدر ہو سکے مقرر کرے ۔ تتجافی جنوبھم عن المضاجع کے مصداق وہی لوگ ہیں، جو درمیان مغرب و عشا یاد حق میں رہتے ہیں اور اس وقت کو زندہ رکھتے ہیں اور جب عشا کی نماز کا وقت آجائے چار رکعت سنت، پھر چار رکعت فرض ادا کرے اور دو رکعت سنت پڑھے اور وتر کو آخر شب کے لئے اٹھا رکھے ۔ اگر اٹھ جانے پر قادر ہو اور جاگنے کا اعتماد ہو اور سمجھتا ہو کہ نیند ضرور ٹوٹ جائیگی اور اگر خوف سو جانے کا ہو، تو عشا کے ساتھ ساتھ وتر پڑھ لے ۔ اس طرح پر جو شخص عمل درآمد کرے گا، غافل نہ سمجھا جائے گا اور غافلوں میں اس کا شمار نہ ہوگا ۔ بلکہ اس کو حاضر باش سمجھیں گے ۔ بعد نماز عشا قرآن شریف کی ان سورتوں کو پڑھے ۔ جن کا ذکر قوت القلوب میں ہے ۔ اور اگر اس کو ان سورتوں کا نام معلوم نہیں ہے، یا وہ سورتیں یاد نہیں ہیں، تو ڈھائی سو مرتبہ سورہ اخلاص پڑھ لیا کرے ۔ ہزار آیت اس حساب سے ہوتی ہے ۔ بعد اس کے ذکر و طہارت کے ساتھ سو رہے مگر جب تک نیند کا غلبہ نہ ہو سونے کا قصد نہ کرے اور رات رہتے صبح ہونے کے قبل بیدار ہو جائے ۔ پھر اسی طرح بعینہ کام میں لگ جائے ۔ آخر حصہ رات کا استغفار کے لئے نہایت موزوں ہے اور سب وقتوں سے رات کے افضل ہے اور اگر مرید آخر شب میں نماز تہجد پڑھا کرے، تو اور بہتر ہے ۔ کیونکہ نماز میں معنی استغفار اور معنی تلاوت

نفس پیش گیرد کہ موافقت نفس امارہ اصل ہمہ آفات است و از عہدہ فرائض بشرط ادامر بیرون آید و از عادت بعبادت باز گردد، و در ریاضت اصل قطع علائق و حفظ حواس و قلت اکل و شرب و لزوم سازد و در آغاز کار خویش حل مشکلات مقاصد و مراتب و وقائع از نہ طلبد، بلکہ در ہمہ احوال بہ پیر مشفق رجوع کند و فضول خود یکسو نہد۔ چوں مرید در سلوک بدیں مواظبت مستقیم گردد، امید وصول و تمکین پدید آید کہ درخت را تربیت چوں بشرط باشد میوہ بار دہد و چوں آفات از ہمہ دو در نگذارد و تربیت نیابد لا محالہ بفساد و تباہ گردد، در کار باید شد اگرچہ جوارح اعضا بمعصیت آلودہ است باز بنا بر اسناد کہ فسق و فجور صفت جوارح است و ایمان صفت و کسوت دل حکم دل راست نہ جوارح را کہ دل منظور است نہ جوارح و حکم منظور را بود نہ مہجور را کہ ان اللہ لا ینظر الی صورکم ولا الی اعمالکم ولکن ینظر الی قلوبکم و نیا نگر تو پنداری کہ طور سینا در عالم کیست و موسیٰ کیے قالب تو طور سینا و دل تو موسیٰ و توتش اینکہ انی انا اللہ

اے برادر اگر ہزار ہزار سال طاعت کنی و آب دیدہ و خون جگر و درد دل بہم آمیزی و آں را در آتش طلب خود مجاہدہ خود بسوزی پس حدیث تو در آں حضرت رد و بر دیا بقبول۔ مکافات ہمہ طاعات و مجاہدات تو باشد مصطفیٰ علیہ الصلوۃ والسلام ابی ابن کعبؓ را گفت مرا خداوند تعالیٰ فرمودہ است کہ قرآں بخواں ا۔ برای ابن کعب گفت یا رسول اللہ او ذکر نت تم۔ حدیث چوں منی در آں حضرت برفت۔ بیت،

تا ظن نبری کہ عاشق روئے توام
من خاک کف پائے سگ کوئے توام

قرآن دونوں موجود ہیں۔ اس طرح پر جو شخص عمل کرے گا اور ثابت قدم رہے گا، تو امید قوی ہے کہ برکت سے اس کے باطن کی راہ یعنی طریقت کی راہ اس پر کھل جائے گی اور مرید کو چاہیے کہ طریقت کی راہ شریعت کی موافقت میں چلے۔

اور جس شخص کو ایسا دیکھو کہ مدعی طریقت ہو کر شریعت کے موافق نہیں چلتا تو سمجھ لو کہ اس کو طریقت سے کچھ حاصل ہونے والا نہیں ہے اس لئے اسفل السافلین میں وہ جا گرا ہے کہ اوپر آنا اس کا دشوار ہے۔ اور یہ مذہب تو ملحدوں کا ہے کہ طریقت کا قیام بغیر شریعت کے وہ جائز رکھتے ہیں

کہتے ہیں کہ جب حقیقت منکشف ہو جاتی ہے، تو شریعت کی پابندی نہیں رہتی۔ ایسے اعتقاد پر خدا کی پھٹکار۔

سنو ظاہر اگر باطن کے مطابق نہیں ہے، تو یہ نفاق کی علامت ہے۔ یعنی ظاہر میں زہد و تقویٰ اور باطن میں دنیا طلبی و ریاکاری اور باطن آراستہ ہو۔ ظاہر خلاف حکم شریعت ہو۔ یہ زندیقیت کی نشانی ہے۔ ظاہر میں اگر شریعت پر عمل ہے اور باطن طریقت سے بے بہرہ ہے۔ ایسا شخص نقصان و تاوان میں ہے اور باطن کی درستی چاہنا بغیر عمل ظاہر کے ہوس بیجا کرنا ہے۔ ظاہر باطن کے ساتھ اس طرح شیر و شکر ہے کہ اس کو کوئی شخص جدا نہیں کر سکتا ہے۔ لا الہ الا اللہ حقیقت ہے۔ محمد رسول اللہ شریعت صحت ایمان جس کو قائم رکھتا ہے۔ وہ ایک جملہ کو دوسرے جملہ سے علیحدہ کر کے مومن باقی نہیں رہ سکتا۔ ایسی خواہش اس کی بالکل باطل اور بے محل ہوگی۔ برادر عزیز خلاصہ یہ ہے کہ طالب مرید کو چاہیے اس میں تم کیا کوئی دوسرا ہو کہ روز بروز نیت کی درستی اور دل کی صداقت سے راہ طریقت کی منزلوں کو طے کرتا جائے۔ ہمت عالی رکھے۔ سیرت اتنی پسندیدہ ہو جائے کہ مصفا نظر آئے۔ خصلت

پیش خواجہ شبلی برخواندند کہ اخسؤا فیہا ولا تکلمون
لے پھوہان حضرت ما واے مردودان درگاہ ما دم کشید
او گفت خنک ایشان را کہ بارے پس از ہفت ہزار سال
با ایشان سخن گفت شبلی بدان منگریست کہ چہ گفت بدان
نگریست کہ گفت بیت ؎

یکے با ما سخن گوئی و پس آنگاہ
بکش گر گشت خواہی بادشاہی

مثنوی

رہبر تو اگرچہ یار بود
رسد آنجا کہ با دیار بود
وصل را چون پدید شد حالہ
سرد شد گفتگوئے لالہ

والسلام

ایسی حسین دکھائی دے کہ مجلاً معلوم ہو۔ ارباب سعادت و بزرگان دین کی صحبت سے اپنے اخلاق کو درست کرے اور اس پر یقین رکھے کہ دار و مدار اس کام کا ارادت و ریاضت پر ہے۔ ارادت کی حقیقت یہ ہے کہ تھوڑا یا بہت جو کچھ پیر کا حکم و اشارہ ہو اس کی مخالفت نہ کرے۔ اس لئے کہ پیر کی فرمان کی بجا آوری برکات کا سبب ہے اور ریاضت کی راہ یہ ہے کہ نفس کی مخالفت پر کمربستہ ہو جائے کیونکہ نفس امارہ کی موافقت سے ساری آفتیں برپا ہوتی ہیں۔ ذوالنعن کا جس طرح حکم دیا گیا ہے۔ اسی طرح اس پر عمل کرے اور عادت پرستی چھوڑ دے۔ عبادت کو عبادت کی طرح انجام دے۔ تعلقات دنیاوی کو دل سے نکال پھینکے۔ حواس ظاہر و باطن کی ہر طرح حفاظت کرتا رہے۔ کھانا کم کھائے۔ پانی کم پئے۔ کم سویا کرے۔ یہ سب ریاضت میں داخل ہے۔ ہرگز ہرگز ابتدائے ریاضت و مشاغل میں کوئی مرید کسی مقام کا طالب نہ ہو اور اس کو نہ دیکھے کہ کشف و کرامات ہم سے کیوں نہیں سرزد ہوتی اور فلاں فلاں مقصد میں جو مشکلات واقع ہیں وہ کیوں نہیں حل ہوتیں۔ یا یہ نہ سمجھے کہ ہمکو یہ حاصل ہوا اور وہ حاصل ہوا۔ بلکہ ہر حال میں پیر مشفق کی طرف رجوع کرے اور اپنے خیالات فاسد کو کنارہ کر دیا کرے۔ جب مرید سلوک میں ثابت قدم اور صاحب استقامت ہو جاتا ہے، تو ایسے شخص سے امید ہوتی ہے کہ مقام مقام وصول و تمکین تک پہونچے گا۔ قاعدہ کی بات ہے کہ درخت کی پرورش جب باقاعدہ ہوتی ہے، تو پھل بھی اچھا ہوتا ہے۔ اگر درخت پر آفتاب کا سایہ نہ ہو اور تربیت اس کی پوری نہ کی جائے، ظاہر ہے کہ درخت کی کیا حالت ہوگی۔ اسی طرح اگر مرید پہ پیر کی شفقت نہ ملے اور عمل اس کا درست نہ ہو، تو اس کو ریاضت کا کیا پھل ملے گا۔ بہرحال یہ باتیں قاعدہ و ضابطہ اور اصول کی تھیں۔ اب ایک ایسی بات بھی سنو، جس کے سننے سے تمام نا امیدی پر پانی پھر جائے، وہ بات یہ ہے کہ طالب جہاں تک ہو کام کئے جائے، طالب کو بہت خرابی کا سامنا ہے کہ اعضا و جوارح آلودہ معصیت ہیں۔ ہیں تو ہوا کریں۔ اس سے تم اپنی راہ کھوٹی کیوں کرتے ہو، چلے چلو۔ ہے ہے اس راز کو تم نہیں جانتے۔ جوارح کی صفت اگر فسق و فجور ہے، تو دل کی صفت ایمان و ایقان، وہاں دل سے کام ہے، جوارح نظر انداز۔ وہاں دل کا اعتبار ہے، جوارح بیکار، وہاں دل منظور نظر ہے، جوارح مہجور و بے خبر، وہاں جو کچھ ہے، دل ہے جوارح کچھ نہیں اِنَّ اللّٰہ لا ینظر الی صورکم ولا الی اعمالکم ولکن ینظر الی قلوبکم و نیاتکم۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ طور سینا، یعنی کوہ طور دنیا میں ایک ہی ہے اور

حضرت موسیٰ جنہوں نے آپ ہی کہکر لن ترانی سنی تھی۔ جہاں میں ایک ہی گذرے ہیں۔ نہیں برادر عزیز۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو ہر قالب کوہ طور کا حکم رکھتا ہے۔ اور ہر دل اپنے وقت کا موسیٰ ہے۔ اور کیسا موسیٰ جس پر انی انا اللّٰہ کی ہر آن تجلی ہوا کرتی ہے۔ وہاں کے کاروبار کو تم اپنے کارخانہ سے ملاتے ہو۔ اس سے اس کو کیا نسبت۔ ذرا انصاف سے کہنا اور اس بات کو کہ اگر لاکھوں برس طاعت وعبادت کرتے رہو، وہ بھی کسی جانفشانی اور کیسی جگر گدازی سے آنسو کا دریا جاری رہے۔ خون جگر آنکھوں سے ٹپکتا رہے۔ دردِ دل بیتاب کرتا رہے۔ مگر تم اپنی سچی طلب کی دھن میں ایسے جان توڑ مجاہدہ کو نظر اٹھاکر بھی نہ دیکھو اور ہیچ سمجھو۔ اس معاملہ کے بعد تمہارا ذکر اس بارگاہ میں کہیں آجائے۔ قبولیت کی تو بات ہی دوسری ہے۔ اس کا کیا ذکر۔ ہم تو یہ کہتے ہیں کہ ساری طاعت وعبادت کے بارے میں اگر اتنا بھی اِدھر سے کہدیا جائے کہ یہ کس کام کی ہے۔ بالکل مجھے پسند نہیں۔ تو سمجھ لو کہ بڑی سے بڑی دولت تمہیں مل گئی اور وہ ریاضت شاقہ اب کام آگئی اور وہ محنت خوب ٹھکانے لگی اور بڑا سے بڑا بدلہ مل گیا۔ اس نقل سے شاید یہ عقدہ حل ہو جائے گا کہ ایک دفعہ حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابی کعب رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ مجھ کو حکم خداوندی ہوا ہے کہ تمہیں قرآن شریف سناؤں۔ حضرت ابی کعب رضی اللہ عنہ یہ بشارت سنکر غایت خوشی میں بول اٹھے اور شکر کیا مجھ جیسے ناچیز کا ذکر بھی وہاں ہوتا ہے ؎ بیت

تا ظن نہ بری کہ عاشق روئے توام — من خاک کف پائے سگ کوئے توام

اور سنو ایک دفعہ حضرت خواجہ شبلی رحمۃ اللہ علیہ خاص رنگ میں تھے۔ کہیں اس آیت شریف کی آواز سمع مبارک تک پہنچی (اخسئوا فیھا ولا تکلمون۔ سات لاکھ برس کی چیخ چلاہٹ کے بعد دوزخیوں پر یہ خاص جھڑکی ہوگی کہ دور ہو جاؤ، چپ رہو۔ حضرت شبلی نے سنکر اس سے خاص مزا لیا اور فرمایا کہ بڑی خوشخبری ہے۔ ان کے لئے بلا سے اتنی طویل مدت تک عذاب سخت ہوتا رہا۔ اس معشوق حقیقی نے آخر ان کو دُردُرایا تو سہی۔ وہ فرحت بخش آواز انہوں نے اپنے کان سے سن تو لی۔ وہ بے واسطہ عتاب ان پر ہو تو گیا۔ حضرت شبلی نے بتقاضائے عشق ومحبت اس پر نظر نہ کی کہ کس درجہ سخت لب ولہجہ میں جھڑکی ہوئی ہے۔ بلکہ صرف اس کو دیکھا کہ اگرچہ سخت سے سخت کہا گیا ہے۔ مگر کس نے کہا ہے اور کس ادا سے کہا ہے۔ کہنے والا کیسا دلربا اور کون جان جاں ہے۔ سبحان اللہ۔

بیت :— یکے با ما سخن، گوئے وپس انگاہ — بکش گر گشت خواہی بادشاہی

والسلام

"المجیب" کی خریداری

اپنے نام

جاری کرانے کے لئے منی آرڈر سے پیشگی چندہ ارسال فرمائیے۔ وی پی کے ذریعہ رقم ادا کرنے میں آپ کو نقصان ہے

(منیجر)

باب التفسیر

تفسیر سورۂ فاتحہ

(۱۱۸)

(از جناب مفتی ابو القاسم محمد عتیق صاحب بحر العلومی، فرنگی محل لکھنؤ)

رہ گیا یہ امر کہ اس ذکر جمیل کے لئے ماہ ولادت، تاریخ ولادت، روز ولادت کی تعیین، تو یہ بھی اس لئے جائز ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا وَذَكِّرْهُم بِأَيَّامِ اللَّهِ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُورٍ (اور (اور انہیں اللہ کے دنوں کی (جن میں اس نے اپنی نعمتیں نازل کی ہیں) یاد دلایا ہے کہ اس میں ہر بڑے صبر کرنے والے بڑے شکر گذار کے لئے (قدرت و رحمت کی، نشانیاں ہیں) اور انہوں نے اپنی قوم کو احسانات الٰہیہ والے دن یاد دلاکر انہیں اظہار شکر کی دعوت دی اور اس سلسلہ میں فرعونیوں سے نجات پانے کا دن یوم عاشورا مسرت کا دن قرار پایا۔ جس میں یہود روزہ رکھتے تھے اور انواع خیرات کے ذریعہ اپنی مسرتوں کا اظہار کرتے اور انعام الٰہی کی یادگار مناتے رہے۔ اور خود ہمارے آقا و مولیٰ سرکار رسالت علیہ افضل الصلوٰۃ والتحیۃ نے بھی اس یادگار کو اپنی امت کے حق میں برقرار رکھا اور نَحْنُ أَحَقُّ بِالصَّوْمِ (ہم اس روزہ رکھنے کے زیادہ حقدار ہیں) فرماکر خود بھی روزہ رکھا اور امت مسلمہ پر بھی فرض قرار دیا۔ یہاں تک کہ روزہ ہائے رمضان فرض کئے گئے، تو روزۂ عاشورہ کی فرضیت ساقط ہو گئی۔ مگر استحباب برقرار رکھا گیا۔ پھر جب یادگار موسوی میں روزہ کا استحباب برقرار رہا تو یادگار ولادت نبوی بطریق اولیٰ مستحب ہے۔ علاوہ ازیں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ولادت کا دن خود بنفس نفیس یادگار بنا کر دوشنبہ کے دن روزہ رکھا اور صحابہ کرام نے روزۂ دوشنبہ کی حقیقت دریافت کی، تو آپ نے فرمایا يَوْمٌ وُلِدْتُ فِيهِ (ایسا دن ہے، جس میں میں پیدا ہوا ہوں) اسی لئے بھی یہ تعیین درست و مستحب ہے۔

نیز جب تک تاریخ و وقت کا تعین نہ کیا جائے، لوگوں کا اجتماع ممکن نہیں ہو سکتا۔ اسی لئے مساجد میں جماعت کا وقت متعین کیا جاتا ہے۔ اگر تعین وقت نہ کیا جائے تو جماعت قائم ہی نہیں ہو سکتی اور جب تک وقت معینہ کی اطلاع لوگوں کو نہ دی جائے

وہ حاضر ہی نہیں ہوسکتے۔ پس وقت و تاریخ محفل کا تعین بھی بدعت سیئہ نہیں قرار دیا جاسکتا اور نہ لوگوں کو اس کی اطلاع دے کر دعوت دینا ناجائز قرار دیا جاسکتا ہے۔ اگر یہ دونوں باتیں بدعت ہیں، تو یقیناً تبلیغی جماعتوں کا اپنے اجلاسوں کا وقت و تاریخ معین کرکے گھر گھر جاکر اطلاع و دعوت دینا اور بکثرت دعوت نامے جاری کرنا پوسٹر و اشتہارات اور اخبارات و جرائد کے ذریعہ اعلان اور پھر بھانگ دہل تشہیر کرنا سب سے بڑی بدعت ہوگی۔ جس کا ثبوت اس صدی سے پہلے کبھی نہیں پایا گیا اور نہ ائمہ کبار مجتہدین باوقار علمائے نامدار نے یہ صورت تشہیر و دعوت دہی کی اختیار کی اور پھر محفل میلاد اقدس، محفل قرأت قرآن کے بعد دینی مجالس میں سب سے افضل محفل اور سب سے بڑھ کر تقرب و رضوان الٰہی کے حصول کا ذریعہ ہے۔ جیسا کہ علامہ حیدرآبادی نے تصریح کی ہے۔ اس کے لئے دعوت کا کچھ اور زیادہ ہونا چاہیئے۔ بہ نسبت ان تبلیغی اجتماعات کے، پس جب ان اجتماعات کے لئے یہ سب باتیں بدعت نہیں تو محفل میلاد اقدس کے لئے بطریق اولیٰ مستحب ہیں۔

رہ گیا فرش و روشنی وغیرہ کا اہتمام، تو یہ امر بھی مستحب ہے۔ کیونکہ مہمان کے آنے اور عزیز مسافر کے گھر پہنچنے پر اپنی حیثیت کے موافق اور مہمان عزیز کے شایانِ شان فرش بچھانا اور روشنی کرنا اپنی مسرت کے اظہار اور آنے والے کی توقیر و خیر مقدم کے اعلان کا طریقہ اور پسندیدہ دستور ہے۔ اسی طرح اس مقدس محفل کے شرکا جن میں جنہ و ملائکہ بھی شامل ہوتے ہیں، جو ذکر الٰہی و ذکر رسالت پناہی سننے کے لئے آنے کے باعث نہ صرف بانی محفل کے مہمان بلکہ خدا و رسول کے مہمان ہوتے ہیں۔ ان کی خاطر و مدارات اور محفل مقدس و شرکائے محفل کی عظمت کے شایان شان فرش و روشنی و شرعی آرائش کا اہتمام بھی یقیناً مستحب ہے اور ان میں سے ہر وہ فعل جو پورے خلوص و عقیدت اور رضوان و تقرب خدا و رسول حاصل کرنے کی غرض سے کیا جائے۔ انتہائی برکات لازوال کا موجب اور اس سے اغماض و چشم پوشی دلیل محرومی ہے۔

رہ گیا تقسیم طعام و شیرینی وغیرہ تو یہ بھی مستحب ہے۔ کیونکہ مہمان کی ضیافت مسنون ہے اور جس طرح محفل نکاح میں نکاح جیسی دنیوی مسرت کے حصول پر اظہار مسرت کے لئے چھوارے لٹانا مسنون قرار پایا۔ اسی طرح ذکر ولادت جیسی نعمت و سعادت کے حصول پر ختم محفل کے وقت شیرینی وغیرہ تقسیم کرنا اور شرکائے محفل کی ضیافت کرنا مستحب قرار دیا گیا۔

پھر یہ ضیافت ایک ایسا امر طاعت بھی ہے جس پر خود بھی ثواب مرتب ہوتا ہے۔ اس کا ترک کرنا ثواب سے محروم ہوتا ہے۔ اس سلسلہ میں یہ بات بھی ملحوظ رہنا چاہیئے کہ اس کو ترک کراکے محفل میلاد کی حقیقت مسخ کرنے کی ناپاک سعی کی جارہی ہے اور اس کے لئے مختلف بہانے اختیار کئے جاتے ہیں۔ مثلاً یہ کہ اس پر جو رقم صرف کی جانے والی ہے، وہ اگر فلاں تعلیمی یا تبلیغی ادارہ کو دیدی جائے، تو زیادہ ثواب ہوگا۔ لیکن یہ زبردست فریب اور مکارانہ چال ہے، مہمانوں کی ضیافت ایک جداگانہ فعل طاعت ہے اور تعلیمی و تبلیغی اداروں کی اعانت جداگانہ ہے۔ کون ایسا غیرت مند انسان ہوگا، جو اپنے گھر آئے ہوئے مہمان کو بغیر ضیافت کئے رخصت کردے گا اور اس سے کہدے گا کہ تمہاری ضیافت میں صرف کی جانے والی رقم فلاں مدرسہ یا تبلیغی جماعت کو دیئے دیتا ہوں اور کون صاحب عزتِ نفس انسان ایسا ہے، جو اس کو اپنی توہین نہ سمجھے گا اور مہمان کی بددلی، اس کا تکدر اللہ کے نزدیک

کس قدر ناپسندیدہ نہ ہوگا، یہ خوبصورت فریب صرف اس لئے تجویز کیا جا رہا ہے کہ محفل میلاد کا ایک جزو، جو موجب اجر مزید ہے موقوف ہو جائے اور اس کی حقیقت بدل جائے۔ اس قسم کی ابلہ فریبیوں سے بچنا بچانا لازم ہے اور اس محفل اقدس کے چاروں اجزاء کا تحفظ اور انہیں برقرار رکھنا اس لئے بھی زیادہ ضروری ہے کہ اس سے ذریت شیطان کو اور زیادہ اذیت پہنچے اور اللہ تعالیٰ کے حضور مزید اجر و ثواب مرتب ہو۔

علامہ حیدر آبادی رحمۃ اللہ ذوالایادی نے نہایۃ الارشاد میں ان تمام امور سے تفصیلی بحث کرتے ہوئے ان کی اصل شریعت مطہرہ سے ثابت کر کے واضح کر دیا ہے کہ یہ تمام امور انفرادی طور پر جب سنت سے ثابت ہیں، تو ان کا مجموعہ بالیقین بے اصل نہیں قرار دیا جا سکتا ہے اور جب اس مجموعہ کی اصلیت شرع سے ثابت ہو گئی، تو اس کو بدعت ضلالت ہرگز نہیں کہا جا سکتا۔

پھر اس متبرک و مقدس محفل کے دینی اغراض و مقاصد، محاسن و فوائد بیدرہ شمار کرائے ہیں اور ذکر ولادت ترک کرنے والے کو خائن اور اس نعمت عظمیٰ کی تحقیر کرنے والا قرار دیا ہے اور اس کو بدعت ضلالت قرار دینے والے کو کھلی سفاہت میں مبتلا پایا اور منکرین کے تمام دلائل کا ردّ و ابطال نہایت محققانہ انداز سے فرمایا ہے، یہ رسالہ نافعہ عربی میں ہے۔ اس کا خلاصہ ترجمہ موصوف کے شاگرد مولانا مفتی محمد اعظم شاہ صاحب شاہجہان پوری رحمۃ اللہ علیہ نے غایۃ المرام نام سے لکھا ہے۔

اس ہیئت کذائی کے ساتھ اس محفل مقدس کی بنیاد کہا جاتا ہے کہ موصل میں شیخ عمر بن محمد نے ڈالی، جو نہایت مرد صالح بزرگ تھے۔ پھر ان کی اقتداء میں ملک مظفر ابوسعید کوکبری بن زین الدین علی بن بکتکین متوفی ٦٣٠ھ نے یہ عمل اختیار کیا، جو بزرگ بادشاہوں اور نہایت سخی امراء سے اور نہایت شجاع، بہادر، عاقل، عادل تھے۔ انہیں کے عہد حکومت میں حافظ ابو الخطاب[1] بن دحیہ جو زبردست عالم اور مشہور فاضل تھے، بلاد مغرب سے شام و عراق میں داخل ہوئے اور ٦٠٤ھ میں اربل پہنچے۔ جہاں بادشاہ مظفر الدین کو عمل میلاد شریف کرتے ہوئے پایا تو اس کے بیان مولد شریف میں کتاب التنویر فی مولد البشیر والنذیر لکھی اور اس کو خود ہی محفل میں پڑھا۔ جس پر بادشاہ نے چار ہزار دینار ان کی خدمت میں پیش کئے۔ علامہ ابن خلکان[2] کہتے ہیں کہ ہم نے ٦٢٥ھ اس کو چھ مجلسوں میں سلطان کے یہاں سنا۔ ان سے پیشتر امام المحدثین ابو الفرج ابن جوزی محدث و فقیہہ حنبلی متوفی ٥٩٧ھ رسالہ مولد شریف تحریر فرما چکے تھے۔ پس یہ کہنا کہ اس مبارک محفل کا آغاز ٦٠٤ھ سے ہوا، صحیح نہیں ہو سکتا، اس زمانہ کے اکابر محدثین و فقہاء نے اس محفل کی ہیئت کذائیہ پر نہ کوئی اعتراض کیا نہ اس کو رد کر کے باطل قرار دیا۔ بلکہ اس کی برکتوں کا اعتراف اور اس کا احترام کرتے رہے۔ چنانچہ حافظ ابوشامہ[3] متوفی ٦٦٥ھ نے اپنی کتاب الباعث علی انکار البدع والحوادث میں اور امام نووی[4] متوفی ٦٧٦ھ نیز علامہ ابن خلکان[5] متوفی ٦٨١ھ اور علامہ ابو الطیب[6] محمد بن ابراہیم السبتی المالکی فقیہہ نزیل قوص متوفی ٦٩٥ھ نے اس کو ثابت رکھا اور اس کا مستحب و مستحسن ہونا تحریر فرمایا۔ البتہ شیخ تاج الدین فاکہانی مالکی جو علامہ ابن جوزی کی وفات کے ٥٧ سال بعد ٦٥٤ھ میں پیدا ہوئے۔ جبکہ اشاعت مولود شریف کو کم از کم ٥٧ سال گزر چکے تھے اور کسی نے اس پر نکیر و اعتراض نہیں کیا تھا۔ اور ان کی وفات ٧٣١ھ میں ہوئی۔ اس کی مخالفت میں فتویٰ دیا۔ لیکن اس زمانہ کے علماء و مشائخ نے اس پر ذرا بھی توجہ نہیں دی۔

بلکہ حافظ عماد الدین[7] ابن کثیر متوفی ۷۷۴ھ نے اس کے استحباب و استحسان پر قلم اٹھایا ۔ پھر علامہ ابن رجب[8] حنبلی متوفی ۷۹۵ھ اور علامہ مجد الدین[9] محمد یعقوب فیروز آبادی متوفی ۸۱۷ھ یا ۸۱۶ھ ۔ جن کا مولد شریف النفحات العنبریہ فی مولد خیر البریہ مشہور ہے اور حافظ ابو زرعہ[10] عراقی متوفی ۸۲۰ھ یا ۸۲۶ھ ، علامہ قسطلانی[11] متوفی ۸۲۳ھ ۔ حافظ شمس الدین[12] ابو الخیر الجزری متوفی ۸۳۳ھ جن کا مولد شریف مشہور ہے ۔ حافظ ناصر الدین[13] شمس الدین الدمشقی متوفی ۸۴۲ھ ۔ حافظ ابن حجر[14] عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ ۔ حافظ ابو الخیر السخاوی[15] کا متوفی ۹۰۲ھ جیسے زبردست اکابر نے اس کا استحسان ہی نہیں فرمایا ۔ بلکہ اس کی اہمیت پر بھی زور دیا اور علامہ جلال الدین[16] سیوطی متوفی ۹۱۱ھ نے تاج الدین فاکہانی کے جواب میں حرف بہ حرف تردید کرکے اس کا ابطال کیا ۔ اور علامہ ابن حجر[17] مکی متوفی ۹۷۵ھ ۔ ملا علی القاری[18] متوفی ۱۰۱۴ھ ۔ علامہ نور الدین[19] علی حلبی شافعی صاحب سیرۃ حلبیہ متوفی ۱۰۴۴ھ ۔ شیخ عبد الحق[20] محدث دہلوی متوفی ۱۰۵۲ھ ۔ علامہ شہاب[21] خفاجی متوفی ۱۰۶۹ھ ۔ علامہ صفی الدین[22] احمد القشاشی متوفی ۱۰۷۱ھ جیسے زبردست اجلہ اکابر محدثین و فقہا اس کی تائید فرماتے رہے ۔ جن کی مثال ملنا دشوار ہے ۔ ان کے علاوہ امام عبد اللہ[23] بن الحاج صاحب مدخل ، علامہ ابن طغربل[24] ، علامہ ابو الحسن[25] بن فضل ادیب ان کے شیخ الشیخ ابو عبد اللہ[26] محمد بن نعمان ، علامہ جمال الدین[27] العجمی الہمدانی ، یوسف[28] الحجاز مصر ، علامہ ابو بکر الحجاز[29] ، علامہ ناصر الدین[30] المبارک ابن البطاح ، امام ظہیر الدین[31] بن جعفر ، شیخ نصیر الدین[32] ، امام حافظ[33] ابو محمد شیخ عمر[34] موصلی ۔ امام علامہ صدر الدین[35] بن عمر شافعی ، علامہ محمد[36] بن علی دمشقی ، یوسف[37] بن علی الشامی ۔ امام برزخی[38] صاحب المولد ، فاضل عبد اللہ[39] بن شمس الدین الانصاری علامہ ابو القاسم[40] محمد بن الامام احمد بن محمد اللخمی المغربی اللیثی صاحب الدرر المنظم فی المولد المعظم رحمہم اللہ تعالیٰ کے اقوال و فتاویٰ اشباع الکلام اور غایۃ المرام وغیرہ میں مذکور ہیں ۔

حضرت سیدنا الغوث الاعظم رضی اللہ عنہ متوفی ۵۶۱ھ سے حضرت صفی الدین قشاشی متوفی ۱۰۷۱ھ تک تقریباً چھ صدی کی طویل مدت میں علامہ فاکہانی کے سوا اس کی تردید و مخالفت میں کسی فقیہ و محدث نے آواز بلند نہیں کی اور نہ اس کو بدعت سیئہ قرار دیتے ہوئے اس کے مٹانے کے درپے ہوا ۔ اور فاکہانی کے قول کا ناقابل قبول ہونا حضرت فخر المتاخرین کی تحریر سے ثابت ہو چکا ہے ۔ جیسا کہ انہوں نے تحریر فرمایا ہے کہ " انہیں کچھ بھی طاقت نہیں کہ ان علمائے مستنبطین کا جنہوں نے ذکر مولود کے مندوب ہونے کا فتویٰ دیا ہے ، مقابلہ کرسکیں پس ان کا قول اس باب میں معتبر نہیں "

اس کا رواج صرف اربل ، موصل ہی تک محدود نہ تھا ۔ بلکہ مصر و شام و فلسطین و حجاز و عراق و خراسان و ماوراء النہر و بلخ و بخارا و افغانستان ، غرضیکہ ہر اسلامی مملکت میں یہ مقدس محفل نہایت تزک و احتشام سے منعقد کی جاتی رہی اور ہندوستان بھی اس کی برکتوں سے متمتع ہوتا رہا اور حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی نے اس کی تعریف و توصیف فرمائی ۔

گذارش :۔ مضمون نگار حضرات اپنا مضمون صاف ، خوشخط اور کاغذ کے ایک طرف لکھیں ۔

(ایڈیٹر)

ادبیات

سلام

(از جناب شاہ محمد قائم صاحب قتیل استاذ چشتیہ نظامیہ - داناپور)

غمِ شہ میں رہی ہے نقشِ پا اک جبیں برسوں
سلامی آنسوؤں سے تر رہی ہے آستیں برسوں

فغاں سے، آہ سے، فریاد سے، گونجی زمیں برسوں
فلک کانپا کیا، لرزا کیا عرشِ بریں برسوں

کمالاتِ نبوت میں شہادت شہؑ کی داخل ہے
خبر دیتے رہے اِس قتل کی روح الامینؑ برسوں

نوائے بلبل کی نالہ بن کے نکلی ایک مدّت تک
صبا بھولی رہی گلشن میں اپنی بھیرویں برسوں

چمن میں ہر گلِ شاداب، شعلہ آگ کا نکلا
نگاہوں میں شرر بن کر رہی ہے یاسمیں برسوں

لہو جاری رہے گا یادِ شہؑ میں قلبِ زخمی سے
رہے گا تہ نشینِ بحرِ غم، یہ آبگیں برسوں

کیا مقتول اُس نے گرگ آسا میرے یوسفؑ کو
رہا تھا گھات میں، وہ کلبِ زیرِ پوستیں برسوں

گرا ڈالا اُسی کو، آہ، بہرِ خدمتِ اُمّت
کھڑا اک پاؤں پر تھا روز و شب جو سروِ دیںؑ برسوں

پڑھے اشعار جب وصفِ لبِ شیرینِ حضرت میں
زباں میٹھی رہی مُنہ میں بہ رنگِ انگبیں برسوں

رسا تھا عالمِ بالا پہ بھی جب جب سلام اپنا
فرشتوں کی زبانوں پر رہی ہے آفریں برسوں

قتیلِ بے نوا، اے کاش مِل جائے کہیں مجھکو
رہے گی خاکِ نقشِ پائے سرورؑ پر جبیں برسوں

غزل

(جناب محمد صفی اللہ، صفیؔ، فیروزپوری)

جس طرف نظریں اٹھیں غم کا سماں پاتا ہوں میں
درد میں ڈوبا ہوا سارا جہاں پاتا ہوں میں

سرزمین دھر کا منظر قیامت خیز ہے
نفسی نفسی کی صدائیں الاماں پاتا ہوں میں

یہ کرشمہ سازیاں ہیں "بارگاہِ حسن" میں
سر جہاں جھکتا ہے سنگِ آستاں پاتا ہوں میں

کہکشاں نکلی ہے، یا نکلا کوئی گلگشت کو
صحنِ گلشن میں بڑی رنگینیاں پاتا ہوں میں

تھام کر دل رہ گیا کمسن سمجھتا تھا تجھے
تجھ میں اب اٹھتی جوانی کے نشاں پاتا ہوں میں

زلف بکھراؤ نہ تم اپنی جبینِ ناز پر
چاند میں بدلی کی کچھ پرچھائیاں پاتا ہوں میں

تیرِ مژگاں میں تمہارے جانے کیسا ہے اثر
مرغ بسمل اور ہزاروں نیم جاں پاتا ہوں میں

باغباں جب بھی نگاہِ قہر تو نے ڈال دی
گلکدے میں صرف خاکِ آشیاں پاتا ہوں میں

بجلیاں ہیں بجلیاں، تیری تبسم پاشیاں
خرمنِ دل جل گیا، اب تک دھواں پاتا ہوں میں

جذبۂ صحرا نوردی ہے دلِ پُرشوق میں
آبلہ پا ہوں مگر ہمت جواں پاتا ہوں میں

قربِ جاناں میں کہاں فکرِ غمِ دوراں صفیؔ
تجھ کو اب دل کے قریں اے جانِ جاں پاتا ہوں میں

غزل

(جناب نہیم حیرتؔ رحیمی بلیاوی)

وہی تو خار چمن میں بہار لاتے ہیں
اُلجھ کے جو مرے دامن سے مسکراتے ہیں

نہ طنز کر مری اس سادگی پہ ٹھیک نہیں
بہت ہی سوچ سمجھ کر فریب کھاتے ہیں

رہِ حیات کی دشواریوں کا غم کیسا
تمہاری یاد کے سائے بھی ساتھ آتے ہیں

ہر ایک پل پہ غمِ زندگی کی راہوں میں
قدم قدم پہ ستم مجھ کو راس آتے ہیں

کہ جن لبوں کو تبسم سے بھر دیا میں نے
عجیب بات ہے وے مجھ پہ مسکراتے ہیں

ہمارے دم سے ہے ساقی تمہارا میخانہ
کہ بن پیئے ہی قدم میرے ڈگمگاتے ہیں

کبھی شکایتِ بیجا، کبھی بجا حیرتؔ
یہ بات کیا ہے کہ لب پہ تمہارے آتے ہیں

نعت شریف

(ازجناب حافظ لدھیانوی بریلوی ایم اے)

جمالِ گنبدِ خضریٰ دکھائی دیتا ہے
نگاہ و دل کا سہارا دکھائی دیتا ہے

اُمنڈ رہا ہے رگوں میں یہ کس کا دردِ رواں
نفس نفس پہ مسیحا دکھائی دیتا ہے

نظر کو چوم رہی ہے، بہارِ جنت کی
خوشا نصیب مدینہ دکھائی دیتا ہے

فرازِ کون و مکاں آگیا نگاہوں میں
یہ کس کا نقشِ کفِ پا دکھائی دیتا ہے

اب اس مقام پہ لے چل مجھے شعورِ جنوں
جہاں سے عرش کا زینہ دکھائی دیتا ہے

یہ کس کے جلوۂ رنگیں میں کھو گئی ہے نظر
زمیں پہ خلد کا نقشہ دکھائی دیتا ہے

دکھا دو اپنے اُجالوں کی اک جھلک مولیٰ
قدم قدم پہ اندھیرا دکھائی دیتا ہے

کہاں سے آئے نظر تابشِ حرم حافظ
ابھی تو جلوۂ دنیا دکھائی دیتا ہے

غزل

(ازجناب سعید عارفی، الہ آباد)

ارشاد ہو، کیا میری خطاؤں کی سزا ہے
بندہ ترا، ہر حال میں راضی بہ رضا ہے

کیا مقصدِ تلقینِ عمل ہے، سمجھ اس کو
مانا کہ وہی ہوگا، جو قسمت میں لکھا ہے

اے چارہ گر دکھتی ہیں، بیمار کی نبضیں
ہنگامِ مداوا نہیں، یہ وقتِ دعا ہے

کیوں غم ہو نشیمن کا خوشی اس کی مناؤ
کچھ دیر کو گلشن میں اُجالا تو رہا ہے

ممکن ہے کہاں رازِ محبت کا چھپانا؟
اشکوں کی ہر اک بوند میں یہ جلوہ نما ہے

اس چہرۂ زیبا پہ ہیں بکھرے ہوئے گیسو
یا چاند کو گھیرے ہوئے ساون کی گھٹا ہے

ٹپکا ہے سعید آنکھ سے ایسا بھی اک آنسو
جانا کہ ستارہ کوئی گردوں سے گرا ہے

غزل

(جناب شاہ مرغوب احمد رضوی، معروف بہ کوکب نظامی، داناپور)

کچّی ہے کلی، بُو ہے نہ کچھ باس لگے ہے
ہم کو ہی اے باغباں بسواس لگے ہے

مذکور جو نامے میں ہے وہ روئے طلائی
سونے کا ورق صفحۂ قرطاس لگے ہے

بجلی تھی کہ پیکان نظر، کچھ نہیں کھلتا
دل چھد گیا، ایسا ہمیں احساس لگے ہے

اللہ ری نرگس کی وہ چشمِ یرقانی
اب زعفراں سوکھی ہوئی ہر گھاس لگے ہے

ہنستا تھا کہ زر گر گئے دامن سے گلوں کے
کیا، نامِ خدا، چہرے پہ افلاس لگے ہے

داغوں سے بہار آ گئی، سینہ ہوا گلشن
اب وصل کی جا ہجر ہمیں راس لگے ہے

شرکت تو کسی طرح گوارا نہیں اُس کو
سب دور جو ہو جائیں تو وہ پاس لگے ہے

اس کیف و کمِ عشق میں ساغر ہو کہ مینا
کیا نام ہے، سنتے ہی جیسے پیاس لگے ہے

جوہر کی کمی ہو تو نظر کھاتی ہے دھوکا
شیشہ بھی کبھی پارۂ الماس لگے ہے

ہونا نہ نراس اُس سے بُری بات بُری بات
اُس سے تو بڑی آس، بڑی آس لگے ہے

بے قاعدہ اب شعر و سخن ہو گئے کوکب
ہاں، چیل کا ہے گھونسلا، کچھ ماس لگے ہے

کوائف و حالات

راز و نیاز بلبل و گل ہم سے پوچھئے　　نرگس کی آنکھ بن کے رہے ہیں چمن میں ہم

کچھ اپنی ——— کچھ دوسروں کی ———

جناب کلیم الدین احمد، خدا بخش خاں اورینٹل پبلک لائبریری کے نئے ڈائرکٹر :———

فروری کے دوسرے ہفتہ میں جناب کلیم الدین احمد (سابق ڈی۔ پی۔ آئی حکومت بہار اور اُردو کے مشہور تنقید نگار) نے خدا بخش خاں اورینٹل پبلک لائبریری کے نئے ڈائرکٹر کی حیثیت سے عہدہ سنبھال لیا ہے۔ امید کی جاتی ہے کہ آپ کے علمی ذوق اور توجہ خاص سے لائبریری کی انتظامیہ اور ترقیاتی پروگراموں میں نمایاں اصلاح اور ترقی ہوگی۔

ہندوستان کو غیر ملکی امداد :———

ہندوستان اور غیر ممالک کے درمیان سنہ ۱۹۷۱-۷۲ء کے پہلے نو مہینوں کے دوران یعنی اپریل سنہ ۱۹۷۱ء تا دسمبر سنہ ۱۹۷۱ء کی درمیانی مدت میں تقریباً ۵۶۶ کروڑ روپے یا ۷۵ کروڑ ۷۴ لاکھ ۷۰ ہزار ڈالر کی غیر ملکی امداد کے معاہدے کئے گئے۔ جن ممالک کے ساتھ یہ معاہدے ہوئے ان میں آسٹریلیا، بلجیم، کینیڈا، جرمنی، فرانس، جاپان، نیدرلینڈ، سویڈن، برطانیہ اور امریکہ شامل ہے۔

بہار میں ۲۳۰۰ الکشنی امیدوار :———

الکشن کمیشن کی اطلاع کے مطابق ریاست بہار کی ۳۱۸ اسمبلی سیٹوں کے لئے ۲۳۰۰ سے زیادہ الکشنی امیدوار اب تک انتخابی میدان میں آچکے ہیں۔ اس سال میدان میں صرف ۱۴ سیاسی پارٹیاں ہیں، جبکہ سنہ ۱۹۶۹ء کے انتخاب میں ۲۳ سیاسی پارٹیاں میدان میں تھیں۔ خبر ہے کہ ریاست بہار میں امیدواروں کی تعداد سب سے کم ہے، جبکہ سب سے زیادہ امیدوار مدھیہ پردیش اسمبلی انتخاب کے میدان میں ہیں۔

حجاج کے جہازوں کی متوقع آمد کی تاریخیں :———

[حج کمیٹی بمبئی کے ایگزیکیوٹو افسر جناب سی۔ ایس۔ عنایت اللہ صاحب نے حجاج کے جہازوں کی بمبئی میں آمد کے سلسلے میں

منذرجہ ذیل اطلاع ارسال فرمائی ہے ۔ جسے ہم ناظرین کی سہولت اور واقفیت کے لئے شائع کر رہے ہیں] (ادارہ)

جہاز کا نام	جدہ سے روانگی	بمبئی میں آمد
اکبر	۲ر فروری ۱۹۷۲ء	۸ر فروری ۱۹۷۲ء
مظفری	۵ر " "	۱۴ر " "
سعودی	۷ر " "	۱۶ر " "
اکبر	۱۵ر " "	۲۱ر " "
مظفری	۲۳ر " "	۳ر مارچ ۱۹۷۲ء
سعودی	۲۶ر " "	۷ر " "
اکبر	۲۸ر " "	۹ر " "
مظفری	۱۲ر مارچ "	۲۰ر " "
سعودی	۱۷ر " "	۲۶ر " "
اکبر	۱۸ر " "	۲۴ر " "
اکبر	۳۱ر "	۵ر اپریل "

جناب اعجاز علی ارشد کی نمایاں کامیابی :—

مگدھ یونیورسیٹی کے بی، اے فائنل ۱۹۷۱ء کے امتحان میں اورینٹل کالج پٹنہ سیٹی کے طالب العلم جناب اعجاز علی ارشد اردو (آنرس) میں فرسٹ کلاس فرسٹ آئے اور اردو کمپوزیشن میں ڈسٹنکشن بھی حاصل کیا ہے ۔ جناب اعجاز علی ارشد کا دیوان محلہ پٹنہ سیٹی کے ایک معزز خاندان سے تعلق ہے ۔ بچپن ہی سے ادب کی طرف آپ کا رجحان رہا ہے ۔ آپ ایک اچھے مقالہ نگار کے علاوہ ایک اچھے شاعر بھی ہیں ۔ آپ کی غزلیں کئی مشہور رسالوں میں شائع ہو چکی ہیں ۔ ادارہ "المجیب" آپ کی نمایاں کامیابی پر دلی مبارکباد اور نیک خواہشات پیش کرتا ہے ۔

بزم فروغ اردو کا قیام :—

زبان اردو کے ارتقا اور تحفظ کے پیش نظر ضلع سارن کے سیوان سب ڈویژن کے مقامی اور مضافاتی اردو داں طبقہ شعرائے کرام و محبان اردو کی ایک اہم نشست موضع چکری (ضلع سارن) فروری کے پہلے ہفتہ میں منعقد ہوئی ۔ جس کی صدارت جناب قمر ساجدی بلیاوی نے کی ۔ بعد نشست منذرجہ ذیل عہدہ داران کا انتخاب عمل میں آیا ۔ سرپرست جناب قاضی محمد عطاء اللہ صاحب، جناب حسین مظہر صاحب ساولی صدر ۔ جناب قمر ساجدی بلیاوی سکریٹری ۔ جناب ناظر فیروز پوری، جوائنٹ سکریٹری و معاون ۔ جناب جاہ عیانی اور سکریٹری نشرو اشاعت جناب اے ۔ جے جابر فیروز پوری ۔

اُردو کی ترقی و ترویج و اشاعت کے لئے فوری طور پر تین لاکھ روپئے کی منظوری :۔

اتر پردیش کی طرح ریاست بہار میں بھی اردو کی ترویج و اشاعت کے لئے بہت جلد اُردو اکاڈمی قائم کی جائے گی ۔ گذشتہ ہفتہ اُردو کے شاعروں اور ادیبوں کی ایک ادبی نشست میں گورنر بہار شری دیو کانت بروا نے اردو اکاڈمی قائم کرنے کے فیصلہ کا اعلان کیا اور فی الحال اس عملی پروگرام کے لئے تین لاکھ روپے کی منظوری دے دی۔ اس موقع پر گورنر موصوف نے آسامی زبان میں ایک نظم سنائی اور بعد میں اس کا انگریزی ترجمہ بھی پڑھا۔

ادبی نشست کا انعقاد ڈاکٹر کلیم الدین احمد (سابق ڈی ۔ پی ۔ آئی اور مشہور تنقید نگار) کی رہائش گاہ پر ۱۱ فروری ۱۹۷۲ء کو ہوا جس کی صدارت گورنر موصوف نے فرمائی ۔ سکریٹری دائرہ ادب کی رپورٹ کے بعد گورنر صاحب نے اپنی مختصر سی تقریر میں اعلان کیا کہ بہار کے اندر علاقائی زبانوں کی ترویج و اشاعت کے لئے انہوں نے دس لاکھ روپے کی امداد منظور کر لی ہے ۔ اس دس لاکھ روپے سے بہار میں بولی اور لکھی جانے والی مختلف زبانوں کی الگ الگ کمیٹیاں بنائی جائیں گی ۔ جس کا کام اس زبان کی ادبی و ثقافتی کتابوں کی اشاعت اور غریب فن کاروں کی امداد ہوگی اور اسی دس لاکھ روپے میں سے "اُردو اکاڈمی" کے لئے انہوں نے تین لاکھ روپے کی امداد کا اعلان کیا۔

گورنر شری بروا نے کہا کہ حکومت ہر برادری کی امداد کر رہی ہے ۔ میں نے سوچا کہ میری بھی ایک برادری ہے "ادیبوں کی برادری" اس کی بھی مدد کرنی چاہیئے ۔ ادیبوں کی یہ برادری خدا کے یہاں سے بن کر نہیں آئی یا کسی خاص گھرانے میں پیدا ہونے سے نہیں ہوئی ۔ یہ تو وہ برادری ہے، جو اپنی ذہانت، محنت اور لگن سے ملک و قوم ، انسان و کائنات کی فلاح و بہبودی ادبی پلیٹ فارم سے کرتی ہے۔

مگدھ یونیورسیٹی کے ۳۸۱۹ طلباء و طالبات نے ڈگریاں حاصل کیں :۔

مگدھ یونیورسیٹی بودھ گیا کے ۷ ویں جلسہ تقسیم اسناد میں ۳۸۱۹ طلبا و طالبات نے ڈگریاں حاصل کیں ۔ جن میں طالبات کی تعداد ۱۶۷ تھی ۔ ۵۶ نے پی ۔ ایچ ۔ ڈی حاصل کی، جن میں ۵ طالبات تھیں۔

اس موقع پر بنارس ہندو یونیورسیٹی کے وائس چانسلر ڈاکٹر شریمالی نے اپنے خطبہ میں طلباء کو مشورہ دیا کہ وہ زبردستی اور تشدد سے دور رہیں اور اساتذہ کو مشورہ دیا کہ وہ نوجوانوں کے جذبات کو سمجھیں اور انہیں صحیح سمت لے جانے کی تعلیم دیں۔

ووٹروں کی تعداد میں ایک کروڑ کا اضافہ :۔

ہندوستان کے ۱۶ صوبوں اور مرکز کے ماتحت دو علاقوں میں جہاں آئندہ ماہ مارچ ۱۹۷۲ء میں اسمبلیوں کے انتخابات ہونے والے ہیں ۔ گذشتہ ایک سال میں، سارے ہندوستان میں ووٹروں کی تعداد میں ۳۔۵ فی صد کا اضافہ ہو گیا ہے ۔ یکم جنوری ۱۹۷۲ء تک ووٹروں کی تعداد ان صوبوں میں کل ۲۹۰۵۹۰۶۵۴ تھی ۔ گذشتہ مارچ میں جب لوک سبھا کے انتخابات ہوئے تھے، تو ووٹروں کی کل تعداد ۱۸۰۳۰۷۸۹۲ تھی اور اب ایک سال کی مدت میں ۹۸ لاکھ ۱۶ ہزار ۸۱۲ ووٹروں کا اضافہ ہوا ہے ۔ ایک طرف حکومت فیملی پلاننگ پر کروڑوں روپے خرچ کر کے ہندوستانی آبادی پر کنٹرول کر رہی ہے اور دوسری طرف ووٹروں کی تعداد میں نمایاں

اضافہ ہوتا جارہا ہے۔ یہ دونوں باتیں قابل غور ہیں۔

ڈاکٹر ذاکر حسین ہائی اسکول اور سرسید اردو گرلس ہائی اسکول کا قیام:۔

پٹنہ کے وسطی مشرقی علاقہ اور پٹنہ سٹی میں ایک عرصہ سے مسلم لڑکوں اور لڑکیوں کے لئے ہائی اسکولوں کی ضرورت شدت سے محسوس کی جارہی تھی۔ اس کام کے لئے حوصلے بلند ہوئے۔ مسلم عوام نے قدم اٹھایا اور منزل تک پہنچ کر پٹنہ کے وسطی مشرقی علاقہ سلطان گنج پٹنہ ۶ میں ڈاکٹر ذاکر حسین ہائی اسکول اور شاہ کمال روڈ اور پٹنہ سٹی میں سرسید اردو گرلس ہائی اسکول کا قیام عمل میں لایا۔ ان اداروں کی غرض و غایت پٹنہ اور پٹنہ سٹی کے عوام کی تعلیمی خدمت خاص طور پر ہے۔ دونوں اداروں کے اراکین نے پٹنہ اور پٹنہ سٹی کے عوام سے اپیل کی ہے کہ اپنے بچے اور بچیوں کی تعلیم و تربیت کے لئے ان اداروں پر اپنی اولین نظر انتخاب ڈالیں۔

۱۲ مارچ سے ووٹوں کی گنتی:۔

محکمہ الکشن کی معتبر اطلاع کے مطابق ریاست بہار میں ۵ مارچ ۷۲ء سے ہونے والے انتخاب ۱۱ مارچ کو ختم ہو جائیں گے اور ووٹوں کی گنتی ۱۲ مارچ سے ۱۳ مارچ تک مکمل ہو جانے کی امید کی جاتی ہے۔

چاند کی اطلاع۔ ماہ محرم ۱۳۹۲ھ:۔

۲۹ ذی الحجہ منگل کو چاند نہیں دیکھا گیا اس لئے یکم محرم مطابق ۱۷ فروری روز جمعرات ہوئی۔ عاشورہ ۱۰ محرم الحرام مطابق ۲۶ فروری روز سنیچر اور گیارہویں مطابق ۲۷ محرم اتوار کو ہوگی۔ (ادارہ)

تصحیح

(۱) "المجیب" شمارہ نمبر ۳ - جلد ۱۲ ماہ جنوری ۱۹۷۲ء میں مولوی محمد محبوب عالم مرحوم مغفور کے متعلق میرا ایک قطعہ تاریخ شائع ہوا تھا۔ قطعہ آخری شعر کا پہلا مصرعہ یہ ہے: "مغفرت کے نور سے کنج لحد معمور ہے"

کتابت کی غلطی سے "مغفرت" کی جگہ "معرفت" ہو گیا ہے۔ اس سے بڑی غلطی یہ ہے کہ مادہ تاریخ صرف "مدرس داخل جنت ہے" لیکن کاتب صاحب نے پورے مصرع پر خط کھینچ دیا ہے، جس سے یہ اشتباہ ہوتا ہے کہ پورا مصرع مادہ تاریخ ہے۔ قارئین "المجیب" سے گذارش ہے کہ اس کی تصحیح فرمالیں۔

(۲) شمارہ نمبر ۴ - جلد ۱۳ - ماہ فروری ۱۹۷۲ء میں میری غزل کا مصرع ہے:- "ہیں لب پہ کبھی فریاد و فغاں - آنکھوں سے ہے اشک رواں"۔ کاتب صاحب نے "ہیں لب پہ کبھی" بنا دیا ہے۔ جو ایک کھلی غلطی ہے۔ تصحیح ضروری سمجھی گئی۔

فقط (شفیع پھلواروی)

دار الاشاعت کی کتابیں

آثارات پھلواری شریف

مرتبہ

اعیانِ وطن

[illegible]

نعمتِ کبریٰ

[illegible]

عطر الوردین

[illegible]

محی الملۃ والدین

[illegible]

MARCH 1972] [Regd. No. P. 1074

Phone : No. 23289

The ALMUJEEB Monthly

PHULWARI SHARIF, (PATAN)

The Only and most widely Circulated Urdu monthly of Bihar

پرنٹر پبلشر: سیّد لطف احمد قادری | دفتر دار الاشاعت خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف (پٹنہ)

[illegible]

هو الفرد المجیب ولی النعمۃ

دار الاشاعت خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف کا دینی و علمی

ماہنامہ

المجیب

مدیر مسئول سید احمد حسین بی اے سہسرامی

دار الاشاعت خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف پٹنہ

فی پرچہ ۶۲ پیسے

سالانہ چھ روپے

نظام نامہ و قواعد

دارالاشاعت خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف پٹنہ

تصنیف و تالیف اور نشر و اشاعت کے سلسلہ میں مجلس دارالاشاعت خانقاہ مجیبیہ کا نظام عمل

(۱) بالعموم صوبہ بہار اور بالخصوص پھلواری شریف کے فضلاء، صوفیاء، شعراء اور اہل قلم حضرات کی تصنیفات اور علمی نوادر کی طبع و اشاعت اور بزرگان پھلواری شریف کے سوانح حیات کی ترتیب و اشاعت، اہل ذوق اور ارباب ہمت حضرات کی مدد پر شرکت اور ان سے فائدہ حاصل کرنے کے لیے

قواعد

لائف ممبر قسم اول: جو صاحب نقد ایک سو روپیہ عنایت فرمائیں گے ایسے معاون حضرات کو دارالاشاعت کی جملہ مطبوعات بلا قیمت پیش کی جائیں گی اور ادارہ ان کے قیمتی مشوروں سے مستفید ہوگا۔

لائف ممبر قسم دوم: جو صاحب پچاس روپیہ عطا فرمائیں گے ان حضرات کو اعیان وطن مفت اور بقیہ مطبوعات نصف قیمت پر دی جائیں گی

لائف ممبر قسم سوم: جو صاحب پچیس روپیہ عطا فرمائیں گے ان کی خدمت میں اعیان وطن نصف قیمت پر اور پانچ سال تک جو کتابیں شائع ہوں گی وہ بھی نصف قیمت پر دی جائیں گی۔

مقام اشاعت: دفتر دارالاشاعت خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف پٹنہ

ضروری اعلان

خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف میں جو رقم بذریعہ منی آرڈر بھیجی جائے منی آرڈر کوپن پر اس کی صراحت ہونی چاہیے کہ یہ رقم کس مد کی ہے۔ جن رقوم میں مد کی صراحت نہیں ہوتی ہے اس کو معلوم کرنے کے لیے خط لکھنے پڑتے ہیں اور ظاہر ہے ایسی صورت میں کام کرنے والوں کی زحمتیں بڑھ جاتی ہیں اور بعض وقت تاخیر بھی ہو جاتی ہے [illegible]

محمد عبد الرحمان قادری مجیبی – مہتمم دارالعلوم مجیبیہ پھلواری شریف

فون نمبر ۳۳۲۹ — رجسٹرڈ نمبر پی ۱۰۷۴

هوالفرد المجيب ولي النعمة

ماہنامہ المُجیب
پھلواری شریف پٹنہ

قیمت سالانہ ۶ روپے — فی پرچہ ۶۲ پیسے

پاکستان وغیر ممالک سے ۸ روپے

جلد ۱۳ | ماہ ربیع الاول ۱۳۹۲ھ — مطابق اپریل مئی ۱۹۷۲ء | شمارہ ۷

• مدیر مسئول:—
سید احمد حسین سہسرامی

• مدیران:—
سید یوسف رضوی
ظفر حسنین
اسماعیل حسنین نقوی

• پرنٹر پبلشر:—
سید لطف احمد قادری

• مطبع:—
لیبل لیتھو پریس رمنا روڈ پٹنہ

• مقام اشاعت:—
دارالاشاعت خانقاہ مجیبیہ
پھلواری شریف (پٹنہ)

لمعات

ماہ ربیع الاول، اہل اسلام کے نزدیک جن مراتب و درجات کا حامل ہے، وہ محتاج بیان نہیں ——— ہادیٔ عالم، رحمت مجسم سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کی برکتوں سے یہ روئے زمین اسی دن مالا مال ہوئی ——— یہ وہی مقدس مہینہ ہے جس میں آفتاب رسالت اُفق مکہ پر طلوع ہوا، جس کی ضیا باریوں سے دلوں کی دنیا منور اور درخشاں ہو گئی۔ یہ مبارک مہینہ نور الٰہی اور ہدایت ربانی کے مولد کا مہینہ ہے ——— یہ وہی مقدس ہستی ہے جس کے سر اقدس پر رفعت و عظمت کا تاج زرّیں ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم ہی سے ہم نے خالق کائنات کو جانا، اسلام کو پہچانا اور تمام ارکان اسلام سے واقف ہوئے۔ قرآن پاک ملا، احکام خداوندی سے آشنا ہوئے۔ اس مہینہ کے آتے ہی سارے دنیا کے مسلمان عید میلاد النبیؐ کے انعقاد میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کرتے ہیں۔ سیرت نبویؐ اور عظمت محمدی کے جابجا تذکرے ہوتے ہیں۔ اس لئے یہ مہینہ اللہ کے بندوں کے لئے جن کا دل نور ایمان سے منور ہے، بہت قیمتی اور بابرکت ہے۔

———×———

پیغمبر اسلام حضور روحی فداہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوتِ ایمان مکمل اسلام اور احکام قرآن کی دعوت ہے۔ اسلام خدائے واحد کی اطاعت اور پرستش کا نام ہے، اسلام کا دارومدار توحید کے عقیدے، رسالت کے عقیدے اور آخرت کے عقیدے پر مبنی ہے۔ احکام خداوندی کا تفصیلی ضابطہ قرآن مجید میں موجود ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت قرآن مجید کا عملی انطباق ———

———×———

دنیا میں اہل دنیا کی ہدایت کے لئے اور انہیں نیک اور اچھے راستہ اور پسندیدہ طریقہ پر چلانے کے لئے برابر مصلحین کی جماعت آتی رہی ہے اور قوم کی اصلاح و ہدایت کا کام انجام دیتی رہی ہے۔ صداقت و حقانیت کی طرف

پانے والوں کی یہ جماعت، جنہیں ہم رسول یا نبیؑ کہتے ہیں، کوئی زمانہ اور کوئی دور ان کے وجود سے خالی نہیں گزرا ــــــ ہر زمانہ میں اپنے خالق و رب کی طرف سے یہ برگزیدہ بندے بھیجے جاتے ہیں۔ جو بھٹکی ہوئی قوم کو اور گمراہی میں پڑ جانے والوں کو راہ راست پر لاتے ہیں اور انہیں حق کی روشنی دکھاتے ہیں۔ اسلام صرف عبادت و ریاضت ہی کا پرانا تصور لے کر دنیا میں نہیں آیا، بلکہ یہ ایک ایسا مذہب ہے، جس نے ایک عالمگیر نظامِ حیات کی حیثیت سے دنیا کے تہذیبی اور تمدنی دستور میں انقلاب برپا کیا ہے اور انقلاب بھی ایسا جس کی مثال دنیا کی تاریخ میں موجود نہیں ــــــ تاریخ کے اوراق بتاتے ہیں کہ عام ظلمت اور گھٹا ٹوپ تاریکی میں جس آفتاب ہدایت کی ضرورت تھی، وہ حق تعالیٰ کی طرف سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں ہدایت کا نور اور حقائق کا ظہور بن کر آئی ــــــ

———x———

یہ ہمارے اور آپ کے ہادی و راہبر اور سارے عالم کے لئے مصلح اعظم سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے جو اس دنیا میں پیغمبر بنا کر بھیجے گئے، اور رہتی دنیا تک کے لئے مکمل دستورِ حیات ساتھ لائے۔ دربار الٰہی سے آپ کو رحمۃ للعالمین کی سندِ خاص عطا ہوئی تھی۔ اس لئے رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بخششیں اور کرم کسی جماعت اور طبقہ کے ساتھ مخصوص نہیں تھا اور اس بارے میں اپنے غیر کو محسوس نہیں ہونے دیا۔ ؎

رحمت و خلق تو باہر ناکس و کس یکسر است

حقیقت تو یہ ہے کہ قدرت کو عربوں ہی سے دنیا کی اخلاقی تربیت کا کام لینا مقصود تھا۔ اس لئے اس قوم کی اخلاقی اور ذہنی تربیت بھی آپؐ کے ذریعہ کرائی گئی۔

ظہورِ اسلام کے بعد تہذیبی، اخلاقی اور تمدنی نظام میں جو مفید اور خوشگوار انقلاب رونما ہوا، اسے بیان کرنے کے لئے ایک پورا دفتر درکار ہے۔

———x———

ربیع الاول ۱۳۹۲ھ میں بعثتِ رسولؐ کی چودہ سو سالہ یاد مسلمانانِ عالم منا رہے ہیں۔ لیکن اس سے زیادہ قابلِ عبرت اور کوئی بات نہیں ہو سکتی۔ اگر یہ یادگار اس طرح منائی جائے کہ چراغاں کیا جائے، محفلیں، مجلسیں، مشاعرے منعقد ہوں، علمائے کرام کی تقریریں ہوں، سرور و شادمانی کے نغمے بجائے جائیں ــــــ غرض کہ اظہارِ مسرت کے تمام اسباب مہیا کئے جائیں ــــ لیکن ہمارے دلوں کے ظلمت کدہ میں تعلیماتِ رسولؐ کی روشنی کی ایک کرن بھی نہ پہنچے اور نفسانیت کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی ہماری روح کو آزادی کی سانس لینا بھی نصیب نہ ہو تو وہ اظہارِ مسرت کھوکھلا ہے، جس میں سکونِ روح شامل نہ ہو۔

———x———

نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ ایک ایسا دستور العمل پیش کرتی ہے۔ جس پر عمل کر کے فلاح و بہبود ونجات حاصل کیا جا سکتا ہے۔ آپؐ کا ذکر، آپؐ کے بیانات، آپؐ کی عام تبلیغ، آپؐ کا عام درس عمل نہ صرف ہمارے لئے مفید اور مفید تر ہے، بلکہ ہم سب آپؐ کی تبلیغ وتحصیل پر مامور ہیں۔ اگر ہمیں زندہ رہنا ہے، تو محض زندگی کے لئے نہ جئیں، بلکہ آپؐ کے پیش کئے ہوئے اُسوہ کو اپنائیں اور مذہبی زندگی کے نمونہ کو اختیار کریں اور دین فطرت الٰہی پر ایمان کامل رکھیں۔ کیونکہ حالات اور وقت کا تقاضہ بھی یہی ہے، اور بغیر اس کے ہم ابدی فلاح نہیں پا سکتے۔ ؎

مصلحت دید من آں ست کہ یاراں ہمہ کار
بگزارند و سر طرّۂ یارے گیرند

اپنا مسودہ بھیجتے وقت

۱۔ یہ دیکھ لیجئے کہ آپ نے کاغذ کے ایک ہی طرف لکھا ہے، کاغذ کے دونوں جانب لکھنے سے مضمون کی اشاعت میں تاخیر ہو جائے گی۔

۲۔ یہ تسلی کر لیجئے کہ مسودہ پر آپ کا نام اور مکمل پتہ درج ہے۔ مسودہ پر پورا پتہ نہ پانے کی صورت میں آپ کی تخلیق اشاعت سے محروم رہ جائے گی۔

۳۔ یہ جان لیجئے کہ دفتر میں آپکے مسودہ کی ہر طرح حفاظت کی جاتی ہے۔ لیکن ناگزیر حالت کی بنا پر اگر مسودہ گم ہو جائے، تو دفتر اس کا ذمہ دار نہیں ٹھہرتا۔

(ایڈیٹر "المجیب" پھلواری شریف)

توجہ طلب :- ازراہ کرم ان امور کا برابر خیال رکھیے

(۱) آپ کا پتہ بدل گیا ہے تو اپنے نئے پتے سے ہمارے دفتر کو فوراً مطلع کر دیجئے۔ (۲) خریداری نمبر کا حوالہ دینا نہ بھولئے۔ تاکہ پتہ تلاش کرنے میں دفتر کو دشواری نہ پیش آئے۔ (مینجر)

جمعہ

از جناب مولانا حکیم محمد سید طٰہٰ الکمال ندوی استاد شعبۂ سینیئر مدرسہ شمس الہدیٰ پٹنہ

(۴)

جمعہ کے فضائل و برکات قرآن حکیم کی روشنی میں

سورۂ جمعہ مدنیہ ہے اور اس میں دو رکوع اور گیارہ آیتیں ہیں۔ رکوع اول میں آٹھ آیتیں اور رکوع ثانی میں تین آیتیں ہیں۔ پہلی آٹھ آیتیں بظاہر مباحثِ جمعہ سے بے تعلق نظر آتی ہیں اور رکوع دوم کی تینوں آیتیں صراحۃً جمعہ کے احکام پر دلالت کرتی ہیں۔ لیکن قرآن حکیم کے مضامین کی ترتیب اور احکام قرآنیہ کے مربوط ہونے کا خاص اصطلاحی نام "نظم قرآن" ہے۔ جو لوگ نظم قرآن پر گہری نظر رکھتے ہیں (بشرطیکہ جمہور علمائے سلف کے خلاف نئی روش اختیار کرنے والے نہ ہوں) وہ بہ آسانی یہ سمجھ سکتے ہیں کہ رکوع اول کی آٹھ آیتیں جمعہ کے "باطنی فضائل و برکات" پر اور اس کی روحانی اور داخلی منفعتوں پر دلالت کرتی ہیں۔ چنانچہ میں ایک ایک آیت کو مع ترجمہ و تفسیر آپ کے سامنے پیش کر رہا ہوں۔ بفضلہٖ تفسیر بالرائے سے پورا پورا احتراز کروں گا ایُّ سماءٍ تظلّنی وایّ ارضٍ تقلّنی ان قلتُ فی کتاب اللّٰہ ما لا اعلم۔ کون آسمان مجھے اپنے سایہ تلے رہنے دے گا اور کون سی زمین مجھے اپنی چھاتی پر جگہ دے گی۔ اگر میں کتاب اللہ (کی تفسیر) میں ایسی بات کہوں، جس کا علم مجھے (تفسیر و احادیث کے ذریعہ) نہ ہو۔ اب پہلی آیت پیش کی جاتی ہے۔

یُسَبِّحُ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ الْمَلِکِ الْقُدُّوْسِ الْعَزِیْزِ الْحَکِیْمِ ۝ اللہ کی تسبیحیں پڑھتی ہیں، وہ ساری چیزیں جو آسمانوں میں اور زمین میں ہیں، وہ اللہ جو ملک ہے (مالک حقیقی اور بادشاہِ مطلق ہے) قدوس ہے (خود تمام نقائص سے پاک ہے اور دوسروں کو اپنی مخلوقات میں سے جس کو چاہے، نقائص سے پاک کر کے مقدس بنانے والا ہے) عزیز ہے۔ (عزت و غلبہ والا ہے، تمام مخلوقات پر اس کی طاقتوں کا غلبہ ہے اور سب اس کے آگے مغلوب ہیں) حکیم ہے (اس کا کوئی کام حکمت و دانائی سے خالی نہیں اور مخلوقات میں سے وہ جس کو چاہے حکمت و دانائی کے زیور سے آراستہ کرتا ہے۔)

احادیث نبویہ کی روشنی میں یہ بات واضح کی جا چکی ہے کہ آسمان، زمین، ہوائیں، پہاڑ، دریا یہاں تک کہ مقرب فرشتے بھی خوفِ جمعہ سے ترساں و لرزاں رہتے ہیں۔ خوف و خشیۃ الٰہی کا احساس ہوتے ہی اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرنا تمام مخلوقات کی فطرت میں داخل ہے۔ چنانچہ کڑکا (رعد) اور بجلی چمکنے کے وقت ہم کو یہ دعا سکھائی گئی ہے سُبْحَانَ الَّذِیْ یُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهٖ وَالْمَلٰٓئِکَۃُ مِنْ خِیْفَتِهٖ

یہ دعاء قرآن حکیم (سورہ رعد) کی اس آیت سے مستنبط ہے ویُسَبِّحُ الرعد بحمدہ والملٰئکۃ من خیفتہ۔ اس آیت کی روشنی میں ہم بخوبی سمجھ سکتے ہیں کہ فرشتے اس خوف سے کہ رعد وصاعقہ سے انسانوں کو شدید جانی و مالی نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کی تسبیح پڑھتے ہیں اور پاکی بیان کرتے ہیں۔ اسی طرح وہ جمعہ کی ہوا نکیوں (چونکہ جمعہ ہی کو قیامت برپا ہوگی) سے بھی خائف ہو کر تسبیح الٰہی میں مشغول رہتے ہیں اور فرشتوں کی معیت سارے کائنات بھی (سوائے کافر و سرکش انس وجن کے) اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تقدیس کرتی رہتی ہیں۔

مسلم شریف ج ۲ کے حاشیہ پر تسبیح کے معنی یہ ہیں:۔

ان معنی التسبیح التنزیہ عما لا یلیق بہ سبحانہ وتعالیٰ من الشریک والولد والصاحبۃ والنقائص مطلقاً وسمات الحدوث مطلقاً۔

تسبیح کے معنی یہ ہیں کہ جو باتیں خداوند قدوس کے شایانِ شان نہیں، ان ساری باتوں سے اس کو پاک اور منزہ سمجھا جائے، یعنی یہ سمجھا جائے کہ نہ تو اس کا کوئی ساجھی ہے اور نہ اس کا کوئی بیٹا ہے اور نہ وہ کسی کا باپ ہے۔ نہ اس کی کوئی بیوی ہے اور وہ ہر طرح کے نقائص اور عیوب سے پاک ہے اور اس کی ذات حدوث (نو پیدا ہونے) سے اور حدوث کے سارے داغ دھبوں سے بھی ہمیشہ پاک وصاف تھی اور ہمیشہ پاک وصاف رہے گی، وہ حادث نہیں، بلکہ قدیم ہے، لیکن اس کی تعریف میں قدیم نہیں کہا جائے گا، بلکہ ھو الاول والآخر والظاھر والباطن ہی کہا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ نہ تو ہماری تسبیح و تقدیس کا محتاج ہے اور نہ فرشتوں کی اور نہ کائنات کی ثنا خوانیوں کی اسے حاجت ہے۔ بلکہ فرشتے اور تمام کائنات اس پر مجبول ہیں کہ وہ ہمیشہ اور ہر آن ذاتِ باری تعالیٰ کی تسبیح و تقدیس میں مشغول رہیں اور وہ ہولناک حوادث کے وقت اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تقدیس میں اور زیادہ انہماک اختیار کریں۔ انبیاء کرام علیہم السلام کے طفیل میں صوفیاء و اولیائے عظام کے مشاہدات میں بھی ملائکہ اور کائنات کی تسبیح و تقدیس کی باتیں آتی رہتی ہیں۔ ان مشاہدات کی منزل میں پہنچنے کے لئے اسلام کی ایک خاص "زندہ علمی سائنس اور حکمت" ہے۔ جس کے لئے ایمان بالغیب شرط اول ہے اور اس کے بعد اسلامی عبادات و ریاضات کی دوسری شرطیں ہیں۔ لیکن جس طرح آج ہر معمولی سائنس داں نہ تو راکٹ کا موجد ہو سکتا ہے اور نہ راکٹ کے استعمال پر قادر ہو سکتا ہے۔ بلکہ ان امور میں بھی کامیابی کے لئے خاص صلاحیتیں درکار ہیں۔ اسی طرح ملائکہ اور کائنات کی تسبیح کو سننے سمجھنے، ان سے فائدہ اٹھانے اور لطف اندوز ہونے کی صلاحیتیں سب کو یکساں طور پر نصیب نہیں ہوتیں۔

تسبیح (یعنی نقائص اور سماتِ حدوث سے باری تعالیٰ کی تنزیہہ) کے بہت سے محرکات ہیں۔ ان میں سے چند محرکات کو ہم نمبر وار پیش کرتے ہیں:

(۱) تقرب الی اللہ کے وقت جب عظمتِ باری تعالیٰ کا احساس ہو، جیسے ہم رکوع میں جاکر سبحان ربی العظیم کہتے ہیں۔

(۲) قربتِ الٰہی کے وقت جب علوئے حق اور شانِ کبریائی کی بلندی و برتری کا احساس ہو۔ جیسے ہم سجدہ میں سبحان ربی الاعلیٰ کہتے ہیں۔

(۳) جب قدرت الٰہی کے محیر العقول تماشے نظر آ رہے ہوں، جیسے آدم و ذریات آدم کی پیدائش کے تماشے فرشتوں کی تسبیح خوانی کا باعث تھے۔

(۴) جب انسان کی روحانی منزلیں طے ہو رہی ہوں، جیسے معراج النبیؐ کے وقت سبحان الذی اسریٰ بعبدہ الخ۔

(۵) دل پسند اچھے مناظر وغیرہ سے متاثر ہو کر بھی اہل ایمان سبحان اللہ بے ساختہ کہہ اٹھتے ہیں۔

(۶) کفار و مشرکین جب اللہ تعالیٰ کے متعلق غلط اور گمراہ کن اوصاف بیان کرتے ہوں جیسے سبحان ربک رب العزۃ عما یصفون۔

(۷) خوف و خشیۃ الٰہی جب دلوں پر طاری ہو اور فرشتے اور اہل ایمان جب فنا کی منزلیں طے کر کے بقا باللہ کے حظیرۃ القدس میں پناہ گزین ہونا چاہتے ہوں تو اس وقت بھی تمام مخلوقات الٰہی اپنے خالق کی تسبیح و تقدیس کے فرائض بے ساختہ انجام دینے لگتے ہیں جیسا کہ ویسبح الرعد بحمدہ والملٰئکۃ من خیفتہ سے عیاں ہے۔

یوم الجمعہ کی تمام ساعتوں میں تسبیح و تقدیس الٰہی کے سارے محرکات فرشتوں کو اور کائنات و موجودات عالم کو نظر آتے ہیں۔ اس لئے سورہ جمعہ کی آیت اولیٰ کا نہایت گہرا تعلق بعد کی آیتوں سے بھی ہے اور رکوع ثانی کی آیتوں سے بھی ہے۔

سورہ جمعہ کی پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ کے چار صفاتی نام ہیں۔ ملکؔ، قدوسؔ، عزیزؔ اور حکیمؔ۔ ان چاروں صفاتی ناموں کا تعلق دوسری آیت سے بھی اور بعد کی بقیہ کل آیتوں سے بھی ہے، اور جس اجتماعی زندگی (خواہ مادی اجتماعی زندگی یا روحانی اجتماعی زندگی) کی تعلیمیں ہم کو یوم جمعہ، صلوٰۃ جمعہ، اور خطبۂ جمعہ سے ملتی ہیں۔ ان کا بھی مذکورہ بالا چاروں صفاتی اسمائے حسنیٰ سے گہرا تعلق ہے۔ لیکن اس گہرے تعلق کو بیان کرنے سے پہلے ہم تسبیح باری تعالیٰ کی مزید تشریح تفسیر بیضاوی سے پیش کر دینا ضروری سمجھتے ہیں۔ سورہ حدید کی آیت اولیٰ کی تفسیر امام بیضاوی اس طرح کرتے ہیں۔

ذکر ھھنا و فی الحشر والصف بلفظ الماضی و فی الجمعۃ والتغابن بلفظ المضارع اشعاراً بان من شان ما اسند الیہ ان یسبحہ فی جمیع اوقاتہ لانہ دلالۃ جبلتہ لا تختلف باختلاف الحالات۔

یہاں (یعنی سورہ حدید میں) اور سورہ حشر میں اور سورہ صف میں (سَبَّحَ لِلّٰہِ) لفظ ماضی کا ذکر ہے۔ اور سورہ جمعہ اور سورہ تغابن (یُسَبِّحُ لِلّٰہِ) مضارع کا لفظ مذکور ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایسا طرز کلام اس لئے اختیار فرمایا ہے کہ یہ حقیقت واضح ہو جائے کہ جس ذات اقدس کی طرف تسبیح کی نسبت کی جا رہی ہے۔ وہ ہمیشہ ہر آن سارے اوقات میں (ماضی، حال اور استقبال کی ساری ساعتوں میں) تسبیح کا مستحق ہے اور جن مخلوقات و موجودات سے تسبیح کا فریضہ صادر ہو رہا ہے۔ ان کے لئے بھی ہمیشہ تسبیح و تقدیس خداوند قدوس میں مشغول رہنا

ومجیئ المصدر مطلقاً فی بنی اسرائیل ابلغ من حیث انہ یشعر باطلاقہ علی استحقاق التسبیح من کل شیئ و فی کل حال۔ واما عدی باللام ھو معدی بنفسہ مثل نصحت لہ فی نصحتہ

اشعارًا بأنّ ایقاع الفعل لاجلِ اللہ و خالصًا لوجہہٖ

ایسی فطری دلالت و رہنمائی ہے، جو اختلاف حالات سے بدل نہیں سکتی۔

سورۂ بنی اسرائیل میں (سبحان الذی اسریٰ) مصدر کا استعمال کیا گیا ہے۔ وہ نہایت بلیغ ترین طریقۂ کلام ہے۔ کیونکہ اس سے یہ حقیقت نمایاں ہوتی ہے کہ تسبیح و تقدیس مطلقًا (بغیر حدود و قیود) اس خالق برحق اور بادشاہ علی الاطلاق کے لئے مخصوص ہے اور وہی ہر شئی سے ہر حال میں تسبیح و تقدیس کا مستحق ہے سبح للہ اور یسبح للہ میں فعل نصحت لہ کی طرح لام کے ذریعہ متعدی بنایا گیا ہے (حالانکہ یسبح اللہ اور سبح اللہ بھی محاورات عرب میں موجود ہے) تو عربی گرامر کی روشنی میں (تعدیہ باللام سے) یہ خاص مفہوم پیدا ہو رہا ہے کہ تسبیح و تقدیس کے فعل کی انجام دہی مخلوقات کی طرف سے خالصًا لوجہ اللہ ہے۔ ریاکاری کو اس میں دخل نہیں۔ تقدیس و تسبیح اللہ ہی کے لئے مخصوص غیر اللہ کو اس کا استحقاق نہیں۔ وفی کل شئیٍ لہ آیۃٌ — تدل علیٰ انہ واحد فکذٰلک کل شئیٍ یدلّ علیٰ انہ منزہٌ عما لا یلیق بہ ؎

مشکل حکایتے است کہ ہر ذرّہ عین اوست
امّا نمی تواں کہ اشارت باد کند

سورۂ جمعہ کی دوسری آیت میں امتِ محمدیہ کی "مخصوص شاندار اجتماعی زندگی" کے "بنیادی اسباب" بیان کئے جا رہے ہیں۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

(۲) ھوالذی بعث فی الاُمّیین رسولًا منھم یتلوا علیھم اٰیاتہٖ ویزکیھم و یعلمھم الکتاب والحکمۃ وان کانوا من قبل لفی ضلالٍ مُّبین ہ

وہی اللہ ہے جس نے عرب کے اَن پڑھوں میں اُن ہی میں کا ایک ایسا رسول بھیجا، جو ان کو اللہ کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور ان کو (ساری جسمانی، روحانی، دماغی اور ذہنی) گندگیوں سے (جو ان کے کفر و شرک کے باعث پیدا ہوتی رہتی ہیں) اور تمام اخلاق ذمیمہ سے پاک کرتا ہے۔ اور ان کو (آخری آسمانی) کتاب الٰہی) کے حقائق و دقائق، رموز و نکات، معانی و مطالب کی واضح اور دلنشین) تعلیم دیتا ہے اور ان کو حکمت و پختہ کاری (سلامتِ عقل اور صحیح و مفید دانشوری سکھاتا ہے) اگرچہ وہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں مبتلا تھے۔

آگے چل کر تیسری آیت میں تاقیامت آنے والی (امتِ محمدیہ کی) نسلیں بھی جمعہ، نمازِ جمعہ اور امتِ محمدیہ کی مخصوص شاندار اجتماعی زندگی کی برکتوں میں قیامت تک کے لئے شریک کی جا رہی ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔ (باقی آئندہ)

ربیع الاوّل

(جناب مولانا عبدالقیوم پورنوی (ادیب کامل علیگ) مدرس ——— دارالعلوم خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف)

اس مادی دنیا میں کسی کو اپنے علم و ہنر پر فخر ہے تو کسی کو اپنے دیانت و تقویٰ پر، کسی کو لہو لعب پر تو کسی کو اپنی توانائی اور جوانمردی پر۔

کوئی اپنے عنفوان شباب پر، تو کوئی حسن ظاہری پر، گلوں کو فخر ہے اپنی شادابی پر، تو بلبلوں کو فخر ہے اپنے نغمہ سرائی پر، آفتاب کو فخر ہے اپنی ضیا پاشی پر، تو ماہتاب کو ناز ہے اپنے لطیف اور پاکیزہ روشنی پر۔ نیلگوں آسمان کے درخشندہ ستاروں کو ناز ہے تو اپنے رعنائی پر، گویا کہ موجودات کی ہر شئے اپنے اپنے کمالات پر فخر کرتی ہے۔

چنانچہ مجھ کو اگر فخر اور ناز ہے، تو اس آقائے نامدار مدنی تاجدار پر، جن کا ورود مسعود اس دار فانی میں ربیع الاول شریف میں ہی

جہاں تاریک تھا ظلمت کدہ تھا سخت کالا تھا
کوئی پردے سے کیا نکلا کہ گھر گھر میں اجالا تھا

چونکہ دنیا میں تاریکی اور اندھیری چھائی ہوئی تھی اور افراد انسانی کے قلوب پژمردہ ہو چکے تھے۔ ایک معبود کی جگہ تین سو ساٹھ بتوں کی پوجا ہو رہی تھی۔ ایک برادری والے دوسری برادری سے بغض و عناد کی آگ بھڑکا رہے تھے۔ خونریزی اور فساد کا طوفان برپا تھا۔ نادانی اور جہالت کا یہ عالم تھا کہ اپنی اولادوں کو زندہ درگور کرنے میں بے دردی کے ساتھ کام کیا جا رہا تھا۔ شراب نوشی اور عیاشی کا بازار حد سے تجاوز کر چکا تھا۔

ظاہر بات ہے جس گھر کے اندر دیپک نہ جلے۔ اس گھر کی تاریکی سے دل دہشت زدہ رہتا ہے۔ اسی طرح لوگوں کے قلوب نور ایمانی کی بجائے تاریکی اور ظلمت کا مسکن تھا۔ ان کے دل کی دنیا کا کچھ اور ہی عالم تھا۔ اچھی بھلی اور زریں باتیں ان کے دل کی تجوری میں سما نہیں سکتی تھی۔

ایسے عالم میں اس بات کی ضرورت تھی اور وقت کا تقاضہ بھی یہی چیز کو پکار رہا تھا کہ کوئی شمع ہدایت بشکل انسانی، انسانیت کا جامہ پہن کر آئینہ حق نما بنکر اس سطح زمین پر چمکے۔

چونکہ ہر ایک مہینہ اپنے اپنے خاص خاص فضائل وکمالات پر ناز کرتا ہے۔ یہ بات روز روشن کی طرح ظاہر ہے کہ ماہ رمضان کو شرف حاصل ہے۔ صوم فی النہار، اور قیام فی اللیل کے اعتبار سے اور دوسری خوبی یہ ہے کہ باری عز اسمہٗ نے بھی اس کی ثنا یوں فرمایا ہے۔ شھر رمضان الذی انزل فیہ القرآن (رمضان کا مہینہ جس میں قرآن نازل ہوا۔

ماہ شوال کو خوشی ہے "عید" کی وجہ سے تو ماہ ذیقعدہ کو مسرت ہے۔ جنگ کے حرام ہونے پر، اس لئے کہ اس مہینے میں عرب والے جنگ نہ کرتے تھے اور جنگ وجدال سے خاموش بیٹھے تھے۔

ذی الحجہ کا مہینہ اس تاریخ کہنہ کی یاد کو تازہ کرتا ہے۔ اس لئے کہ اس میں ایثار خلیل اللہ علیہ السلام کھلتا ہے اور ذبح اسمٰعیل علیہ السلام بھی ہے گویا کہ یہ مہینہ بھی اپنے آپ چند خوبیوں کا مالک ہے۔

ماہ محرم الحرام اپنی گوناگوں خوبیوں کے ساتھ ہر سال امام حسینؓ اور دیگر شہدائے کربلا کی تاریخ المیہ کی طرف ذہن انسانی کے توجہ کو راغب کرتا ہے۔ رہتی دنیا تک ان شہدا کی یاد تازہ ہوتی رہے گی۔ دنیا کی کوئی تاریخ اس عظیم الشان کارنامہ کو فراموش نہیں کر سکتی۔ ع۔ اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد۔

صفر المظفر کا مہینہ بھی سفر نہیں ہے بلکہ یہ مہینہ بھی فدایان اسلام کے ماننے والوں کو درس عبرت دیتا ہے کہ اے اسلام کے شیدائیو! اگر تمہارے اوپر بھی رنج والم کا پہاڑ ٹوٹ پڑے تو اسلام کے دامن کو اپنے ہاتھ سے نہ چھوڑنا اگر اسلام میں ثبات قدمی سے تو نے کام لیا تو دنیا کی کوئی ایسی طاقت نہیں ہے جو تمہیں قعر ذلت کے گھاٹ اتار دے مذکورہ بالا مہینے اپنے فضائل وکمالات کا اظہار کر رہے ہیں۔ تو ربیع الاول شریف کا مہینہ بھی پکار اٹھتا ہے اور بزبان حال کہتا ہے کہ ہم بھی بصد فخر وناز یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہم میں بھی حبیب خدا محبوب کبریا امام رسل، خاتم النبیین، شہنشاہ کونین سلطان دارین کی پیدائش ہوئی ہے۔ ع۔

کونین کے ذرہ ذرہ میں ہے جلوہ نمایاں عام تیرا

زمانہ کروٹ لیتا ہے۔ ربیع الاول کا مہینہ آنکھ کھولتا ہے۔ ارض وسماء کے ہر ایک ذرے میں خوشی کی کرن دوڑ جاتی ہے ہر شئے خوشی میں لب کشا ہے۔ ماہ سے ماہی تک اس باری عز اسمہٗ کی تسبیح خواں ہے۔ ایک دوسرے سے پوچھتا ہے کیا بات ہے کہ موجودات کے ذرے ذرے میں اس قدر پرمسرت بہار آج آئی ہوئی ہے ؎

ادھر سطح فلک پہ چاند تارے رقص کرتے تھے ادھر روئے زمیں کے نقش بنتے تھے سنورتے تھے

جب ربیع الاول کی بارھویں تاریخ قریب آتی ہے تو لیل ونہار کی تمنا ہوتی ہے بارگاہ رب العالمین میں شب وروز فریاد کرتے ہیں تو ان کی آرزوئیں پوری ہوتی ہیں۔ صانع عالم اپنے محبوب ماہتاب نبوت کے تشریف آوری کا وقت صبح صادق مقرر فرماتا ہے جب ۵۸ھ بارھویں ربیع الاول کی شب دوشنبہ اپنی آنکھیں بند کرنے کو تیار رہتی ہے تو سورج اپنی ضیا پاشی کی تیاری کر رہا ہے اس وقت آئینہ حق نما اس مادی دنیا میں عرب کی سرزمین میں اپنے امتوں کیلئے شمع ہدایت بنکر تشریف لاتے ہیں۔ سید الکونین ختم المرسلین احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ...

گھریلو اُلجھن اور صحابہؓ کی رہبری

جناب پروفیسر سیّد عبدالحئی — شعبہ علم معاشیات کالج آف کامرس۔ پٹنہ

گھریلو زندگی کی اُلجھن اتنی عام ہے کہ شاید ہی کوئی گھر کسی نہ کسی سطح پر اس مرض میں پھنسا ہوا نہ ہو۔ اور پھر اس کے اثرات سے اُس گھر کے ذمہ دار قلبی صدمہ میں مبتلا نہ ہوں۔ تصنّع اور بناوٹ اس دَور کی اہم خصوصیات میں سے ہیں۔ اس لئے یہ بھی ممکن ہے کہ شاید ہی کوئی شخص بیباکی اور صاف بیانی کے ساتھ سامنے آکر اس بات کا اقرار کرے کہ میرا ذہن متفکر اور میرا گھر اُلجھا ہوا ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ کسی نہ کسی سطح پر یہ اُلجھاوے ضرور ہوتے ہیں۔ یہ بات ضرور ہے کہ دبتے دباتے عرصًا لحاظًا زندگی گذرتی رہتی اور وقت کٹتا چلا جاتا ہے۔ بیچ بیچ میں یہی اُلجھاوے ہیں، جو خطرناک شکل بھی اختیار کر لیتے ہیں اور نتیجۃً باپ ہو یا بیٹا، ماں ہو یا بیٹی۔ سسُر ہو یا داماد، شوہر ہو یا بیوی، رشتہ دار ہو یا پڑوسی۔ مقروض ہو یا مہاجن۔ نوکر ہو یا مالک۔ مکان دار ہو یا کرایہ دار، ایک کو دوسرے سے الگ کر دیتے اور ذلیل و بدنام بنا کر الگ کرتے ہیں۔

اتنے اہم موضوع پر جس کی سازگاری اور بہتری پر یہ دنیا جنت بن جاتی ہے۔ افسوس ہے کہ خاطر خواہ طور پر ان باتوں کی فکر اتنی نہ کی جاتی، جتنا کہ اس کا حق ہے۔ اگر اس موضوع پر صحیح اور مستحکم و مستند محنت کی جائے، تو پھر اتنا ہی نہیں کہ جنگ و جدال، شکوہ و شکایت دل آزاری اور بدخواہی و ایذارسانی سے ہر شخص اپنوں کے ہاتھ محفوظ ہو جائے۔ بلکہ ہر شخص کو اپنے ماحول اور اپنے گھر میں بہترین و جاں نثار، فدائی و بے غرض ہمدرد و پُرخلوص خادم مل جائے۔ گھریلو زندگی میں یہ ایک فطری باتیں ہیں اور خدا نے ہر انسان کو اسی جذبہ کے ساتھ پیدا کیا ہے۔ یہ ہر شخص کی بھوک ہے اور ایسا کرنے پر ہی اُسے سکون ملتا ہے۔ مگر افسوس کہ یہی افراد اپنے اعمال سے ایسے اُلجھنوں کو جنم دیتے ہیں۔ جسے وہ نہیں چاہتے اور جو حالات ان کا اصلی مقصد و مسرت ہے وہی بات ان کے توڑ پھوڑ و تخریب و بربادی کا مرکز بن جاتی ہیں۔ نفس و شیطان کی قیادت میں اب ان کے قلب و دماغ اتنے اُلٹے مخالف اور ٹیڑھے ہو جاتے ہیں کہ اب اپنوں کی ذلت، مفلسی اور لاچارگی اچھی لگنے لگتی ہے اور ان بدتر حالات کو پہونچانے اور لانے میں اپنے کو شریک کرنا اور قوت لگا کر بربادی تک پہنچا دینا ایک مقصد نیک اور کارنامہ مقدس بن جاتا ہے۔ ان باتوں کو مثال کے طور پر رکھنے کے لئے ہمیں کوئی کد و کاوش کی ضرورت نہیں

بلکہ اتنا اشارہ کافی ہے کہ ہر شخص اپنے آپ کو جھانک لے اور آگے بھیانک و قابلِ افسوس باتوں کا بھی مشاہدہ کرنا چاہتا ہو تو پھر عدالتوں، کچہریوں ۔ ثالثی اور پنچایت و پلس کے اڈوں سے ہو آئے ۔

گھریلو الجھن یہ انسانی مزاج کی پیداوار میں جو عمل اور ردعمل کے طور پر چھوٹی بڑی وجہ کر کے ہوتی رہتی ہیں ۔ لہٰذا سب سے پہلے تو ہم ان الجھنوں کا اچھی طرح جائزہ لے لیں اور دیکھیں کہ خود اپنی ذات ان الجھنوں کو پیدا کرنے قائم رکھنے اور بڑھانے میں کہاں تک ذمہ دار ہے ۔ اور واقعتہً کہیں نظر آئے تو پھر فوراً ہی اسے سدھارنے کی مناسب تدبیر اختیار کی جائے، تاکہ یہ معاملہ اسی دنیا میں ختم ہو جائے ۔ ورنہ پھر یہ معاملہ چونکہ بندوں اور بندیوں کے حقوق سے وابستہ ہے اور جس کی کوئی معافی نہیں اور حشر میں جس نے جس کی حق تلفی کی ہوگی، جسے جتنا ستایا اور الجھایا ہوگا اور جن جن طریقوں اور راہوں سے اس نے حق و صداقت و انصاف کی راہوں کو بند کر کے شر و فساد و الجھادے کی راہوں کو کھولا ہوگا وہ ساری ذمہ داری اس کے سر ہوگی ۔ اتنا ہی نہیں بلکہ مرنے کے بعد بھی تا قیامت ایسے شخص کے ذریعہ پیدا کردہ الجھاوے آگے جتنے الجھاؤوں کو جنم دیتے رہیں گے وہ سارے گناہ بھی ذخیرہ بن کر اسی کے سر کے بوجھ بنیں گے ۔ قابیل نے بھائی ہابیل کو قتل کر کے جس جرم کی ابتداء کی اب قیامت تک اس نقل پر جتنے بھی وارداتِ قتل انسانی کے ہوں گے، اس کا بوجھ قابیل کے سر پر بھی پڑتا رہے گا ۔

گھریلو الجھن

یہ وہ الجھن ہے جس کا لگاؤ ہر شخص کے اس ماحول سے ہے، جو ماحول اس کا اپنا گھر ہے ۔ جو اس کے سکون کا اڈا اور فکر و تھکان کو دور کرنے اور ہر غم کو بھلا دینے کی آماجگاہ ہے، یہ وہ مقام ہے، جو ہر مرد و عورت کا آخری دنیاوی بسیرا اور ہنسنے، مسکرانے اور اپنے آپ کو تازہ کر لینے کی جگہ ہے ۔ مگر وائے ناکامی کہ گھریلو الجھن بسا اوقات ایسی شکل اختیار کر لیتی ہے کہ یہی گھر ذہن کو ٹھیس لگانے والا، اکتانے اور گھبرانے والا مردوں کو شراب خانہ اور کلب میں ٹھکانہ بنوانے والا اور عورتوں کو خودکشی کرانے والا بن جاتا ہے ۔ الجھے گھر کا ماحول، گھر کے افراد کو اس سطح پر لے آتا ہے کہ اگر وہ مرد ہے، تو زیادہ سے زیادہ وقت باہر رہ کر اوباش ساتھیوں میں گذار دیئے اور بس اس انداز سے اتنا وقت لے کر آئے کہ کھائے، پیئے سو رہے اور پھر اٹھتے ہی کچھ میسر آگیا تو کھا پی لی اور پھر چلتا بنے اور اگر عورت ہے تو چپ چاپ خاموش رہ کر سِل و دِق کی مریضہ بن جائے اور کچھ دنوں بعد قبرستان پہنچ جائے ۔ ایسے حالات کو پیدا کرنے میں مرد و عورت دونوں الگ الگ بھی اور پھر اجتماعی طور پر بھی ذمہ دار ہیں ۔

مردوں کا عام طور پر اپنا قصور یہاں سے شروع ہوتا ہے ۔ جبکہ انہوں نے ابتداء ہی سے کوئی دینی تعلیم و تربیت نہ پائی اور بعد میں یا تو غلط سنگھت و ہم پیشہ و ہم خیال لوگوں کے ساتھ رہ کر یا تو ملحدانہ، دہریانہ نظر سیاسی کے تاثرات

بھی غیر ذمہ دارانہ اور آوارہ باش رہنے کی عادت ڈال لی ہے ۔ یا ایسے عادات و خصائل مثلاً شراب و تاڑی تاش و شطرنج و جوئے بازی و سینما بینی وغیرہ کو شغل بنالیا ہے ۔ یا پھر کاہل و نکمے و بزدل و مریض خانہ بن کر اپنے اولاد و بیوی و والدین کی ذمہ داریوں کو فراموش کر بیٹھے ہیں ۔ یا پھر کچھ ایسی دلچسپی پیدا کرلی ہے ۔ جس میں ان کی ذات سے گھر والوں کا فائدہ ہونے کے بجائے مال، اثاثہ، جائداد و زیورات ہر کچھ مدت کے بعد بکتے ہیں اور برباد ہوتے چلے جاتے ہیں ۔ یا کچھ ایسے مجرمانہ حرکات کے عادی بن گئے ہوں کہ ان کی ذات گاؤں و محلہ و شہر و ملک میں حقارت و ذلت اور انگشت نمائی کا مرکز بن گئی ہو ۔ مثلاً مقدمہ بازی کا شوق پیدا کرلینا ۔ سودی مہاجنی کاروبار سے دوسروں کا مال غصب کرنا ۔ نہایت ہی بے شرمی کو راہ دے کر سبھوں سے قرض مانگ مانگ کر اپنی ضروریات کو پورا کرنا ۔ نہایت ہی بے باکی اور بے حیائی کے ساتھ ہر کے گھر اور کوارٹر میں بن بلائے مہمان بن جانا ، موقع کی تلاش میں لگ کر وقت آتے ہی فوراً چندہ کی رسید چھپوا کر یا بغیر چھپائے ہر فرد کے پاس پہنچ جانا ۔ غیر قانونی اور ناجائز کاروبار یا اسمگلنگ وغیرہ کا پیشہ کرنا ۔ ہر متمول با اثر ذی اقتدار اور عہدہ دار سرکاری یا غیر سرکاری افسران و منسٹران وغیرہ کا گھونسہ، مکا کھا کر اور لعن طعن سن کر بھی اپنی رسائی پیدا کرنا، تاکہ لوگ یا تو ایسے بھی بڑے کا مصاحب سمجھ کر بڑا جانیں ۔ یا اس رسائی سے کچھ ناجائز ہی سہی مگر آمدنی کے راستے نکل آئیں وغیرہ وغیرہ ۔

ہمارے بھائی اگر بغور معائنہ فرمائیں تو پتہ چلے گا کہ سرے سے ہی ایسے لوگ اثاثہ انسانی سے خالی ہیں ۔ جسم و جان کے اعتبار سے واقعتاً یہ مردہ ہیں ۔ اعلیٰ قدریں تو بالکل ہی ناپید ہیں ۔ محض حیوانی تقاضوں کو پورا کرنا اور انہی مصلحت پر کبھی دوڑ پڑنا ، کبھی چھپ جانا ، کبھی بھاگ نکلنا اور موقع ملتے ہی پھر پیٹ بھر کھالینا اور چرلینا ۔ کبھی اڑ پڑی تو پٹ جانا اور زیادہ زور دار پڑی تو ممیا دینا اور موقع ہاتھ آگیا تو کاٹ لینا اور لتاڑ بھی مار دینا ۔ پیٹ خالی ہے تو بال بچوں سے بھی چھین لینا اور اگر بھرا ہے تو چھوڑ دینا ۔ گوبر لید غلیظ، کسی بات کی تمیز نہیں جہاں موقع ملا سو گئے ۔ لیٹ گئے یعنی ان افراد کے اندر تو اسلام بہت دور عام انسانی خصوصیات بھی غائب ہیں ۔ اب سمجھا جائے کہ ایسا مسلمان مرد کتنا خطرناک خود غرض، نفس پرست، شریر اور سماج کو پھاڑ کھانے والا درندہ ہے ۔ ایسا مرد مسلمان گھرانے میں کس قدر باعث تضحیک اور اسلام کے لئے کس قدر شرمناک مثال ہے ۔ ایسے مردوں کے رہتے ہوئے کیا کوئی امید کر سکتا ہے کہ اسلام غیروں کی نظر میں بھی مرغوب اور باعث کشش ہو ۔ ایسے افراد کھلے ہوئے خدا کے دشمن اور خدا کی دنیا میں فساد و ابتری پھیلانے والے ہیں ۔ ان کی ذات صرف الجھنوں کی گہوارہ ہے ۔ اور ان کی ہوا سے گھر تو گھر باہر کی فضا بھی الجھی رہتی ہے ۔ عمومی طور پر ایسے افراد اب مسلمانوں کے ہر طبقہ اور ہر گھرانوں میں مل رہے ہیں ۔ یہ بات غلط ہوگی کہ اس خصوصیت کے نشان دہی کے لئے ہم صرف پست اور پچھڑے ہوئے طبقہ کو چن لیں

اصل میں ابتدائی بے تربیتی والدین کی جہالت اور دین اسلام سے دوری نے وہ زہر ڈالے ہیں کہ ہمارے اندر

صفات انسانی کا فقدان ہو چکا۔ اور مکمل طور پر شیطانیت حادی ہے۔ شیطان صرف اعمال کے اعتبار سے ہی نہیں۔ بلکہ میدان عملی یا کر علم کے اعتبار سے بھی گھس گیا ہے۔ ایسے افراد مسلم سماج میں بہت ہی آخری درجہ کے مریض ہیں اور جن کے لئے سوا اس کے اور کوئی دوسرا علاج نہیں کہ انہیں از سر نو مسلمان بنایا جائے۔ محض اخلاقی و متمدنی تربیت بالکل کارگر نہ ہوگی۔ بلکہ ان بھائیوں کے ساتھ ایک مخلص ڈاکٹر و حکیم جیسا سلوک کیا جائے۔ اور سب کچھ کھری کچی سن کر اور سہہ کر انہیں گندا گرکٹ سے اٹھا کر دینی اسپتال یعنی مسجد والے ماحول میں لے جایا جائے اور ان کی فکر پر ضرب لگا کر جگایا جائے کہ وہ ایسا کر کے آخر کس کا نقصان اور کس کا برا کر رہے ہیں؟ افسوس ہے کہ مریض تو مریض۔ وہ افراد جو اس مریض کے تعفن اور سرانڈ سے پریشان ہیں، وہ بھی اس بات کو اتنی نزاکت کے ساتھ نہیں سمجھ رہے ہیں اور الجھنیں بڑھتی جا رہی ہیں۔

عورت

عورتیں خصوصی طور پر بیویاں اپنی ایک ذہن خاص کے وجہ کر ان دنوں اسلامی معاشرے میں زیادہ الجھن پیدا کر رہی ہیں۔ عورتوں کے اندر بھی علم دین کا ایسا فقدان ہے۔ اور اسلامی منشار و مطلب سے اتنی دور ہٹ گئی ہیں کہ انہیں اپنے مقام کا اور اپنی حیثیت کا بالکل پتہ نہیں۔ عورت ایک بہترین دوست اور برابر کی شریک حیات ہوتے ہوئے بھی مرد کی ماتحت اس کے گھر کی منیجر و مالکن ہے۔ مرد کے حسب منشار اس کی حیثیت مطیع کی ہے۔ وہ آزاد و خود مختار و بے روک فرماں روا نہیں بن سکتی۔

ان دنوں جتنی لڑکیاں پڑھے لکھے اور شریف گھرانوں سے تیار ہو کر بیوی کی حیثیت سے گھر میں آرہی ہیں۔ وہ ظرف کے اعتبار سے بہت ہی پست، شعور کے طور پر بالکل مردہ، جسمانی طور پر کاہل و سست ذہن صرف پیدا ہوتا سادہ ہی نہیں، بلکہ اسلام مخالف ہے۔ عورتوں کے ذریعہ اسلام کن تقاضوں کو پورا کرنا چاہتا ہے۔ انہیں کس طرح شوہر کے ساتھ جوڑ پیدا کر کے اسلام کو فروغ دینا اور دین کو قائم رکھنا ہے۔ اس کا ہوش و حواس ہماری عورتوں کے ذہن سے جاتا رہا۔ اپنی ہم جنس غیر مسلم عورتوں کی نقل اور ان کے ہم پلہ رہنے کی خواہش نے انہیں ایسا دیوانہ بنا دیا ہے کہ بس نت نئے فیشن، نیا سلیقہ، ڈھنگ یعنی ظاہری نام و نمود و سجاوٹ اور تہذیب کی وہ دلدادہ، جاں نثار اور فکر مند بنی پڑ رہی ہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ عورتوں نے بناؤ سنگار و آرائش و زیبائش، بے باکی و بے حیائی کو تو آزادانہ اختیار کر لیا ہے۔ مگر اپنے دین اسلام کے اصول و مقصد کو سمجھا ہی نہیں۔ نتیجتہً یہ معاملہ ذہنی اعتبار سے الجھن و ٹکراؤ پیدا کر رہا ہے۔

اندرونی طور پر عورتیں اپنے اس رویہ کے خلاف مداخلت کی تاب نہ لا کر ایسی زندگی اختیار کر رہی ہیں۔ جو زندگی انہیں مستقل ارتداد کی راہ پر رکھ رہی اور اسلام سے کاٹ رہی ہے۔ مسلم عورتوں کا عمومی طور پر گھر سے باہر ہو جانا اور بلا عذر شرعی کے ایسے ذریعۂ معاش کو پکڑ لینا، جو انہیں اپنے شوہر کی خوشنودی و رضا سے تو محروم کر دے اور دوسرے غیر مرد

چاہییں کہ غیر مسلم مرد یا ان کے ساتھی غمخوار و مددگار بن جائیں۔ انہیں کے ساتھ رہنا پڑے بول چال اور کام کرنا پڑے یا اُن اصول و ضابطہ کی پابندی نہ ہو سکے، جو معاشرتی طور پر اسلام نے عورت پر فرض کئے ہیں۔ یہ ساری باتیں مسلمان عورتوں کے لئے زہر ہلاہل ہیں اور انہیں اسلام سے ہی خارج کر رہی ہیں۔ مگر یہ ساری باتیں ان دنوں زور پکڑ رہی ہے اور ہر دن رات اپنے رفتار کے ساتھ عورتوں کے اندر یہ وبا مرض متعدی کی طرح پھیل رہا اور جڑ پکڑ رہا ہے۔ اسلامی طریقہ زندگی کو ان کر پھر اُن طریقوں کی مخالفت میں اپنی زندگی کو لا کھڑا کرنا اُلجھن پیدا کرنا ہی ہے۔ اور آج عورت کی ذات سے اکثر گھروں میں اُلجھن ہے۔

اس کا علاج سوا اس کے اور کیا ہو سکتا کہ والدین اپنے بچیوں کے تربیت و تعلیم پر ہوشیار ہو جائیں اور عورتیں جو اس زد میں آچکی ہیں از سر نو اپنی حقیقت کو پہچانیں اور مرضی خداوندی کو سمجھیں۔ قوم مسلم کی غرض و غایت کو جانیں۔ اور پھر اسلامی معاشرے میں عورت کی ذات کن کاموں اور کن عادتوں سے اسلام کی مددگار ہے اور رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے ان اصولوں پر کس طرح صحابیہؓ کی زندگی گذروائی۔ سمجھنے کی کوشش کریں۔ دینی مسائل کو سیکھیں اور سکھائیں اور بالخصوص اسلام کے مزاج کو سمجھنے کی کوشش کریں۔ حدیثیں تو بہت ہیں اور مسائل بھی بہت ہیں۔ مگر مزاج اسلام ایک ہی ہے اور وہ یہ کہ اس دنیاوی زندگی میں ہر ایک مسلمان مرد و عورت کو اپنے اعمال سے اللہ رب العزت کو خوش کرنا ہے۔ یہاں دنیا میں ہر فرد مسلم کو ضبط کرنا۔ مجاہدہ کرنا، قربان ہونا۔ اللہ کے لئے دوسروں کی ماننا اور اُسی پاک ذات کو خوش رکھنے کے لئے اپنے نفس و طبیعت مزاج و خواہش کو توڑ دینا اور چھوڑ دینا ہے اور اس طرح جب ہم اپنے مالک کو یہاں خوش کریں گے۔ تو اللہ رب العزت ہمیں وہاں بے انتہا خوش کر دے گا جہاں واقعی ہم محتاج و غریب و کنگال ہوں گے۔

حیلہ و حوالہ، چوں و چرا، مفتری و فتنہ پرور و باغی و خدا دشمن اور آوارہ طبیعت مرد اور عورتیں تو دنیا میں ہمیشہ رہے اور رہیں گے۔ اسی طرح زمانے و دنیا کی رسم و نئے فیشن و نئی روشن تو برابر رہی اور تا قیامت رہے گی۔ بلکہ ہر آن اور لمحہ بڑھتی ہی جائے گی۔ ان حالات میں مرد مومن ہو یا عورت مومنہ اُسے ایمان و آخرت و صبر و ضبط و آزمائش و جہاد و توکل و قربانی کے معنی و مفہوم کو اچھی طرح سمجھنا چاہیئے۔ اُخروی بھلائی و رضائے الٰہی کوئی مسلمان مرد و عورت کا موروثی ترکہ نہیں ہے جو اسے مرتے ہی مل جائے گا۔ یہ باپ کی جائداد، دادا کا مکان اور نانا کی دکان نہیں ہے۔ جس میں اس کو حصہ ملے گا ہی خواہ وہ باپ و دادا و نانا سے ہمیشہ بھاگا بھاگا ہی کیوں نہ رہا ہو۔ آخرت کی بھلائی اور خدا کی رضا، یہ وہ اُونچی بات ہے جس کے لئے انبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی ہمیشہ متفکر رہے اور فرائض نبوت کی انجام دہی میں ہمیشہ ڈرتے رہے کہ نہ معلوم اللہ رب العزت کو کون سی ادا ناپسند آجائے۔ ہر گھڑی سارے انبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی اللہ کی بڑائی اور توبہ و استغفار میں گذری۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جن کی ہم اُمت ہیں اور اللہ رب العزت نے آپ کی اُمت بنا کر ہم پر جتنا احسان کیا ہے ایسا

انعام اگلی کسی امت کو نہ ملا۔ ایسے نبی جو سردار انبیاء ہیں اور جن کی وجہ کر کائنات بنائی گئی اور جو نہ ہوتے تو کائنات بھی نہ ہوتی وہ تو دعاء مانگتے تھے۔ اس مفہوم میں کہ "اے خدا میرا والی بن جا۔ میری رہبری فرما اور مجھ سے ناراض نہ ہو۔"

ان تعلیمات اور اعمالؐ کی روشنی میں آخر ہمارے سماج کے مسلمان عورتوں نے اپنے متعلق کیا سوچ رکھا ہے۔ میری ماں بہنیں سمجھیں کہ یہ انعامات انہیں کردار پر بنتے ہیں جو نفس اور روش کے مخالف ہو۔ اور جب تک اُن اعمال رسولؐ پر ایک عورت کاربند نہیں ہوتی۔ یہ ناممکن ہے کہ اس کی ذات سے گھریلو زندگی کے اُلجھاوے ختم ہو جائیں۔ یہ ایسی اہم اور بنیادی باتیں ہیں جسے ہر عورت کو اسی طرح اختیار کرنا ہوگا جس طرح مرد اپنے بنیادی ذمہ داریوں کو پکڑے بغیر اپنی ذات سے اُلجھاوے کو نہیں دور کر سکتا۔

اسی طرح صحابیہؓ کی زندگی سے جو رہبری صاف ہو کر سامنے آتی ہے، وہ یہ کہ مسلمان عورتیں بالکل ہی اپنے اعمال کو گھریلو احاطہ تک محدود رکھیں اِلّا یہ کہ کوئی عذر شرعی ہو۔ لباس و روش و دیگر طریقۂ اعمال میں اس بات کا پورا لحاظ رکھیں کہ اسلامی شرافت و تقدس کو ٹھیس نہ لگے اور آخری بات یہ کہ خدا نے انہیں شوہر کا مددگار و معاون بنایا ہے۔ کسی لمحہ بھی ایسی بات نہ ہو کہ شوہر گھبرا کر یا مایوس ہو کر شرک و کفر میں لذت پکڑ لے اور اسلام بجائے پروان چڑھنے کے اسی گھر میں دم توڑ دے اور پھر یہودیت و نصرانیت و شرک و کفر و ارتداد چٹخارہ لے کر اسی گھر میں پھلنے اور پھولنے لگے۔ میری ماں بہنیں خوب سمجھ لیں کہ اگر انہوں نے دل کو تھام کر اسلام اور دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کر لی تو یقین رکھیں اللہ رب العزت جو بڑا رحم والا اور غیرت والا ہے، کبھی انہیں دنیا و آخرت میں ... والی نہ چھوڑے گا۔ یہ اللہ کا وعدہ ہے، جسے اسے مالک نے ہمیشہ اپنے وفادار بندوں کے ساتھ پورا کیا۔

مرد، عورت مشترک

کچھ اُلجھنیں باہمی ہیں، جو شوہر و بیوی دونوں کے وقت بے وقت رویہ و حرکات و اعمال و سلیقہ و بے اصولی کی وجہ کر ہوتی رہتی ہیں۔ یہاں پر دونوں کی ذات سے اُلجھاوہ محض مزاج کی تیزی اور دل کی تنگی کی وجہ کر ہوتا رہتا ہے اور کچھ دنوں کے بعد دونوں ایک دوسرے کے لئے ذہنی کوفت اور دل کا گھاؤ بن جاتے ہیں۔ اس اُلجھن کو پیدا کرنے میں سب سے زیادہ دخل غلط سلیقہ[1]، گفتگو اور دوسرے پیسہ کوڑی کے معاملات کو ہے۔ یہ پیسہ کوڑی کا معاملہ ایسا ہے کہ ایک طرف تو لوگ اس کے متعلق سوچنا اور اس کے اصول کو مرتب کر کے اس پر چلنا معیوب سمجھتے ہیں۔ دوسری طرف اس کی ضرورت ایسی ہے کہ شوہر ہو یا بیوی کوئی بھی اسے نظر انداز کر کے زندگی گزار لینا چاہے تو وہ بھی ناممکن۔ نتیجۃً ہر اُن گھروں میں جہاں اس کے واضح اصول اور انفرادی

---

[1] نوٹ: دیکھئے "المجیب" ماہ محرم ۱۳۹۲ھ

آزادی کا دائرہ مقرر نہیں۔ یہ آپسی زندگی میں الجھاوے پیدا کرتا ہے۔ عورتیں عام طور پر مشکوک ذہنی خطرات مستقبل اور قوت دل کی کمی کے باعث چوری کی راہ اختیار کر لیتی ہیں اور ہر دن گھریلو اخراجات کی زیادتی یا مستقل گھریلو خرچوں یا گرانی کا سہارا لے کر اپنا چھپا بینک بڑھانے کی کوشش میں لگی رہتی ہیں۔ دوسری طرف یہ عادت مکروہ، جو سراسر بے اعتمادی پر مبنی ہے، مردوں سے پوشیدہ نہیں پاتی اور اب شوہر حضرات بھی اس بات کو ذہن میں چھپائے اخراجات کو پورا کر دینے میں کوتاہی کرنا اور بھاگنا شروع کر دیتے ہیں۔ چونکہ پیسہ عورت کو بہت عزیز ہے اس لئے بیوی جانتی ہے کہ فکر بڑھا بڑھا کر پیسہ کماؤ اور جمع کرو اور مرد چاہتا ہے کہ اس کے فکر پر زیادہ بوجھ نہ پڑے۔ اس کشمکش سے گھر کی فضا بہت متاثر ہوتی ہے اور گھریلو زندگی میں وہ بشاشتی اور والہانیت نہیں پیدا ہو پاتی۔ اس الجھاوے کو ابتدا ہی سے ختم کر دینا بہت ہی ضروری ہے، تاکہ شوہر و بیوی، جو اس سرزمین پر خدا کی طرف سے عطیہ کردہ ہستیاں ہیں، دو جان ایک قالب بن کر زندگی گذار سکیں۔

جہاں شوہر و بیوی دونوں بالترتیب باعلم و باشعور ہیں اور شریعت کے مزاج کو پہچاننے اور سمجھنے میں وہاں اس بات کی قطعی گنجائش ہی نہیں کہ مالیات سے متعلق آپسی زندگی میں الجھن پیدا ہو۔ یا شریعت گھرانہ تو خود ڈرا ڈرا اور سہما رہتا ہے کہ نہ معلوم فرائض و حقوق کی ادائیگی میں کہاں چوک و بھول ہو جائے کہ خدا کے سامنے مجرم بن کر حاضر کیا جاؤں۔ اس لئے شوہر بھی چاہے گا کہ بیوی اپنے حق سے زیادہ استعمال کرے، تاکہ دنیا کا بوجھ آخرت میں نہ جھیلنے پائے۔ اسی طرح بیوی بھی چاہے گی کہ شوہر کے تحت فرائض و حقوق کی ادائیگی میں کسی نسبت سے بددیانتی یا خیانت نہ ہو، تاکہ آخرت میں نہ پکڑی جاؤں۔ بلاشبہ دین دار گھرانے تو جنت کا نمونہ ہیں اور یہاں الجھن آ ہی نہیں سکتی۔ اس لئے کہ یہ نقش صحابہ و صحابیہ اور اپنے اسلاف کے نقش قدم پر ہیں۔ مگر ایسے گھرانوں کی تعداد کتنی ہے۔ تعداد میں ایسے جنتی میاں بیوی اولاً تو صاف دکھائی نہیں پڑتے اور ہیں بھی تو اتنے کم جن سے پورا ماحول کا کام نہیں چل پاتا۔ کثرت ایسے گھرانوں کی ہے، جہاں یا تو دونوں کے دونوں دنیا دار، یا اگر کسی کو شریعت کی پہچان ہے، تو وہ بھی اپنے نفس کے حد ہی تک۔ بہرحال ان حالات میں اس سے کم کا اور کوئی راستہ اور رہبری صحابہؓ کی زندگی سے ہر دو فریق کو نہیں مل سکتا کہ دونوں ایک دوسرے پر اعتماد کر کے مالیات سے متعلق آزاد ہو جائیں۔ اللہ رب العزت کے پیارے رسول نے مسلمانوں کے تحت خوش گمانی کی نصیحت فرمائی ہے۔ اس طرح شوہر فراخدلی کے ساتھ حساب و کتاب پر نظر رکھے بغیر بیوی پر اعتماد کرے اور بیوی اپنے گھریلو انتظام خوف آخرت کو سامنے رکھ کر کام کرے۔ عورت چونکہ اندرونی اخراجات کی منتظم ہے۔ اس لئے اس مد کی ساری ذمہ داری بھی عورت پر ہے۔ اچھا کرے گی یا اچھا پائے گی اور برا کرے گی، خدا کی طرف سے برائی پائے گی۔ لہٰذا مردوں کو ان امورات پر بالکل آزاد رہنا چاہیئے اور خواہ مخواہ تجسس و شک کے مریض بن کر بے جا مداخلت کے سزاوار و گنہگار نہ بنیں اور آپسی اعتماد کو کھو کر گھر کی فضا کو نہ الجھائیں۔

دوسری طرف بیوی کو بھی چاہیئے کہ مرد اپنے وسعت و صلاحیت کو استعمال کر کے حسب تقدیر جو آمدنی حاصل کرے

اسی میں گھر کو چلائیں۔ خدا کی بنائی ہوئی تقدیر پر قانع رہیں اور خرچ کرنے کے بعد جو کچھ بچے اسے امانت اور شوہر کی ملکیت سمجھیں۔ عورتوں پر اچھے انتظام کی ذمہ داری بھی خدا نے ڈالی ہے اور دیانت و محنت کا ثبوت دے کر شوہر کے مال کو کفایت شعاری کے ساتھ خرچ کریں اور بچا کر اس کی راحت و دماغی سکون کا سامان پیدا کریں۔ عورتیں اس غلط فہمی کو ذہن سے نکال دیں کہ گھر کے انتظام میں پوری محنت و کفایت شعاری کے بعد جو رقم بچ جاتی ہے وہ عورت کی ملکیت ہے اور اس پر مرد کا کوئی دخل نہیں۔ یہ بات سراسر غلط اور غیر شرعی ہے۔ عورتیں اپنے ذہن سے اس جہالت کو جڑ سے اکھاڑ کر پھینک دیں۔ یہ اتنا خطرناک معاملہ ہے کہ نہ معلوم کتنے جرم جیسے بددیانتی۔ حق تلفی۔ خیانت۔ غصب۔ بدعہدی وغیرہ سزاؤں کا مستحق بنا دیتی ہے۔ عورتیں محنت کر کے اس کے انعامات کو اگر دنیا ہی میں لینا چاہتی ہیں تو بتائیں وہ آخرت میں کیا لیں گی؟ بچا تو وہ قربانی، وفاداری، اطاعت و خلوص ہے۔ جس کا بدلہ ہر عورت آخرت میں پائے گی۔ خوب یاد رکھیں کہ بیوی شوہر کے مال کی امین ہے، مالک نہیں۔ پورا مال خرچ کرتے ہوئے بھی محافظہ ہے، فرماں روا نہیں۔ اپنی حاکمیت چلاتے ہوئے بھی منیجر ہے، آقا نہیں۔ اس طرح اگر عورتوں نے اپنے ذہن اور رویہ کو اسلام کے مزاج پر ڈال دیا، تو ان شاء اللہ کبھی بھی الجھن نہ ہوگی اور چونکہ یہ عین خدا کا حکم ہے اس لئے اچھے رویہ کے ساتھ اللہ رب العزت شوہر کے دل کو بھی ویسا ہی بنا دیں گے۔ وہ اس بات کا خواہش مند ہوگا کہ ایسی صالح و ہمدرد و مشفق و مہربان و مخلص بیوی کو کسی طرح کی اذیت و تکلیف نہ ہونے پائے، ورنہ خدا دنیا و آخرت دونوں میں ایسے بے رحم و بے مروت و بے انصاف شوہر کو کبھی معاف نہ کرے گا۔ جن عورتوں نے اپنے اوپر ضبط و صبر و مشقت کو کام میں لا کر اپنی عادت کو ایسا بنایا ہے۔ جا کر دیکھو کہ ان کا مقام شوہروں کے نزدیک اللہ رب العزت نے کتنا اونچا اور بلند کر دیا ہے کہ شوہر ہمیشہ بیوی کی خوشنودی و آرام کے لئے کوشاں و پریشان رہتا ہے۔ ہماری ماں بہنیں سمجھیں کہ شریعت کا معاملہ کتنا صاف ہے کہ اس ہاتھ سے دے، اس ہاتھ سے لے۔ (باقی آئندہ)

صحاح ستہ اور اس کے جامعین

(۴)

(از مولوی نصر احمد پھلواروی)

حضرت امام مسلم نام ابوالحسین کنیت اور والد کا نام حجاج بن مسلم۔ آپ کی ولادت ۲۰۶ھ نیشاپور میں ہوئی[1]۔ نیشاپور عالم اسلام میں کوئی غیر معروف جگہ نہیں ہے۔ اس سرزمین نے بہتیرے علماء و حفاظ حدیث کو جنم دیا۔ یہ مقام رَی سے ایک سو ساٹھ فرسخ کی دوری پر واقع ہے اور نیشاپور سے سرخس ۴۰ (چالیس) فرسخ پر ہے۔ نیشاپور حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد خلافت میں فتوحات اسلامی میں داخل ہوا۔ شیخ شہاب الدین ابوعبداللہ حموی بغدادی معجم البلدان میں فرماتے ہیں کہ میرے سفر کی وسعت میں جتنے شہر اور ممالک آئے، ان میں کسی کو نیشاپور جیسا بارونق نہیں پایا[2]۔ ابوالعباس زوزنی معروف بماموفی نے کہا ہے: ؎

لیس فی الارض مثل نیشابور

بلد طیب و رب غفور

امام مسلم قبیلۂ قشیر کے فرزند تھے۔ اس لئے قشیری سے مشہور ہوئے اور وطناً نیشاپوری۔ آپ کے والد بزرگوار کے حالات سے تاریخی صفحات خالی ہیں۔ تاہم ایک محدث آپ کے استاذ ابواحمد الفراء محمد بن عبدالوہاب کی زبانی آپ کے والد کی شخصیت متعارف ہوتی ہے۔ انہوں نے فرمایا وکان ابوہ الحجاج من المشیخۃ امام مسلم کے سماعت حدیث کا آغاز ۲۱۸ھ ہے۔ اس وقت آپ اپنی عمر کی بارہویں منزل سے گذر رہے تھے[3]۔ اس علم کی عظمت پر نگاہ کی جائے۔ تو یہ عمر بھی بہت کم ہے۔

---

[1] سن ولادت میں کچھ اختلاف ہے۔ علامہ ذہبی نے ۲۰۴ھ لکھا ہے اور دوسرے صاحب قلم حضرات نے اسی کو نقل کیا ہے۔ ابن خلکان نے ۲۰۶ھ بیان کیا ہے۔ صحیح ابن خلکان کی روایت معلوم ہوتی ہے۔ چونکہ انہوں نے خود بھی اس کی تحقیق کی ہے اور اس کو واضح کیا ہے (تاریخ ابن خلکان ج ۲ ص ۲۹)

[2] معجم البلدان ج ۸ ص ۳۲۵ مطبع السعادۃ مصر سنہ طباعت ۱۳۲۳ھ۔ مؤلف شیخ شہاب الدین یاقوت حموی بغدادی۔ [3] تذکرۃ الحفاظ میں سماعت حدیث کا ابتدا ۲۱۸ھ سے بیان کیا گیا ہے (ابن خلکان کی روایت کے مطابق ذکر کی گئی ولادت ۲۰۶ھ میں ہوئی) آپ کی عمر اس وقت بارہ سال کی ہوئی (تذکرۃ الحفاظ جلد ۲ صفحہ ۱۶۵- مطبع دائرۃ المعارف نظامیہ حیدرآباد)

گرچہ بعض محدثین نے تو اس سے بھی کم عمر میں اس علم کے ساتھ ربط پیدا کیا۔ اور یہ ان کے کارناموں میں غیر معمولی نگاہ سے دیکھا گیا لیکن آپ نے اس زمانے میں اس کی ابتدا کی جو ہر قسم کی اہلیت کا زمانہ ہوتا ہے۔ اس سے یہ غور کیا جائے کہ آپ نے اس علم کی اہمیت و عظمت اور اس کے نشیب و فراز کو کہاں تک سمجھا؟

امام صاحب کے ورود مسعود کا زمانہ علم حدیث کے لئے بڑا ہی سنہرا زمانہ تھا۔ اس وقت سارا عالم اسلام اسی علم کے فیض سے مستفیض ہو رہا تھا۔

تعلیم :- بہت حسرت و محرومی ہے کہ مؤرخین حضرات نے امام مسلم کی ناقابل فراموش شخصیت سے بے اعتنائی برتی اور تاریخی کتابیں ان کی تفصیلی حالات سے تشنہ و ناتمام رہ گئیں۔ بالخصوص ان کی ابتدائی حالات زندگی اور تعلیمی دور سے تاریخی صفحات بالکل ساکت ہیں کہ آپ نے تحصیل کی ابتدا کس طرح کیا۔ شروع شروع کس کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا۔ تاہم اتنا سراغ ضرور ملتا ہے کہ جب آپ تعلیم کے سن کو پہنچے۔ اس وقت نیشاپور میں اسحٰق بن راھویہ اور امام ذہلی جیسے اساتذہ فن موجود تھے۔ ضابطہ رحلت کے مطابق قرینہ غالب ہے کہ پہلے آپ ان کے حلقہ درس میں شریک رہے ہوں گے۔ اس کے بعد رحلت کیا۔ حجاز، عراق، شام، مصر کی طرف۔ بغداد کئی بار جانا ہوا۔ بغداد کا آخری سفر ۲۵۹ھ میں ہوا۔ اس کے بعد آپ نے مستقل قیام فرمالیا۔ ۲۱۸ھ سے ۲۵۹ھ تک اکتالیس[41] سال کا زمانہ جو آپ کی عمر کا دو تہائی حصہ تھا۔ صرف اس علم کی تحصیل میں گذر گیا۔ اسی اثناء میں درس و افادہ اور علمی مذاکرے کی مجالس بھی منعقد ہوتی رہیں۔ اور تصنیفات کا شغل بھی رہا اور مسلم شریف کی تدوین بھی انجام پائی۔ جو صحیح بخاری کے بعد بے مثال کتاب ہے اپنی جملہ خصوصیات کے باعث۔

شیوخ :- سفر کی وسعت میں حجاز۔ عراق۔ شام۔ مصر یہ سب داخل ہیں جس جگہ علم حدیث کا جلوہ نظر آیا وہاں کی خاک چھانی اور ہر جگہ کے محدثین سے استفادہ کیا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے اساتذہ کرام کی فہرست طویل ہوگئی۔ حافظ ابن حجر نے تہذیب میں امام مسلم کے ذکر کے درمیان دس شیوخ کو شمار کے بعد یہ تحریر کیا ہے۔ وخلق کثیر قد ذکرو انی هذا الکتاب۔

اسی طرح علامہ ذہبی نے بھی ان شیوخ کے علاوہ پانچ شیوخ کا نام لکھا ہے' وہ یہ ہیں:۔ یحیٰ بن یحیٰ تیمی۔ عون بن سلام۔ احمد بن حنبل۔ احمد بن مسلمہ۔ حرملۃ بن یحیٰ۔ اس کے بعد انہوں نے بھی یہ تحریر کیا وخلق کثیر۔ ان مؤرخوں نے ان کے اساتذہ زیادہ ہونے کی وجہ کر ان تمام اسماء کو امام مسلم کے تذکرہ میں ذکر نہیں کیا۔ لیکن دوسری جگہوں میں ان کے حالات بیان کئے ہیں

تلامذہ :- اس فیاض ازل کی طرف سے آپ پر ایسا فیضان علم ہوا کہ وہ زمانہ جو علم حدیث کے عروج و ارتقاء کا تھا اور ہر طرف اس کے حاملین مرجع خلائق ہو رہے تھے۔ اس وقت ان کبار محدثین میں آپ بہت نمایاں اور سر بلند رہے۔ نتیجۃً امام مسلم کے اساتذہ سے زیادہ تلامذہ کثیر ہوئے۔ ان کے لئے ایک دفتر درکار ہے۔ علامہ ذہبی نے جس طرح ان کے اساتذہ کی تفصیل سے احتراز کیا ہے۔ اسی طرح ان کے تلامذہ کے ساتھ بھی۔ علامہ موصوف نے جو

مختصر فہرست بیان کی ہے ۔ وہ یہاں درج کی جاتی ہے ۔

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی ۔ ابراہیم بن ابی طالب ۔ ابن خزیمہ ۔ سراج ۔ ابن صاعد ۔ ابو عوانۃ الاسفرائینی ۔ ابو حامد بن الشرقی ۔ ابو حامد احمد بن حمدان الاعمشی ۔ ابراہیم بن محمد بن سفیان الفقیہ ۔ مکی بن عبدان ۔ عبد الرحمٰن بن ابی حاتم، محمد بن مخلد العطار ۔ اور حافظ ابن حجر نے "تہذیب" میں ان کے علاوہ محدثین کا نام دیا ہے ۔ ان میں امام مسلم کے دو اساتذہ بھی ہیں ۔ علی بن الحسن الہلالی اور محمد بن عبد الوہاب الفراء کر ان دو اساتذہ نے امام مسلم سے بھی بعض حدیثیں سنی ہیں ۔ اس کے بعد حافظ ابن حجر "وآخرون" لکھکر خاموش ہو گئے ۔

وفات: — آپ کے سانحہ ارتحال سے منسلک ایک واقعہ مصنفین نے بیان کیا ہے ۔ ایک روز علمی مجلس میں کسی نے آپ سے کوئی حدیث دریافت کی ۔ سوء اتفاق سے اس وقت وہ حدیث آپ کو مستحضر نہیں تھی ۔ جب آپ مکان تشریف لائے تو اپنے مجموعہ احادیث میں اس کی تلاش میں مصروف ہو گئے ۔ وہاں پر کسی نے کھجوریں بھری ٹوکری رکھ دیا ۔ آپ نے اس سے کھانا شروع کیا ۔ ایک ایک کھجور کھاتے اور حدیث تلاش کرتے ۔ اس تلاش میں ایسا انہماک پیدا ہوا کہ ساری کھجوریں کھا گئے ۔ لیکن آپ کو اس کی خبر تک نہ ہوئی ۔ جس حدیث کی تلاش تھی وہ تو مل گئی ۔ لیکن یہ واقعہ آپ کے لئے سفر آخرت کا سبب بنا ۔

حافظ ابن حجر نے تہذیب میں اس واقعہ کے ذکر کے بعد یہ لکھا کہ ـــ اور لوگوں نے اس میں یہ اضافہ کیا ہے کہ یہی آپ کے موت کا سبب بنا ۔ بہر کیف ۲۵ رجب، اتوار کی شام کو ۲۶۱ھ میں ۵۵ سال کی عمر تمام کر کے دار فانی سے دار بقا کی طرف کوچ کر گئے ۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ۔ سموار کے دن آپ کی تدفین ہوئی ۔

اقبالؒ کے کلام میں ترغیبِ عمل کے رجحانات

(از محمد بدیع الزماں ـ ڈپٹی مجسٹریٹ ـ نیا کریم گنج ـ گیا (بہار)

اقبال کے لئے شاعری ایک پیام تھا ـ اس لئے کہ آرٹ ایک بامقصد تحریک ہے، خواہ وہ داخلی ہو یا خارجی، انفرادی ہو یا اجتماعی اور اسی لئے فرزندِ ادب سے یہ جزوِ تہذیب بھی ہے اور ذریعہ انقلاب بھی مغربی نقادانِ فن نے مختلف (ادبی شاعری) کے مختلف معیار مقرر کئے ہیں اردو ادب میں فن نقد بہت حال کی چیز ہے ـ ادب کی بنیادی قدروں پر سیر حاصل بحث کرتے ہوئے ڈاکٹر اختر اورینوی نے فن اور فنکاری کے محرکات اور خصوصیات کی وضاحت اس طرح کی ہے ـ

آرٹ صرف انداز بیان کی جدت و دلکشی اور طرز ادا کی طرحداری پر منحصر نہیں ـ آرٹ ایک صد پہلو حقیقت ہے ـ اگر فنکار کی قوت مشاہدہ، اس کے حواس، احساسات، جذبات، تخیلات و ادراک اس کے دل و دماغ اس کی شخصیت اور اسی کی روح نے تخلیق فن میں حصہ لیا ہے تو فن کبھی کھوکھلا اور سطحی نہیں ہوگا ـ بلکہ وہ بھرپور، جیتا جاگتا اور دھڑکتا ہوا ہوگا ـ وہ زندگی کے حقائق سے گریز نہیں کرے گا بلکہ زیادہ پر اثر ہوکر جلوہ گر ہوں گے ـ اعلیٰ ادب و فن انسان کے احساسات، جذبات، تخیلات اور اس کی دوسری لطیف قوتوں کو بیدار کرتے ہیں اور نہایت لطیف انداز میں ہمدردی، دلسوزی اور انسانیت کی روح جگاتے ہیں ـ

"آرٹ کی پیدا کردہ بصیرت صرف ایک چنگاری میں طور کا جلوہ دیکھ کر مطمئن نہیں ہو جاتی بلکہ وہ شیطان میں فرشتگی کی تلاش بھی کرتی ہے ـ آرٹ کی پیام رسانی، اصلاح اور اخلاق آموزی منطقی اور خشک نہیں ہوتی ـ وہ زندگی کے اندرونی تاروں کو چھوتی ہے اور واردات کے عالم کو منقلب کرتی ہے" (از مضمون "ادب اور فن کی بنیادی قدریں" کتاب "تنقیدی نظریات")

اقبال کی شخصیت مذکورہ بالا خصوصیات اور صفات سے متصف تھی وہ تو طور کا جلوہ صرف ایک چنگاری میں ہی دیکھ کر مطمئن نہیں ہوتے بلکہ ع اپنی ہستی سے عیاں شعلۂ سینائی کر ـ کے قائل تھے ـ شیطان میں فرشتگی کی تلاش سے بھی دو قدم آگے وہ تو یزداں بہ کمند آور اور ع مقام بندگی دے کر نہ لوں شان خداوندی ـ پر ایمان رکھتے تھے ـ انہوں نے انتہائی خلوص، صداقت اور نیک نیتی سے اپنی تردف نگاہی سے پوشیدہ اور کھلی حقیقتوں کو بے نقاب کیا اور اپنی تخلیق کی غایت اصلی ...

کی ... زادہ ہو جس کے ہر حرف کے آشفتہ نقطوں میں سوزِ مستی کی حرارت ہو۔ اس لئے کہ اقبال فن برائے فن کے قائل نہیں تھے ان کے نزدیک مقصودِ ہنر سوزِ حیاتِ ابدی تھا۔ ترغیبِ عمل ان کی شاعری کا بنیادی نصب العین ہے جس کے گرد ان کے سارے تخیلات چکر لگاتے ہیں۔ پروفیسر نکلسن کے نام ایک خط میں اس کی وضاحت خود کرتے ہیں کہ :-

"شخصیت یا مسلسل جدوجہد کی حالت انسان کا سب سے بڑا کمال ہے۔ جو شئے حقیقت کو مسلسل جدوجہد کی طرف مائل کرتی ہے وہ ہمیں بقائے دوام کے حصول میں مدد دیتی ہے۔ لہٰذا وہ اچھی ہے اور جو شئے شخصیت کو کمزور کرے وہ بری۔ گویا ہماری شخصیت جملہ اشیائے کائنات کے حسن و قبح کا معیار ہے۔ مذہب، اخلاق اور آرٹ سب کو اسی معیار پر پرکھنا چاہیے۔"

اقبال کی شخصیت کے متعدد پہلو ہیں۔ وہ رازدارِ درونِ میخانہ تھے، ان کی شخصیت سوزِ دروں کی بھٹی میں تپی تھی ان کا فکر لطیفہ بن کر برق چمکا تھا، ان کے لئے کی پرورش خونِ دل و جگر سے ہوئی تھی اور سب سے بڑھ کر ان کے اعصاب پر دیگر اردو شعراء کی طرح عورت سوار نہیں تھی۔ انہوں نے اردو شاعری کا جائزہ لیا تو شعراء کا تخیل ان کے نزدیک عشق و مستی کا جنازہ نظر آیا اور ان کے اندیشۂ تاریک میں قوموں کے مزار، قوم و ملک کی حالت دگرگوں تھی، غلامی کی زنجیروں نے جسم و جان دونوں کو جکڑ رکھا تھا۔ وہ بے وقت کی راگنی کیسے گاتے۔ ان کا مطمحِ نظر تو شاعری کا یہ تھا کہ ؎

جس سے دلِ دریا متلاطم نہیں ہوتا — اے قطرۂ نیساں وہ صدف کیا وہ گہر کیا
کھل تو جاتا ہے مغنی کے زیر و بم سے — نہ رہا زندہ و پائندہ تو کیا دل کی کشود!
اگر نوا میں ہے پوشیدہ موت کا پیغام — حرام میری نگاہوں میں نائے و چنگ و رباب!
جمیل تر ہیں گل و لالہ فیض سے اس کے — نگاہ شاعرِ رنگیں نوا میں ہے جادو
سونے والے کو جگا دے شعر کے اعجاز سے — خرمنِ باطل جلا دے شعلۂ آواز سے
عزیز تر ہے متاعِ امیر و سلطاں سے — وہ شعر جس میں ہے بجلی کا سوز و براقی

اقبال کے کلام میں ترغیبِ عمل کے رجحانات کا پایا جانا ان کے مذکورہ بالا نظریہ شاعری ہی سے صرف واضح نہیں ہوتا بلکہ خود ان کے اپنے محرکاتِ شاعری کو بہت بڑا دخل ہے جس کی نشاندہی انہوں نے خود کی ہے ؎

یہ کون غزل خواں ہے پرسوز و نشاط انگیز — اندیشۂ دانا کو کرتا ہے جنوں آمیز
پہناتا ہوں اطلس کی قبا لالہ و گل کو — کرتا ہوں سرِ خار کو سوزن کی طرح تیز
خونِ دل و جگر سے ہے میری نوا کی پرورش — ہے رگِ ساز میں رواں صاحبِ ساز کا لہو
میری نوائے پریشاں کو شاعری نہ سمجھ — کہ میں ہوں محرمِ رازِ درونِ میخانہ
مجھے سزا کے لئے بھی نہیں قبول وہ آگ — کہ جس کا شعلہ نہ ہو تند و سرکش و بیباک

اقبال کی انہیں نظریہ شاعری اور محرکات پر جن سے ترغیب عمل مقصود ہے۔ جناب جگن ناتھ آزاد نے یوں روشنی ڈالی ہے:

"ہر بڑے شاعر کا کلام اس امر کی جانب اشارہ کرتا ہے کہ فن اور ہنر کا مقصد کیا ہونا چاہیے۔ صحیح فن و ہنر وہ ہے جو ہمارے عزم و ہنر کو آگے بڑھائے۔ فرسودگی ماحول کے خلاف ہمیں اکسائے۔ ایک صالح زندگی کی ترغیب دے ہمیں مشکلات اور کاوشوں میں فتح پانا سکھائے۔ ہر منزل کے بعد نئی منزل ہمارے سامنے لائے۔ اگر فن و ہنر اس معیار پر پورے نہیں اترتے تو وہ پھر اقبال کے نزدیک فسانہ و افسوں سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے۔"

(از مضمون "اقبال اور اس کا عہد" ماہنامہ "نگار" لکھنو۔ مارچ ۱۹۵۹ء)

ترغیب عمل کے اشعار میں اقبال نہ نرے مبلغ نظر آتے ہیں نہ خطیب اور نہ کہیں مقصدیت کے حصول میں حسن کاری کا دامن ان کے ہاتھ سے چھوٹتا ہے۔ وہ آج کے دن کے صبر آزما اور پیچیدہ مسائل کی طرف خیالات مبذول کر کے انہیں حسین اور خوشگوار بنا کر پیش کرتے ہیں جس سے ان کا مقصد شرافت انسانی کے جذبات کو متلاطم اور متحرک کرنا ہے اور ساتھ ہی زندگی بخش عناصر کی ترتیب بھی۔

اقبال کی دوررس نگاہیں اس سے باخبر تھیں کہ قوم اور فرد میں عمل کی توفیق مٹ چلی ہیں۔ اس لئے سب سے پہلے غم کو گوارا کر کے اس سے آرزوں اور تمناؤں کو زندہ اور شاداب بنانا انہوں نے ضروری سمجھا۔ موت کے خوف کو دور کر کے خطر پسندی کی طرف مائل کرنا حصول مقصد کے لئے ضروری تھا۔ کیونکہ غم دوستی اور مرگ پرستی صحیح اور توانا دل و دماغ کی علامتیں نہیں۔ چند ایسے اشعار ملاحظہ ہوں ؎

ہے اگر ارزاں تو یہ سمجھو اجل کچھ بھی نہیں	جس طرح سونے سے جینے میں خلل کچھ بھی نہیں
آہ! غافل موت کا رازِ نہاں کچھ اور ہے	نقش کی ناپائیداری سے عیاں کچھ اور ہے
موت ہے عیش جاوداں ذوقِ طلب اگر نہ ہو	گردش آدمی ہے اور گردش جام اور ہے
غم نہیں غم، روح کا اک نغمۂ خاموش ہے	جو سرود بربط ہستی سے ہم آغوش ہے
میں نے کہا کہ موت کے پردے میں ہے حیات	پوشیدہ جس طرح ہو حقیقت مجاز میں
خوگر پرواز کو پرواز میں ڈر کچھ نہیں	موت اس گلشن میں جز سنجیدن پر کچھ نہیں

اقبال کے کلام میں ترغیب عمل کے رجحانات اس لئے زیادہ ملتے ہیں چونکہ ان میں محمودیت، صداقت اور خلوص ہے جن میں حقائق حیات کی اجتماعیت بھی پائی جاتی ہے۔ مثال کے طور پر ان کی ایک چھوٹی سی نظم "موٹر" ہے جس میں اسرار حیات کو بے نقاب کیا گیا ہے اور جوش و آگہی کے پیمانے چھلکائے گئے ہیں ؎

کیسی پتے کی بات جگندر نے کل کہی	موٹر ہے ذوالفقار علی خاں کا کیا خموش

ہنگامہ آفریں نہیں اس کا خرام ناز   مانند برق تیز، مثال ہوا خموش
میں نے کہا نہیں ہے یہ موقوف بر مُغص   ہے جادۂ حیات میں ہر تیز پا خموش

اقبال نے اپنے درک فکر و نظر، مخصوص طرز ادا، نادر تشبیہات اور استعارات و تماثیل سے پامال خیالوں میں نئی روح پھونک دی۔ ترغیب عمل کے جذبات، میلانات اور احساسات کو اور موثر بنانے کے لئے نئے تراکیب وضع کئے اور الفاظ کے معنوی ڈھانچے میں تبدیلی لا کر رمز و کنایہ میں اپنا گفتگو کی۔ موثر کی مثال سے اسرار حیات کو واکرنا یہ اس لئے ضروری تھا چونکہ پرجوش جذبات اسی وقت جادو کا کام کر سکتے ہیں اگر کیفیات کو محسوس اور مشاہد چیزوں سے تشبیہ دی جائے تاکہ تخیل محسوس لباس میں جلوہ گر ہو۔ اس کی چند مثالیں اور ملاحظہ ہوں ؎

جنت نظارہ ہے نقش ہوا بالائے آب   موج مضطر توڑ کر تعمیر کرتی ہے حباب
موج کے دامن میں پھر اس کو چھپا دیتی ہے یہ   کتنی بے دردی سے نقش اپنا مٹا دیتی ہے یہ
پھر نہ سکتی حباب اپنا اگر پیدا ہوا   توڑنے میں اس کے یوں ہوتی نہ بے پروا ہوا
اس روش کا کیا اثر ہے ہیئت تعمیر پر   یہ تو حجت ہے ہوا کی قوت تعمیر پر
فطرت ہستی شہید آرزو رہتی نہ ہو   خوب تر پیکر کی اس کو جستجو رہتی نہ ہو

(از نظم "والدہ مرحومہ کی یاد میں")

دوسری مثال ترغیب عمل کی، تخم گل کی ہے جو خاک میں سردیٔ مرقد سے کبھی افسردہ نہیں ہوتا اور ہر آن نشو و نما، خود نمائی اور خود افزائی اس کی سرشت میں داخل ہے۔ کہتے ہیں ؎

تخم گل کی آنکھ زیر خاک بھی بے خواب ہے   کس قدر نشو و نما کے واسطے بیتاب ہے
زندگی کا شعلہ اس دانے میں جو مستور ہے   خود نمائی، خود فزائی کے لئے مجبور ہے
سردیٔ مرقد سے بھی افسردہ ہو سکتا نہیں   خاک میں دب کر بھی اپنا سوز کھو سکتا نہیں

خود نمائی و خود افزائی کی طرف ایک اور شعر میں دیدۂ عبرت کو للکار ملاحظہ ہو ؎

تو نے دیکھا ہے کبھی اے دیدۂ عبرت کہ گل
ہو کے پیدا خاک سے رنگیں قبا کیونکر ہوا

جرأت عمل کی ایک اور مثال ان کی نظم "تسلیم و رضا" میں ملتی ہے جو عالم دروں و بیروں کی نقل صحیح الفاظ و معانی کے پیکر میں ہے۔ کہتے ہیں ؎

ہر شاخ سے یہ نکتہ پیچیدہ ہے پیدا   پودوں کو بھی احساس ہے پہنائے فضا کا!
ظلمت کدۂ خاک پہ شاکر نہیں رہتا   ہر لحظہ ہے دانے کو جنوں نشو و نما کا!

فطرت کے تقاضوں پہ دکرراہِ عمل بند — مقصود ہے کچھ اور ہی تسلیم و رضا کا !
جرأت ہو نمو کی تو فضا تنگ نہیں ہے — اے مردِ خدا ملکِ خدا تنگ نہیں ہے !

اقبال کے یہ اشعار سید امداد امام اثر کے ان مفروضوں پہ پورے اترتے ہیں جو انہوں نے ایک شاعر کے لئے مقرر کئے:

" جو شخص قوانین فطرت کی خوبیوں اور باریکیوں کو درک نہیں کرسکتا ہے اور مشاہدات عالم درونی اور بیرونی کی صلاحیت نہیں رکھتا ہے اور بعد مشاہدات صحیحہ کے رضائے الٰہی کی نقل بذریعہ الفاظ با معنی یا اصوات موزوں یا نقوش و قلم کاریوں کے وسائل سے نہیں کرسکتا ہے تو ایسا شخص نہ شاعر نہ ماہر موسیقی نہ مصور کہلا سکتا ہے ۔"

(از کتاب : " کاشف الحقائق معروف بہ بہارستان سخن " حصہ اول ۱۳۱۷ھ)

رضائے الٰہی کی نقل صحیح سے عمل کی توفیق بڑھانے کی اور بھی مثالیں اقبال کے کلام میں ملتی ہیں ۔ نظم " امتحان " میں ندی اور سنگ ریزے کا مکالمہ بھی ایسی ہی ایک مثال ہے ۔ کہتے ہیں :-

کہا پہاڑ کی ندی نے سنگ ریزے سے — فتادگی و سرافگندگی تری معراج !
ترا یہ حال کہ پامال و درد مند ہے تو — مری یہ شان کہ دریا بھی ہے مرا محتاج !
جہاں میں تو کسی دیوار سے نہ ٹکرایا — کسے خبر کہ تو ہے سنگ خارہ کہ زجاج !

اقبال نے مشاہدات سے متاثر ہو کر تخیل کے ذریعہ نت نئے رشتے اور روابط کی تخلیق کی ۔ ایک مشاہدہ کو دوسرے مشاہدہ سے منسلک کرکے نئے نئے روابط قائم کئے جس کا اثر عقل پر کم لیکن جذبات پر شدید ہوتا ہے ۔ اگر اقبال پودوں پر پھیلے ہوئے فضا کا احساس پاتے ہیں تو انہیں فوارہ میں سوز دروں ابلتا ہوا نظر آتا ہے ۔

یہ آبِ جو کی روانی یہ ہمکناری خاک — مری نگاہ میں ناخوب ہے یہ نظارہ
ادھر نہ دیکھ ادھر دیکھ اے جوانِ عزیز — بلند زورِ دروں سے ہوا ہے فوارہ

اقبال کے کلام میں ترغیب عمل کا ایک اہم عنصر کوششِ پیہم بھی ہے جسے وہ جہادِ زندگانی میں انسان کے لئے شمشیر سمجھتے ہیں ۔

یقیں محکم، عمل پیہم، محبت فاتح عالم
جہادِ زندگانی میں ہیں یہ مردوں کی شمشیریں

نظم " روحِ ارضی آدم کا استقبال کرتی ہے " میں اقبال ان شراروں کا ذکر کرتے ہیں جو انسان کے خمیر میں مضمر ہیں کہ کوشش ان شراروں سے ایسی دنیا پیدا کرسکتی ہے جس کے سامنے فردوس تک ہیچ ہو جائے ۔ ان کی تحقیق اور ترغیب اس نظم کے ایک بند میں اس طرح کرتے ہیں ۔

خورشید جہاں تاب کی ضو تیرے شرر میں
آباد ہے اک تازہ جہاں تیرے ہنر میں

جچتے نہیں بخشے ہوئے فردوس نظر میں!
جنت تری پنہاں ہے ترے خون جگر میں

اے پیکر گل کوشش پیہم کی جزا دیکھ

کوشش پیہم پر اور چند اشعار یہ ہیں ؎

سوتوں کو ندیوں کا شوق، بحر کا ندیوں کو عشق
موجۂ بحر کو تپش ماہِ تمام کے لئے

راز حیات پوچھ لے خضر خجستہ گام سے
زندہ ہر ایک چیز ہے کوشش ناتمام سے

پختہ تر ہے گردشِ پیہم سے جامِ زندگی
ہے یہی اے بے خبر رازِ دوامِ زندگی

اقبال کے کلام میں ترغیب عمل کا ایک اور پہلو خود داری اور خود اعتمادی کی تلقین ہے اور انہیں جذبوں کے تحت وہ بار بار خودی کا ذکر اپنے کلام میں لاتے ہیں کیونکہ ایک براق و صیقل خودی ہی ان اوصاف کی متحمل ہو سکتی ہے۔ اسی خود داری اور خود اعتماد کے جذبوں کو مشتعل کر کے وہ اپنی دنیا آپ پیدا کرنے کی ترغیب دیتے ہیں۔

اپنی دنیا آپ پیدا کر اگر زندوں میں ہے
سرِّ آدم ہے ضمیرِ کن فکاں ہے زندگی!

زندگانی کی حقیقت کوہکن کے دل سے پوچھ
جوئے شیر و تیشہ و سنگِ گراں ہے زندگی!

وہی جہاں ہے ترا جس کو تو کرے پیدا
یہ سنگ و خشت نہیں جو تری نگاہ میں ہے

پھونک ڈالے یہ زمین و آسمانِ مستعار
اور خاکستر سے آپ اپنا جہاں پیدا کرے

یہ گھڑی محشر کی ہے تو عرصۂ محشر میں ہے
پیش کر غافل، عمل کوئی اگر دفتر میں ہے!

کب تلک طور پہ دریوزہ گری مثلِ کلیم
اپنی ہستی سے عیاں شعلۂ سینائی کر

وہ حسن کیا جو محتاجِ چشمِ بینا ہو
نمود کے لئے منت پذیرِ فردا ہو

تو اپنی سرنوشت اب اپنے قلم سے لکھ
خالی رکھی ہے خامۂ حق نے تری جبیں

یہ نیلگوں فضا جسے کہتے ہیں آسماں
ہمت ہو پر کشا تو حقیقت میں کچھ نہیں

بالائے سر رہا تو ہے نام اس کا آسماں
زیر پر آگیا تو یہی آسماں زمیں

اقبال کے کلام میں ترغیب عمل کا ایک اور پہلو جاوداں زندگی کی تلاش بھی ہے جہاں نہ امروز ہے نہ فردا اور نہ جسے سود و زیاں کے پیمانوں پر تولا جا سکتا ہے ؎

برتر از اندیشۂ سود و زیاں ہے زندگی
ہے کبھی جاں اور کبھی تسلیم جاں ہے زندگی

تو اسے پیمانۂ امروز و فردا سے نہ ناپ
جاوداں، پیہم دواں، ہر دم جواں ہے زندگی

ہے سلسلۂ احوال کا ہر لحظہ دگرگوں
اے سالکِ رہ فکر نہ کر سود و زیاں کا

وہ کل کے غم و عیش پہ کچھ حق نہیں رکھتا
جو آج خود افروز و جگر سوز نہیں ہے

وہ قوم نہیں لائق ہنگامۂ فردا
جس قوم کی تقدیر میں امروز نہیں ہے

دیکھا ہے ملوکیت افرنگ نے جو خواب
ممکن ہے کہ اس خواب کی تعبیر بدل جائے

وہی ہے صاحب امروز جس نے اپنی ہمت سے
زمانے کے سمندر سے نکالا گوہر فردا

جس میں نہ ہو انقلاب، موت ہے وہ زندگی
روح امم کی حیات کشمکش انقلاب!

اقبال کے کلام میں ترغیب عمل کا ایک اور پہلو ہمت عالی اور بلندی عزم ہے۔ یہاں ان کی فنکاری یہی ان تجربوں سے گذرتی ہے جو آئے دن پیش آتے رہتے ہیں اور ہمارے جذبات و احساسات میں اولوالعزمی کے جذبے بیدار کرتے ہیں۔ کہتے ہیں

ہمت عالی تو دریا بھی نہیں کرتی قبول
غنچہ ساں غافل ترے دامن میں شبنم کب تک

ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں
ابھی عشق کے امتحاں اور بھی ہیں

قناعت نہ کر عالم رنگ و بو پر
چمن اور بھی آشیاں اور بھی ہیں

تو شاہیں ہے پرواز ہے کام تیرا
ترے سامنے آسماں اور بھی ہیں

اسی روز و شب میں الجھ کر نہ رہ جا
کہ تیرے زمان و مکاں اور بھی ہیں

برہنہ سر ہے تو عزم بلند پیدا کر
یہاں فقط سر شاہیں کے واسطے ہے کلاہ

دلوں میں ولولے آفاق گیری کے نہیں اٹھتے
نگاہوں میں اگر پیدا نہ ہو انداز آفاقی

نہ ہو قناعت شعار گلچیں، اسی سے قائم ہے شان تیری
وفور گل ہے اگر چمن میں تو اور دامن دراز ہو جا

اقبال کے کلام کا عہد ملکی، قومی و بین الاقوامی انتشار کا عہد تھا۔ روس و جاپان کی ۱۹۰۵ء کی جنگ، اس کے بعد بلقان کی کئی جنگیں، پھر پہلی جنگ عظیم ۱۸-۱۹۱۴ء، جمعیت اقوام کا قیام اور پھر اس کی نا اہلی، حبش پر اٹلی کا غاصبانہ قبضہ، ہٹلر کا عروج، سلطنت عثمانیہ کے خاتمہ پر سارے عرب ممالک پر مغربی سامراجیوں کا قبضہ اور پھر ہندوستان میں آزادی کی جنگ اور انگریزوں کا ظلم و ستم۔ اقبال کے کلام کا اگر بہ نظر غور جائزہ لیا جائے تو سارے واقعات کا پرتو ان کے غزل کے ہر شعر اور ہر نظم میں ملے گا۔ فرق یہ ہے کہ انہوں نے سب کچھ ایک مبلغ لیڈر یا سیاست داں کی حیثیت سے کہنا مناسب نہیں سمجھا بلکہ فنون لطیفہ کے حدود میں رہ کر اس کے سارے اقدار کو سامنے رکھ کر انہوں نے سب کچھ کہہ ڈالا جو مردہ اور بے جان جسم میں تازہ روح پھونک کر قوم کو مثبت راہوں پر لگا سکے۔ انہوں نے جنگ کے نعرے نہیں لگائے اس لئے ایک شاعر کا کام خوابیدہ تاروں کو چھیڑنا ہے۔ سوتوں کو نیند سے جگانا ہے۔ اور اقبال کا سارا کلام انہیں نصب العین کی تکمیل کی غمازی کرتا ہے۔ انہوں نے ہر طرح سے جھنجھوڑا۔ کبھی طعنے کسے، کبھی سنجیدگی سے سمجھایا اور کبھی گذشتہ عظمت کا حوالہ دے کر پھر اس منزل کی طرف گامزن ہونے کی صلاح دی۔ معاشرہ کی تنظیم کسی ایک تقریر یا تحریر سے نہیں ہوتی۔ اقبال نے معاشرہ کو عمل کی ترغیب دی۔ ایک منظم، باہمت اور خوددار معاشرہ جو قوم و ملک کو

لاحاصل ہوسکے۔ اس کی تنظیم اقبال نے اپنے اشعار کے ذریعہ کی۔ عمل کی ترغیب صرف راہ بتا دینے سے پوری نہیں ہو جاتی۔ بلکہ باعمل انسان کو اپنے دل اور نگاہ دونوں پر نظر رکھنی ہے۔ یہ خود اعتمادی اور خودنگری پیدا کرنے کے وسیلے ہیں۔ کہتے ہیں۔

دل سوز سے خالی ہے، نگہ پاک نہیں ہے
پھر اس میں عجب کیا کہ تو بیباک نہیں ہے
وہ آنکھ کہ ہے سرمۂ افرنگ سے روشن
پرکار و سخن ساز ہے نمناک نہیں ہے

خودداری کا توان کے یہاں یہ عالم ہے کہ

اے طائر لاہوتی اس رزق سے موت اچھی جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی

اس لئے کہ

تری زندگی اسی سے، تری آبرو اسی سے
جو رہی خودی تو شاہی نہ رہی تو روسیاہی!

اقبال کے ترغیب عمل میں صرف عمل ہی کو دخل نہیں ہے بلکہ فکر کی بھی ضرورت ہے۔ اور یہی دونوں مل کر ذوق انقلاب پیدا کرتے ہیں۔ انقلاب کے معنی حکومت کا تختہ الٹنے کے نہیں۔ بلکہ سارے معاشرہ کی ایسی ترتیب کرنی ہے جو لفائے باہم کی ضامن ہو۔ فکر و عمل شیر و شکر ہونے پر کس طرح کا انقلاب لایا جا سکتا ہے اس کی کچھ تشریح اقبال نے نظم "مسولینی" میں اس طرح کی ہے

ندرت فکر و عمل کیا شئے ہے؟ ذوق انقلاب! ندرت فکر و عمل کیا شئے ہے ملت کا شباب!
ندرت فکر و عمل سے معجزات زندگی ندرت فکر و عمل سے سنگ خارا لعل ناب!

الغرض اقبال اردو شاعری میں واحد شخصیت ہیں جنہوں نے سنجیدگی سے عمل کی مثبت راہیں بتائیں اور بعد میں یہی ترقی پسند ادب کہی جانے لگی اور ان کی وفات کے ساتھ ہی ترقی پسند ادیبوں کا ایک لشکر سامنے آگیا۔ انہوں نے مختلف ڈھنگوں سے ترغیب عمل کے رجحانات پیدا کر کے شاعری کے فریضہ کو پورا کیا۔ بلکہ بقول ڈاکٹر سید عابد حسین:۔

"اقبال کی شاعری تو آبحیات کا خزانہ ہے جس سے زندگی اور زندہ دلی کے چشمے ابلتے ہیں جن سے سیراب ہو کر مایوس دلوں کو خشک اور بنجر زمین میں جان پڑتی ہے اور امید کی کھیتی لہلہانے لگتی ہے"

(از مضمون: "اقبال کا تصور خودی" کتاب "اقبال پر ایک نظر" مرتبہ سید محمد شاہ)

اقبال وہ چراغ کا رہے جس نے انفرادی تجربوں سے انسانی وجود کی گرہیں کھولیں اور یہی آرٹ کا فریضہ ہے۔

مکتوبات حضرت شیخ الاسلام مخدوم الانام شیخ شرف الدین بہاری قدس اللہ سرہ

ترجمہ

(از جناب شاہ نجم الدین احمد فردوسی علیہ الرحمہ)

مکتوب سی ام

در طہارت بعبارتے دیگر

برادرم اعز شمس الدین شرفہ اللہ فی الدارین بداند کہ طہارت بر دو گونہ است یکے طہارت ظاہر دوم طہارت باطن چنانکہ بے طہارت تن نماز درست نیاید بے طہارت دل معرفت خداوند درست نیاید و چنانکہ طہارت تن را آب پاک باید نہ مستعمل ۔ طہارت دل را توحید پاک باید نہ ملوث از اینجا گفتہ اند ۔ بیت

توحید نہ کار آب و خاک است

آں در دل صاف و جان پاک است

ایں طائفہ پیوستہ چنانکہ ظاہر خود را پاک دارند بطہارت باطن خود را پاک دارند بہ توحید لاجرم اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ التَّوَّابِیْنَ وَیُحِبُّ الْمُتَطَہِّرِیْنَ دولت ایشاں است و اشارت بریں طہارت است کہ حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم

تیسواں مکتوب

طہارت کے بیان میں

برادرم اعز شمس الدین شرفہ اللہ فی الدارین تمہیں معلوم ہو کہ طہارت کی دو قسمیں ہیں (ظاہری) اور (باطنی) جسطرح طہارت جسمانی کے بغیر نماز درست نہیں اسی طرح طہارت دل کے بغیر اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل نہیں ہوتی ۔ جس طرح بدنی طہارت کے لئے پاک پانی چاہیے ۔ دل کی طہارت کے لئے پاک توحید کی ضرورت ہے نہ کہ ملوث کی اکل حلال صدق مقال جملہ حواس کا معصیت و خلاف سے پاک ہونا ۔ اور دل کا اوصاف ذمیمہ بغض، حسد، حقد، کینہ وغیرہ سے پاک رہنا ۔ اسی لئے بزرگوار نے کہا ہے ۔

؎

توحید نہ کار آب و خاک است

کاں در دل صاف و جان پاک است

اس گروہ کے لوگ (مشائخین کرام) ہمیشہ جسطرح جامہ و تن کو ظاہری

در دعا مشغول گشتہ اللّٰھم طھر قلبی من النفاق بار خدایا دل ما از نفاق پاک کن و میدان کہ ہیچ حال اندر دل مبارک وے نفاق صورت نہ بندد اما نظر بر کرامات و درجات خود مر او را در توحید اثبات غیر می نمود و اثبات غیر نفاق می نمود در محل توحید و ہر چند یک ذرہ از کرامات مشائخ رضوان اللہ علیہم در ابتدا امر سرمہ دیدہ مریدان کردہ اند آخر اندر محل کمال او را آن حجاب مکرم بودہ است از اینجا ست خواجہ بایزید قدس اللہ سرہ العزیز فرمودہ است کہ نفاق العارفین افضل من اخلاص المریدین نفاق رسیدگان بہتر از اخلاص مریدان یعنی آنچہ مرید را مقام باشد کامل را حجاب باشد ۔ مرید را ہمت آنکہ کرامت باید کامل را ہمت آنکہ مکرم باید این ست کہ قرآن مجید خبر می دہد من بین فرث ودم لبناً خالصاً یعنی شیر یکہ غذائے تست بر فرث ودم بگذرانیدیم ۔ و از لوث روث ودم نگاہ داشتیم پس توحید کہ حق ماست باید کہ بر دنیا و آخرت بگذرد و از ان ہر دو اثر نکند تا حضرت ما را شاید اینست کہ گفت ۔ بیت

نے در غم دوزخ و بہشتند
این طائفہ را چنین سرشتند

سر این آنست کہ یک خطرہ یا یک نظر بغیر از قربان برابر بود با صد ہزار سال اعراض از بیدان مثال این در ملوک دنیا بہ بین ستوربانان و دربانان صد ہزار سالے بودہ گوینند بغیر صحبت کنند ہیچ ملامت نباید اگر ندیمے کہ بالو ہمراز نوشتہ و قربے کہ با او ہم صحبت است بطرفۃ العین بغیر نظر کند یا صحبت گوینند ہم

نجاست سے پاک رکھتے ہیں اسی طرح اپنے دل کو صفات مذمومہ سے پاک رکھکر توحید سے آراستہ کرتے ہیں۔ اس لئے انَّ اللّٰہَ یحبُّ التوابین ویحبّ المتطھرین کی نعمت انھیں کے لئے ہے اور حضرت رسالت صلی اللہ علیہ والہ واصحابہ وسلم اپنی دعاؤں میں جو فرمایا کرتے تھے ۔ اللھم طھر قلبی من النفاق اے اللہ میرے دل کو نفاق سے پاک کر اشارہ اسی طہارت باطنی کی طرف ہے ، کیونکہ یہ متیقن ہے کہ آپ کے دل مبارک میں نفاق کا نقشہ نہیں جمتا تھا. مگر وہ نظر کرامات درجات پر اپنے نگاہ پڑجاتی تھی .مقام توحید میں گویا غیر کا اثبات کرتی تھی . اس دعا کا باعث یہی ہوتا تھا چنانچہ مشائخ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اگر ابتدا میں کرامات کو مریدوں کی آنکھوں کا سرمہ بنایا ہے ۔ تو منتہائے کمال میں وہی کرامات مکرم اللہ تعالیٰ سے ایک حجاب نظر آئی ہے . اسی مقام کی باتیں ہیں۔ جو خواجہ بایزید قدس سرہ العزیز نے فرمایا کہ نفاق العارفین افضل من اخلاص المریدین ۔ عارفوں کا نفاق مریدوں کے اخلاص سے بہتر ہے کیونکہ مرید کے لئے جو ترقی و مقام کا وجہ ہے وہ کامل کے لئے حجاب ہے ۔ مرید کی ہمت کا یہ تقاضا کہ کرامات حاصل ہونا چاہیئے ۔ اور کامل کی اس کی مقتضیٰ کہ مکرم ملنا چاہیئے ۔ کیا خوب قرآن مجید نے خبر دی ہے ۔ من بین فرث ودم لبناً خالصاً یعنے . وہ دودھ کی تمہاری غذا ہے اگرچہ فرث اور دم سے اس کو قربت ہے مگر دونوں کے لوث سے ہم اس کو بچائے رکھتے ہیں ۔ گویا اس معنی کی طرف اشارہ ہے کہ توحید جسے ہم پسند کرتے ہیں نہ دنیا سے ملوث ہو نہ آخرت سے . ہر طرح پاک وصاف لے کر ہماری درگاہ تک لاؤ ، اس وقت البتہ

ملامت بردلست و مقام طہارت مریدرا جز بہ مجاہدت بسیار حاصل نگردد و بہترین مجاہدت حفظ آداب طہارت ظاہر است و ملازمت نمودن بداں در ہمہ احوال کہ ظاہر باباطن پیوستہ است ۔ از ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ می آرند کہ گفت مرا از خدائے عزوجل عمر ابدے می باید ۔ اندر دنیا تا ہمہ خلق اندر نعمت بہشت مشغول گردند و من اندر بلا دنیا بحفظ شریعت قیام کنم و ہم ازیں بزرگ می آرند کہ اندر جامع مسجد بغداد مدفون گشت یک شبانہ روز شصت غسل کردہ بود آخر وفاتش میان آب بود و از سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کہ یک شبانہ روز شصت بار طہارت کردہ اندر بیماری در حال بیرون رفتن از دنیا و از خواجہ ابویزید قدس اللہ سرہ العزیز می آرند کہ گفت ہرگاہ کہ اندیشہ دنیا بر دلم گزر کند طہارت کنم و چون اندیشہ عقبیٰ گذر کند غسل کنم از آنچہ دنیا محدث است پس اندیشہ وے حدث باشد طہارت واجب آید و عقبیٰ محل شہوت است و آرام بآن جنابت پس از حدث طہارت واجب آید و از جنابت غسل و مشائخ رحمہم اللہ مریدان را بر ملازمت طہارت ظاہر و باطن فرمودہ اند و مبالغت نمودہ و اصل ہمہ کار دیدہ مراد از طریقت آنست کہ دلہا بر مثال آئینہ گردد مصفا و منور تا در وے عکس عالم خلق و عالم امر باز بیند ۔ و از زمرہ عوام بصفت خواص رسند اما مدبران و لوتان را کہ بندگان دنیا و اسیر عادتیم و ز نا ر داران راہ عظیم جز

مقبول ہو سکتی ہے ۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے کہ ؎

نے در غم دوزخ و بہشت اند

ایں طائفہ را چنیں سرشتند

اور بات بھی یہی ہے ۔ مقربان بارگاہ کا ایک خطرہ یا غیر کی جانب ان کی ایک نظر برابر ہے ۔ اس روگردانی کے جو ..... دور رہنے والوں میں لاکھوں برس سے پیدا ہو گئی ہو ۔

مثال اسکی دنیاوی بادشاہوں کے یہاں دیکھو کہ سنتری پیادے اور دربان وغیرہ لاکھ بیہودہ باتیں بولتے اور غیروں کی صحبت رکھتے ہیں ۔ مگر انہیں کوئی برا نہیں کہتا اگر کوئی مصاحب یا ہمنشیں جو مقرب بارگاہ ہے ذرا بھی اس نظر سے غیر کو دیکھے یا غیر کے ساتھ صحبت رکھے ۔ تو ساری برائیاں اس کے سر آ جائیں گی ۔ سنو ! مقام طہارت بغیر کثیر مجاہدہ مرید کو حاصل نہیں ہو سکتا ۔ اور بہترین قسم کا مجاہدہ طہارت ظاہر کے آداب کی نگاہ داشت ہے ۔ ہر حال میں بقدر وسعت ثابت قدم رہنا ہے ۔ اس لئے کہ ظاہر کو باطن سے خاص لگاؤ ہے ۔

حضرت ابراہیم .... رحمۃ اللہ علیہ کی ایک نقل ہے ۔ آپ کہا کرتے تھے ۔ ہم اللہ تعالیٰ سے دنیا میں عمر ابدی چاہتے ہیں تاکہ اہل بہشت نعمت بہشت میں مشغول رہیں ۔ اور ہم بلائے دنیا میں گرفتار رہ کر حفظ آداب شریعت پر قائم رہیں ۔ یہ بزرگ بغداد کی جامع مسجد میں مدفون ہوئے ۔ جب آپ کا وصال ہوا ایک دن رات میں ساٹھ غسل فرمائے ۔ یہاں تک کہ وفات آپ کے غسل ہی کے وقت ہوئی ۔ اور حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ

عادت پرستی کارے نہ وجز غفلت گبری شمارے نہ راہ
مردان دین رفتن و دعوی توحید کردن از بیباکی و
نابینائی است ...... جہود و ترسا و کلیسا و بت
خانہ را از ما ننگ است ہر چند نام توحید بر جملہ
موحدان افتد اما از توحیدے تا بتوحیدے چنداں تفاوت
است کہ از فرش تا عرش وچنانکہ در عالم کسیکہ داند
کہ در وضو و نماز چند فرائض است ایں را علم
تواں گفت و علم امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ را ہم
علم گویند .... اگر گوئی چرا چنیں
ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء کسے با خداوند
تواند کہ گوید چرا یکے را ایں دولت دادی ویکے را ندا
دی چنانکہ بادشاہی در شاید یکے را منصب وزارت
دہد ویکے را دربانی و دستور بانی و ہچنیں دولتے در دین
یکے دہد خواہد از خراباتش بیروں .... آرد خواہد
از میان جولاہگان و کناسان و ترہ فروشان و ظالمان
و حرام خواران کرا زہرہ آنکہ گوید اگر ھؤلاء من اللہ
علیہم من بیننا فضیل عیاض را اگرچہ رہزنست باشد
کہ خوانداہ ماست بلعم باعور را کہ چہار صد سال بر سر
سجادہ بود از درگاہ ما براند کہ راندہ ماست عمر را
کہ بت پرستی دارد میخواہیم عزازیل را کہ ہفصد ہزار
سال عبادت دارد نمی خواہیم کہ گوید چرا لا
یسئل عما یفعل بیت

گرگ از رمہ برد آنچہ مرا دل او بود
گو بادیہ پیمائی بے مرد شبانرا
این میدان وی بین و امید صد چنداں کہ داری

علیہ سے نقل ہے کہ مرض الموت میں آپ نے ساٹھ بار غسل کیا یہاں
تک کہ آپ کا وصال ہو گیا ۔ اور خواجہ ابویزید قدس سرہ العزیز
سے نقل ہے کہ آپ فرمایا کرتے تھے کہ جب دنیا کا اندیشہ ہمارے
دل پر گذرتا ہے ۔ تو ہم وضو کرتے ہیں ۔ اور جب اندیشہ عقبیٰ
کا آتا ہے تو غسل کرتے ہیں ۔ اسلیئے کہ دنیا حدث ہے اس کا
اندیشہ حدث کے درجہ میں ہے ۔ حدث کے بعد وضو کرنا
واجب ہے ۔ اور عقبیٰ شہوت کا محل ہے وہ جنابت کا
درجہ ہے ۔ اس لئے غسل واجب ہے ۔ خلاصہ یہ ہے کہ
مشائخ رحمہم اللہ نے طہارت ظاہر و باطن کی مداومت پر
تاکید فرمائی ہے ۔ اور بعد اصرار کیا ہے ۔ کیونکہ وہ جانتے ہیں
کہ طہارت سینے کا موئی جڑ ہے ۔ طریقت کا منشا یہ ہے کہ دل
آئینہ کی طرح مصفا اور منور ہو جائے تاکہ اس میں عالم خلق
اور عالم ارواح کا عکس نظر آنے لگے اور صاحب طریقت
زمرہ عوام سے نکل کر خواص کے صفات سے آراستہ ہو لیکن
ہم جیسے ملوث کر دنیا کے بندے اور عادت کے پابند اور غفلت
کی راہ کے زنّار دار ہیں ۔ سوائے غفلت پرستی کوئی کام نہیں
کرتے ۔ اور گبروں کی طرح محض غافلوں کے شمار میں ہیں ۔ مردان
دین کی راہ نہیں چلتے اور توحید کے دعوے کرتے ہیں ۔ یہ
حالت بے باکی اور نابینائی کی سبب سے ہے ہمارا تو یہ حال ہے
کہ .... ترسا کلیسا بت خانہ سب کو ہم سے ننگ
و عار ہے ۔ دوسری بات یہ سنو کہ توحید ہر موحد کی توحید کو
کہتے ہیں ۔ مگر ایک شخص کی توحید سے دوسرے شخص کی توحید
کو اتنا فرق ہے ۔ جیسے فرش سے عرش کو ۔ اسکی وضاحت
یوں سمجھو کہ ایک شخص صرف اتنا جانتا ہے کہ وضو اور نماز
میں اتنے فرائض ہیں ۔ اس کو بھی علم ہی کہیں گے ۔ اور

اگر نظر لطف افگند ہمہ عیبہائے ما ہنر است وہمہ نقصان ما کمال وہمہ زشتی ما جمال اے برادر مشتی خاک بود در عین ...... ذلت در راہ ہے ۔ افتادہ ویاکوب اقدام شدہ نظر لطف درآمد گفت انی جاعل فی الارض خلیفۃ امروز بلائے دور دے میکش غمے وامذ وہمے میخورد در زیر ایں کار ہا میداں گفتہ اند اگر ایں درد وبلا و غم و محنت ما نہ بودے وبہشت بودندے کسے ذرہ لذت نیافتی ۔ دلیل آنکہ آدم علیہ السلام رفت و ہیچ لذت نیافت آرزو کرد بر تخت فردوسی نشستی وبلائے گردانی دیگاں دیگاں خار از پائے بیروں کنی صد دریغ خوردی وگوئی ایں خار کہ در پائے من آمد چرا در جان من نیامد رونددگان لذت آں گاہ کہ مقصود یابند رسند مرید بمراد رسیدہ است آب در سجا نہ باز شدہ دمرغ با آشیانہ باز رفتہ ودیہا برخاست اندیشہ کار بدیں باز آمدہ کہ العبد والرب والرب والعبد

والسلام

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے علم کو بھی علم ہی کہیں گے لیکن دونوں میں جو فرق ہے وہ ظاہر ہے اب اگر یہ سوال پیدا ہو کہ ایسا کیوں ہوا ۔ ایک شخص ایسا علامہ اور دوسرا اس قدر کم علم جواب یہ ہے کہ ذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء کسی کی مجال نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں یوں کہے کہ ایک شخص کو ایسی دولت تونے کیوں دی اور دوسرے کو کیوں محروم رکھا ۔ جب بادشاہ دنیا کو یہ اختیار حاصل ہے کہ ایک کو وزیر ایک کو دربان ایک کو ستور بانبلنے تو وہ مالک دوجہاں جس کو چاہے دین کی دولت عطا کرے وہ چاہے تو جلا ہوں خاکروبوں، کنجڑوں، ظالموں حرام خوروں کی جماعت سے کسی کو قبول کرے یہ کہنے کی کس کی طاقت کس کو یارا کہ ایسا کیوں کیا ۔ وہاں تو یہ رنگ ہے کہ فضیل عیاض اگرچہ راہ زن ہے اسکولا کر میرا مقبول بندہ ہے اور بلعم باعور جس نے چار سو سال تک ریاضت ومجاہدہ کیا اور سجادہ نشین رہا ہے ۔ اس کو دور کرو ۔ کہ راندہ درگاہ ہے ۔ عمر نے اگرچہ بت پرستی کا شیوہ کیا ہے مگر ہم اسکو چاہتے ہیں ۔ عزازیل اگرچہ سات لاکھ برس تک عبادت کر چکا ہے ہم اسپر لعنت بھیجتے ہیں ۔ وہ مرد بارگاہ ہے اس میں کسی کو مجال چون وچرا نہیں ۔ لا یسئل عما یفعل یہی

گرگ از زدہ بود آنچہ مرا دل او بود — گو بادیہ پیمائی ہے مرد شبانرا

دیکھتے اور جانتے رہو۔ باوجود اسکے سوگونہ بہتری کی امید رکھو ۔ اگر وہ لطف کی ایک نظر ڈالدے میرے سب عیب ہنر ہو جائے اور سب نقصان کمال کا رنگ اختیار کرلے میری بدصورتی جمال بن کر چمک اٹھے ۔ بھائی تم نہیں دیکھتے کہ ایک مشت خاک جو ہمہ تن ذلیل وخوار اور بے حد پامال راہ میں پڑی تھی ۔ دفعتاً اس کی طرف لطف وکرم کی آنکھیں اٹھیں ۔ ارشاد ہوا ۔ انی جاعل فی الارض خلیفہ دیکھو کیا سے کیا ہوا ۔ جب تک اس دنیا میں درد وبلا کی کڑیاں جھیلتے رہو ۔ غم واندوہ کی سختیاں اٹھایا کرو یہ کوئی سرسری باتیں نہیں ۔ ان بہترے اسرار پوشیدہ ہیں بزرگوں نے کہا کہ اگر درد یہ بلا یہ غم یہ محنت نہ ہوتی تو نعمت بہشتی کی کسی کو خاک بھی لذت نہ ملتی ۔ دیکھو حضرت آدم علیہ السلام جس وقت بہشت

(بقیہ صفحہ ۵۸ پر)

باب التفسیر

تفسیر سورۂ فاتحہ

(۱۲۰)

(جناب مولانا مفتی ابو القاسم محمد عتیق صاحب بحر العلومی - فرنگی محل لکھنؤ)

برکات محفل میلاد شریف سے متعلق مزید اقوال نقل کرنے سے بخوف طوالت گریز کرتا ہوں، اقوال مذکورہ سے ثابت ہوتا ہے کہ اس کی بدولت (۱) ملائکہ سیاحین حاضر ہوتے ہیں (۲) انوار رحمت کی بارش ہوتی ہے (۳) بانیان محفل پر سر فضل عمیم ظاہر ہوتا ہے (۴) پورے سال امان حاصل رہتا ہے (۵) حاجت براری میں جلدی ہو جاتی ہے (۶) خیر و برکت میں کثرت ہوتی ہے (۷) حصول عافیت و سلامتی کا ذریعہ ہے۔ (۸) رزق میں وسعت ہوتی ہے (۹) مال و اولاد میں اضافہ ہوتا ہے۔ (۱۰) شہروں میں دائمی امن و امان اور گھروں میں سکون و قرار رہتا ہے (۱۱) خوشنودی رسالت حاصل ہوتی ہے۔ (۱۲) روحانیت نبویہ کا التفات بڑھ جاتا ہے (۱۳) غیر مسلموں کی ترغیب و تشویق اور ان کی ہدایت کا سامان ہو جاتا ہے۔ (۱۴) علاوہ ازیں فقیر خاکسار کے علم میں یہ بات ہے کہ اس کی برکت سے بلائیں دفع ہوتی ہیں اور شفا حاصل ہوتی ہے۔ چنانچہ :-

(الف) سنہ ۱۹۰۹ء میں جب لکھنؤ میں طاعون کی شدت ہوئی اور موت کا بازار گرم تھا، تو جن لوگوں نے اپنے یہاں محفل میلاد منعقد کی اور میرے حضرت والد ماجد قدس سرہٗ نے بیان فرمایا تو نہ صرف وہ لوگ بلکہ ان کے محلہ والے بھی اس بلا سے محفوظ رہے۔ یہاں تک کہ اس بات کا چرچا ہونے پر بعض اہل ہنود نے اپنے یہاں جوش عقیدگی اور کمال اہتمام سے محفل منعقد کی تو وہ لوگ بھی محفوظ ہو گئے۔

(ب) خاتم الفقہا مولانا عبد الباقی مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے فقیر خاکسار سے بیان کیا کہ جب کسی مرض شدید میں مبتلا ہوتا ہوں تو مولود شریف پڑھواتا ہوں، تو اس کی برکت سے شفا پاتا ہوں اور بحمد اللہ تعالیٰ فقیر خاکسار کو بھی اپنی علالت میں اس کا تجربہ ہوا۔

غرضکہ ایسی بابرکت و مستحسن محفل اقدس ہے جس کے جواز و استحسان اور جس کے فوائد و برکات پر ایسے ایسے جلیل القدر ائمہ محدثین کرام و فقہائے عظام و عرفائے فخام شہادت دیتے اور عمل کرتے رہے اور جس کی ابتدا علامہ ابن جوزی جیسے جلیل القدر محدث نے اپنا

مولود شریف تصنیف کرکے کی اور اس زمانہ کے اکابر محدثین و فقہاء نے اس پر قطعاً انکار نہیں کیا اور اپنی کتاب کے آخر میں انہوں نے کہا کہ ہمیشہ اہل اسلام اس ماہ مبارک میں ایسا ایسا اہتمام کرتے رہے اور عامۃ المسلمین کامل خلوص و عقیدت اور بڑے اہتمام سے کرنے کے عادی تھے۔ ہندوستان میں غیر مقلد علماء نے اختلاف و نکیر کی آواز بلند کی۔ اس سلسلے میں سید احمد شہیدؒ کے اجل خلیفہ مولانا کرامت علی جونپوری متوفی سنہ ۱۲۹۰ھ کے رسالہ خلاصہ کا اقتباس الدر المنظم میں نقل کیا گیا ہے۔ اس کے بعض اقتباسات کا ذکر کر دینا فائدہ سے خالی نہیں۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں: ــــــــ

"ہم نے رسالہ المحض میں مولود شریف کو چھبیس عالموں اور اماموں کے قول و فعل سے اور اپنے طریقے کے پیشواؤں کے قول سے اور تواتر سے ثابت کیا ہے اور مولود کا منع کرنے والا فقط ایک شخص فاکہانی مالکی ہے، جو جماعت کے مقابلہ میں اکیلے دُکے کا کیا اعتبار اور قیام کو ایک مجتہد اور مکہ معظمہ کے دو معتبر اور نامی عالم قدیم کے فتوی سے اور بڑی بڑی معتبر کتابوں سے اور تواتر سے ثابت کیا ہے (آگے لکھتے ہیں) مولود کی حقارت کرنا کبھی درست نہ ہوگا۔ یہ کہنا کہ مولود بدعت مذمومہ ہے یا گمراہی ہے۔ یا حرام ہے، یا مکروہ ہے۔ یا یہ کہنا بھی درست نہ ہوگا کہ یہ رسالہ مولود کے باطل کرنے کے واسطے ہے۔ جیسا کہ ایک رسالہ کا نام کسی نے غایۃ الکلام فی ابطال عمل المولد والقیام رکھا ہے، قافیہ تو مل گیا مگر ایمان کا کیا حال ہوا (آگے لکھا ہے) اور قیام کا منع اب تک کسی کتاب میں نہ پایا اور حال کے وہابیوں نے جو اپنے رسالوں میں قیام منع کیا ہے۔ یا اب کوئی جاہل منع کرے تو اس کی بات کون سنتا ہے اور رسالہ المحض جلدی چھپ کر آتا ہے ان شاء اللہ تعالیٰ۔ اس سے سب پر کھل جاوے گا اور رد المختار کے کتاب البغاۃ میں وہابی کو باغی خارجی قرار دیا ہے۔ (آگے لکھتے ہیں) اور بخاری کی روایت والی حدیث میں جو ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا ہے اس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ نجد میں زلزلے اور فتنے ہوں گے اور نجد سے شیطان کے لشکر اور شیطان کے مددگار لوگ نکلیں گے۔ خاکسار کہتا ہے کہ یہ بات رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے معجزے کے طور پر فرمایا تھا، ویسا ہی ظاہر ہوا۔ اور وہابیوں کا فتنہ وہاں سے اٹھا۔ پھر وہاں کے وہابی لوگ بھی کئی فرقے ہیں۔ ایک وہ ہیں جو سارے مقلدوں کو مشرک جانتے ہیں اور مشرکوں کے حق میں جو آیت اتری ہے۔ اس کو مقلدوں کے حق میں پڑھتے ہیں اور آپ کسی کی تقلید نہیں کرتے ہیں۔ ایسے لوگ دہلی، بنارس، عظیم آباد، سورج گڑھی، کلکتہ، ڈھاکہ، رام پور لوالیا کے متعلق دیہات وغیرہ مقاموں میں نکلے ہیں اور دوسرا فرقہ تقلید کرتے ہیں۔ جیسا کہ پرانے وہابی لوگ اپنے تئیں حنبلی کہتے تھے۔ ویسا ہی یہ لوگ اپنے تئیں حنفی کہلاتے ہیں۔ جیسے بنگالہ میں ڈھاکہ، فریدپور، باریسال کے متعلق دیہات میں ہیں (آگے لکھتے ہیں) رام پور لوالیا میں ایک دغا باز دہلی سے جا کر رہا ہے، وہ کہتا ہے کہ مولود شریف بدعت سیئہ ہے۔ اس میں قیام کرنا شرک ہے اور اسی قیام کے سبب کہتا ہے کہ العیاذ باللہ، روم کا بادشاہ اور حرمین الشریفین کے سارے علماء اور سارے لوگ مشرک ہیں۔ حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ بیشک اللہ تعالیٰ جمع نہیں کرے گا میری امت کو [illegible]

پھر اشعۃ اللمعات میں لکھا ہے کہ یہ ایک خاصیت ہے کہ پروردگار تعالیٰ نے اس امت مرحومہ کے ساتھ خاص فرمایا ہے کہ جس بات پر امت کے لوگ اتفاق کریں گے، وہ حق ہی ہوگی (آگے لکھتے ہیں) دیکھو اس حدیث کی مخالفت کرکے وہابی لوگ اپنے گروہ کے لوگوں سے دو تین آدمیوں کے نام لے کر کہتے ہیں کہ فلانے فلانے کی بات مانو اور مسئلہ پوچھتے ہو تو انہیں سے پوچھو۔ پس یہی ایک بات ان دغاباز فریبیوں کے فساد سے بچنے کے واسطے کفایت ہے۔ بھلا کیا سبب ہے کہ حرمین شریفین جہاں قیامت تک دین باقی رہنے کی بشارت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے، سو وہاں کے علماء کی جماعت اور اس ملک ہندوستان کے سارے علماء کی جماعت کے ماننے اور ان سے مسئلہ پوچھنے کی تاکید کرنے اور لکھ بھی بھیجتے ہیں، تو سنت و جماعت کے ہزاروں علماء کی جماعت چھوڑ کر اپنے ہی گروہ کے دو تین شخص کو چن لینا اور ان کے سپرد اپنے معتقدوں کو کرنا، یہ تو اپنے وہابی پن اور لامذہب ہونے کا صاف اقرار کرنا اور سنت و جماعت کے گروہ سے خارج ہو جانا ہے (آگے کہتے ہیں) تو یہاں سے لے کر حرمین شریفین تک سارے اہل سنت و جماعت کو چھوڑ کے جن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت فرمایا ہے۔ نجد کے گروہ کے دو تین یا چار پانچ لوگوں سے جن کو حضرت نے شیطان کا لشکر فرمایا ہے مسئلہ پوچھنا اور ان کے مذہب پر چلنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کھلا کھلی کرنا ہے۔ مسلمانو ہم نے تم لوگوں کی بڑی خیر خواہی کی کہ اس رسالہ فیصلہ میں ڈھنگ پہنچوا دیا، ہمارے حق میں دعا کرو۔ والسلام"۔

سید احمد شہید کے خلیفہ و مرید اور مولانا اسماعیل شہید کے شاگرد رشید مولانا کرامت علی کی مذکورہ تحریر سے مولود شریف و قیام کا جواز و استحسان اور اس کے مخالفین کی پوری حقیقت واضح ہو گئی جس کے بعد کسی دوسرے دلیل کے پیش کرنے کی حاجت نہیں رہتی اور جن شہروں اور مقامات کے حوالے اس عبارت میں دیئے گئے ہیں وہیں سے لوگوں نے شر پھیلایا اور فتنہ برپا کیا۔ یہ جماعت برملا، منظر عام پر اہل سنت والجماعت کے معتقدات و اعمال پر صاف و واضح طور پر نکتہ چینی اور ان کے خلاف برگشتہ کرنے کی تدابیر کرنے کی جرأت نہیں رکھتی تھی اور نہ کوئی فتنہ سامانی پیش آئی۔ یہاں تک کہ تقویۃ الایمان، صراط مستقیم، ایضاح حق کی اشاعت عمل میں آئی جس سے ان کے نصب العین کو تقویت پہنچی اور ان کی جرأت بڑھ گئی اور فتنہ انگیزی شروع کر دی۔ اس کے پیش نظر مولانا کرامت علی مذکور، جو رد بدعات وغیرہ میں مختلف رسائل کے بھی مصنف ہیں۔ اپنے رسالہ خلاصہ میں ایضاح الحق کے تصنیف مولانا اسماعیل شہید ہونے سے بھی انکار کیا۔ لیکن اس کو کسی نے تسلیم نہیں کیا اور ایضاح الحق کو پیش نظر رکھ کر غیر مقلدین نے ہنگامہ آرائی شروع کر دی اور واقعہ شہادت شہیدین مذکورین کے بعد بحث و مباحثہ کا دروازہ کھل گیا۔ تحقیق سے نہیں کہا جا سکتا کہ اس فتنہ کا آغاز کس کے قلم سے ہوا، لیکن اتنا معلوم ہوتا ہے کہ سنہ ۱۲۴۶ھ سے اس قسم کے مسائل شرک و بدعت میں فریقین (وہابیہ و اہل سنت) کے درمیان قلمی مباحثہ نے زور پکڑا جبکہ مولوی خرم علی بلہوری کی نصیحت المسلمین اور مولانا ولایت علی کی رد شرک عام طور پر سامنے آئی۔ غالباً اسی زمانہ میں اس محفل مقدس کے خلاف بھی زہر افشانی شروع ہوئی، جو سنہ ۱۲۶۵ھ میں اس حد کو پہنچی کہ مفتی صدر الدین خاں صدر الصدور دہلی متوفی [illegible] نے اس کے استحباب و استحسان کا فتویٰ بہت مفصل لکھا اور فتویٰ سیف مسلول شائع ہوا جس پر اس زمانہ کے

بڑے بڑے علماء کے دستخط ثبت ہیں ۔ پھر سنہ ۱۲۷۱ھ میں ذوالمجد الفخیم حضرت مفتی محمد مظہر کریم دریا بادی نے ایک سوال کے جواب میں اس کا جواز واستحسان تحریر فرمایا اور اس کی تردید میں مولوی عبدالواحد فرخ آبادی و مولوی نجم الدین قنوجی (علمائے غیر مقلدین) نے جوابات لکھے لیکن ان کے دلائل نسج عنکبوت (مکڑی کے جالے) سے زیادہ وقعت نہیں رکھتے تھے ۔ ان دونوں کی تردید میں مقبول بارگاہ صمد حضرت سید شاہ رؤف احمد رأفت پانسوئی نے غایۃ المرام فی تحقیق المولد والقیام نہایت مبسوط و مفصل رسالہ لکھ کر اس متبرک محفل کا ثبوت دیا اور منکرین غیر مقلدین کے مذکورہ فتاوی کا دندان شکن جواب دے کر ان کا رد وابطال کیا پھر اکابر علمائے دہلی جن میں مولانا حیدر علی صاحب منتہی الکلام وغیرہ اور علمائے بریلی مولانا سید ایوب علی رضوی و مولانا رضا علی خاں متوفی سنہ ۱۲۸۲ھ وغیرہ اور علمائے حرمین شریفین وغیرہ بکثرت علمائے اکابر کے فتاوی بھی درج کئے ہیں ۔ اسی دور میں مولوی محبوب علی جعفری نے مخالفت میں ایک رسالہ لکھا ، جس کی تردید مولانا شاہ احمد سعید نقشبندی مجددی متوفی سنہ ۱۲۷۷ھ نے ایک رسالہ الذکر الشریف فی دلائل المولد المنیف لکھا ، جس میں عرب کے مفتیان مذاہب اربعہ کے فتاوی بھی درج کئے جن میں مولانا عثمان حسن دمیاطی شافعی ، مولانا عبداللہ بن محمد میرغنی حنفی ۔ مولانا حسین بن ... مالکی ۔ مولانا محمد بن ابی بکر مفتی شافعیہ مولانا محمد بن یحیٰی مفتی حنابلہ مولانا عبداللہ سراج مفسر و محدث مکہ خصوصیت سے قابل ذکر ... زمانہ میں مولانا سید احمد ولد آل احمد معروف مولانا کرامت علی رضوی بریلوی نے ہدی الانام فی مسئلۃ القیام لکھ کر قیام میلاد ... کا جواز ثابت کیا جس پر مولانا مفتی شرف الدین ، فخر العلماء مولوی عبدالجامع خاں (حضرت ملک العلماء مولانا بحر العلوم کے پو...) انیس علماء نے تصدیق فرمائی ، اسی زمانہ میں حضرت مولانا محمد عمر رضوی تلمیذ و خلیفہ حضرت استاذ الہند بانی درس نظامی کے پو... سید یعقوب علی رضوی بریلوی نے رسالہ محمدیؐ فی تعظیم النبی الہاشمی الابطحی تحریر فرمایا ، جس کی تصدیق آٹھ مشاہیر علماء ... فضل رسول بدایونی کا مرتبہ فتویٰ شائع ہوا ۔ اس کے بعد ہی مولانا فضل الحق مفتی شرف الدین ملک العلماء مولانا خلیل الرحمٰن ... مولانا عبدالحق و مفتی ظہور حسن وغیرہم اکابر علماء کا فتوی شائع ہوا ۔ پھر سنہ ۱۲۶۵ھ میں حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی کے ... مولانا شاہ سلامت اللہ بدایونی کانپوری متوفی سنہ ۱۲۸۱ھ نے اشباع الکلام تحریر فرمایا جو نہایت مبسوط و مدلل ہے ... اقدس اور قیام بوقت ذکر ولادت کا جواز واستحسان ثابت کیا اور منکرین کا زبردست ابطال کیا پھر سنہ ۱۲۹۵ھ میں مولانا ... آبادی جب حج کے لئے گئے اور حضرت شیخ عبدالرحمٰن سراج مکی سے ملے ، تو انہوں نے بتایا کہ مولوی الہ داد مدرس اول ... (جن کی طرف مولانا کرامت علی کی عبارت میں اشارہ موجود ہے) مخالفت محفل میلاد میں ایک رسالہ لکھا ہے ، جو ... طبع ہو کر یہاں آیا ہے ۔ انہوں نے شیخ سے وہ رسالہ لے کر زبان عربی میں جواب تحریر کر کے حضرت شیخ ... سنایا ، جس کو سن کر بعض مشائخ کی آنکھوں سے آنسو گرنے لگے

اردو پڑھئے اور لکھئے

ابیات

ترحّم یا نبی اللہ ترحّم

(از جناب مولانا شاہ عبداللہ عباس صاحب ندوی۔ مجیبی پھلواروی)

(رابطہ عالم اسلامی۔ مکہ مکرمہ)

...ہوا حقیر و بے نوایم
...سر زانبار گناہم
...جامی می سرایم
...ی بر آمد جان عالم
ترحّم یا نبی اللہ ترحّم

...یان ریختم من آبرویم
...نقے دارد نہ شام
...گی مدح تو خوانم
...بر آمد جان عالم
ترحّم یا نبی اللہ ترحّم

(۳) کجا سوز دل پروانہ یابم
کجا نقش رہ خاصان بیابم
اگر شاہا بہ الطاف تو نازم
ز مہجوری بر آمد جان عالم
ترحّم یا نبی اللہ ترحّم

(۴) توئی سرمایۂ دنیا و دینم
پناہ ایں جہان و آں جہانم
توئی آقا توئی مولا دیارم
ز مہجوری بر آمد جانِ عالم
ترحّم یا نبی اللہ ترحّم

(۵) جہانم تیرہ گشت و تیرہ راہم
بہ رویت از خدا اشراق خواہم
پناہِ بیکساں امید دارم
ز مہجوری بر آمد جان عالم

ترحم یا نبی اللہ ترحم

(جناب مولانا شاہ عون احمد صاحب قادری پھلواروی)

"مولانا عبداللہ عباس صاحب ندوی کی "تضمینِ شعر جامیؒ" سے متاثر ہو کر مولانا شاہ عون احمد صاحب نے یہ تضمین فرمائی ہے جس کو اہل ذوق کے لطف و دلچسپی کی خاطر شائع کیا جا رہا ہے۔" (ادارہ)

نگہ کن یا رسول اللہ بسُویم　　ہزاراں داغ بر دل ہست و صد غم
نہ من تنہا ز دردت بیقرارم　　ز مہجوری برآمد جانِ عالم
ترحم یا نبی اللہ ترحم

سکون بخشِ دل و جانِ حزینی　　قدم رنجہ نما سالم بہ بینی
پئے تسکینِ ما چندے نشینی　　تو آخر رحمةً للعالمینی
ز محروماں چرا فارغ نشینی

زبوں شد حالِ مادریاب برخیز　　پئے دلدادگاں بشتاب برخیز
توجانِ زندگی، بے تاب برخیز　　زخاک لالہ سیراب برخیز
چو نرگس خواب چند از خواب برخیز

ز تو تسکین ما، جانِ جہانی　　دہی مژدہ دلاں را زندگانی
رخ پُر نور تا کے در نہانی　　برون آور سر از برد یمانی
کہ روئے تست صبح زندگانی

دلِ بے کیف را پُرسوز گرداں زعکسِ رخ، جہاں افروز گرداں
سیہ بختم، شبم نوروز گرداں شب اندوہ ما را روز گرداں
زرویت روزِ ما فیروز گرداں

برائے غم نصیباں التجا کن بدرگاہِ خدا عرض و دعا کن
قدم را بیروں از خلوت سرا کن ادیم طائفی نعلین پا کن
شراک از رشتۂ جانہائے ما کن

بحالِ ما نظر اے محتشم نہ چو پا بوسیم احسانِ کرم نہ
تکلف بر طرف، خاطر بہم نہ زحجرہ پائے در صحن حرم نہ
بفرق خاکِ رہ بوساں قدم نہ

بجز تو نیست شاہے، بندگاں را مسرت بخش ایں بیچارگاں را
کنی غمخواریِ دل خستگاں را بدہ دستے زپا افتادگاں را
بکن دلداریِ دلدادگاں را

فتادہ ایم در شوقت براہے بفرمائی زلطفِ خود نگاہے
شدیم از ہجرِ تو چوں خشک کاہے تو ابرِ رحمتی آں بہ کہ گاہے
کنی بر حالِ لب خشکاں نگاہے

گرفتہ دامنِ شیخ[1] گرامی بامیدِ کرم آمد نظامی[2]
بکن کارم روا از لطفِ سامی بحسنِ اہتمامت کارِ جامی
طفیلِ دیگراں یابد تمامی

---

[1] شیخ گرامی، یعنی حضرت اقدس شیخی وشیخ العالم محی الحق والملۃ والدین قدس اللہ سرہٗ
[2] نظامی، بہ نسبت والد بزرگوار سیدی وسندی حضرت مولانا شاہ محمد نظام الدین قادری پھلواروی مدظلہ العالی کی طرف ہے۔ (عون احمد قادری)

غزل

(از جناب الحاج مولوی محمد شفیع صاحب شفیعؔ تمنائی پھلواروی)

روشن شبِ غم داغِ الم کرتے رہیں گے   انوارِ سحر تک یہی ہم کرتے رہیں گے
احساسِ ندامت کو وہ کم کرتے رہیں گے   مائل بہ کرم ہو کے ستم کرتے رہیں گے
رونا ہے کوئی جرم تو تا حشر یہی جرم   ہم اشکِ ندامت کی قسم کرتے رہیں گے
ہر گلخنِ نمرود گلستاں ہے بنانا   جو کام تمہارا ہے وہ ہم کرتے رہیں گے
کلیوں کے تبسم سے چمن والے ہوں شاداب   کب تک گلِ افسردہ کا غم کرتے رہیں گے
ہم جھکنے پہ راضی ہیں جہاں تک وہ جھکائیں   جب تک سرِ تسلیم ہے خم کرتے رہیں گے
دامانِ خرد اہلِ جنوں تیرے سہارے   کچھ رشتۂ دامن تو بہم کرتے رہیں گے
وہ حسنِ بیاں ہوگا کہ تنویر چھنے گی   وصفِ رخِ پُر نور جو ہم کرتے رہیں گے
بکھرے ہوئے ذرّے جو سمیٹے ہیں تجلّی   ہم رونقِ عالم کو بہم کرتے رہیں گے
اے رنجِ اسیری کبھی راحت نہ ملے گی   خوشیاں کبھی میسّر ہوں تو غم کرتے رہیں گے
سنگِ درِ دلدار کو بنیاد بنا کر   ہم دیر میں تعمیرِ حرم کرتے رہیں گے

یوں خاتمہ بالخیر شفیعؔ آپ کا ہوگا
جب تذکرۂ خیرِ امم کرتے رہیں گے

بہارِ محمدؐ

(جناب وفا ملک پوری، مدیر صبح نو، پٹنہ)

تصور میں ہے جلوہ زارِ محمدؐ — نظر آ رہا ہے مزارِ محمدؐ
ہے پیشِ نظر سبز گنبد کا نقشہ — نگاہوں میں ہے سبزہ زارِ محمدؐ
ہے آٹھوں پہر یاد دل میں نبیؐ کی — نظر میں ہے نقش و نگارِ محمدؐ
قمر ہو کے دو دے رہا ہے گواہی — دو عالم پہ ہے اختیارِ محمدؐ
ہو ہارونؑ و موسیٰؑ کہ الیاس و عیسیٰؑ — نہیں ایک بھی پلہ دارِ محمدؐ
ہے ذاتِ نبی محرمِ رازِ قدرت — تو قدرت بھی ہے رازدارِ محمدؐ
ہے عرشِ بریں سبز گنبد پہ صدقے — تو کعبہ فدائے دیارِ محمدؐ
یہ صدق و صفائے رسالت کی حد ہے — تھا دشمن کو بھی اعتبارِ محمدؐ
کچھ اس طرح سینچا تھا خونِ جگر سے — کہ اب تک ہے تازہ بہارِ محمدؐ
کلامِ خدا اہلِ بیتِ رسالت — یہ دونوں ہیں اک یادگارِ محمدؐ
نبیؐ کے برادر کا عالم نہ پوچھو — رہا بچپنے سے نثارِ محمدؐ
حسینؓ و حسنؓ فاطمہؓ کے دلارے — حقیقت میں ہیں یادگارِ محمدؐ
خدارا نظامِ دو عالم ہے برہم — زمانہ کو ہے انتظارِ محمدؐ

وفا دل میں بس اک یہی آرزو ہے
کہ میں دیکھ لوں اب مزارِ محمدؐ

نعتِ پاکؐ

(ازجناب تاج پیامی صاحب، آرہ)

روشن ہے مہر سے بھی کہیں آج کی سحر ۔۔۔ ظلمت کے بُت پڑے ہیں شکستہ اِدھر اُدھر
آتش کدے ہیں سرد، تو ناقوس ہیں خموش ۔۔۔ توحید کی صدا سے لرزتے ہیں بام و دَر
کسریٰ کی شان روم کی عظمت بھی مٹ گئی ۔۔۔ صحرانشیں کے نطق کا ایسا ہوا اثر
بے جان کنکری نے کہا، یہ رسولؐ ہیں ۔۔۔ اُنگلی کے اِک اشارے سے شق ہوگیا قمر
چشمِ زدن میں فرش سے تاعرش تھے حضور ۔۔۔ جبریلؑ بھی پہنچ نہ سکے جس مقام پر
چھوٹے بڑے کا فرق جہاں سے مٹا دیا ۔۔۔ اُن کا کرم کہ بڑھ کے ملائک سے ہے بشر
حیراں تھا آدمی کہ الٰہی یہ کیا ہوا ۔۔۔ دنیا بدل گئی تھی اُٹھی جس طرف نظر
شمعِ جمالِ قدس کے پروانے بن گئے ۔۔۔ عثمانؓ ہوں، علیؓ ہوں، ابوبکرؓ یا عمرؓ

اوصاف آپؐ کے ہوں بیاں اور تاج سے
"بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر"

"تہنیت و مُبارکباد"

بوقت واپسی حج جناب الحاج عبدالستار صاحب، ملک التجار، داناپور
(از جناب مولوی سید امیرالحسن صاحب، پھلواروی)

مرحبا اے نگہِ شوق بہ وصلِ دیدار ۔۔۔ بردرِ یار ہوئی تیری جبیں سجدہ گزار
سعی حاصل ہے تری گردشِ کوئے دلدار ۔۔۔ طوفِ کعبہ ہو مبارک تجھے عبدالستار
خارزارِ رہِ الفت سے گزرنے والے ۔۔۔ تیرے قدموں پہ تصدق ہو بہارِ گلزار
بختِ بیدار ترا، مُہرِ جبیں ہے روشن ۔۔۔ تیرے سجدے ہیں درِ یار کے آئینہ دار
دیکھا اللہ کا گھر، روضۂ انور دیکھا ۔۔۔ نور آنکھوں کا ترے بن گیا نور الانوار
ذرۂ خاک درِ یار سے چمکی ہے جبیں ۔۔۔ ماہ و خورشید کو کردوں ترے سجدوں پہ نثار
بن کے معصوم تو آیا ہے، خدا کے گھر سے ۔۔۔ حج مبرور مبارک تجھے عبدالستار
سرخوشی اس کی نہ تا زیست اُترنے دینا ۔۔۔ تو مئے زمزم و کوثر سے ہوا ہے سرشار
جا کے کعبہ میں امیرالحسن اپنی ہو دعا ۔۔۔ خانۂ حق سے نہ محجوب ہوا اپنا گھر بار

کوائف و حالات

نرگس کی آنکھ بن کے رہے ہیں چمن میں ہم   رازِ دنیا ز بلبل و گل ہم سے پوچھئے

ـــــ کچھ اپنی ـــــ کچھ دوسروں کی ـــــ

وزیر اعلیٰ بہار اُردو کے مسائل کو حل کرنے کے لئے تیار :ـــ

اپریل کے دوسرے ہفتہ میں اولڈ کانی ہاؤس پٹنہ میں بہار اردو ایڈیٹرس کانسل کی جانب سے وزیر اعلیٰ کو دیئے گئے استقبالیہ میں وزیر اعلیٰ بہار شری کیدار پانڈے نے کہا کہ اردو کے مسائل کو حل کرنے کیلئے میں صوبائی سطح پر ہر طرح کی کوشش کرنے کو تیار ہوں۔ جلسہ کی صدارت مرکزی نائب وزیر اطلاعات و نشریات شری دھرم ویر سنگھ نے کی۔ جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے اس بات کا یقین دلایا کہ ان شکایت کی جانب میں خاص طور پر توجہ دونگا اور اس کی کوشش کروں گا کہ کم از کم دس اردو پڑھنے والے جہاں طلبا ہوں وہاں اردو پڑھانے کا انتظام کیا جائے اور یہ یقین دلایا کہ صوبائی سطح پر اردو کی ترقی و بقا کے لئے ہر مناسب کوشش کی جائیگی۔ انہوں نے کہا کہ اردو اور ہندی بہنیں ہیں، میری ذاتی دلچسپی اردو زبان سے کافی ہے، میں اردو سیکھنے کی کوشش بھی کر رہا ہوں۔ کاش مجھے کوئی اردو سکھانے کو تیار ہو۔

افتتاحیہ خطبہ میں ڈاکٹر خالد رشید (صدر بہار اسٹیٹ اردو ایڈیٹرس کانسل) نے کہا کہ اردو اخبارات کے مستقبل کا اردو لکھنے پڑھنے والوں کی تعداد سے بہت گہرا تعلق ہے، جو لوگ اردو صحافت کے پیشے میں ہیں انکے مستقبل کی کوئی ضمانت نہیں ہے۔ انکی حالت دیکھ کر نئے اور باصلاحیت لوگ اس طرف کا رخ کرنے سے گریز کرتے ہیں۔ اردو اکاڈمی امید کی ایک کرن بن کر چمکی ہے لیکن اردو جرنلسٹوں کیلئے اسمیں گنجائش رکھی گئی ہے یا نہیں معلوم نہیں ہے۔

سعودی عرب میں قرآن ریڈیو اسٹیشن :ـــ

سعودی عرب میں قرآن ریڈیو اسٹیشن نے نشری پروگرام شروع کر دیا ہے۔ اس اسٹیشن سے صرف تلاوت قرآن پاک سنائی جائیگی۔ پروگرام کے آغاز میں مسلمانوں کو اس ندا کے ساتھ مخاطب کیا جاتا ہے۔ "خدا کے کلام کیلئے اپنے کانوں اور دلوں کو کھولئے"۔

یہ اسٹیشن مشرقی اور مغربی، افریقہ کے درمیان پورے علاقے کو کور کرے گا۔

نعت پاکؐ

(از جناب تاج پیامی صاحب، آرہ)

روشن ہے مہر سے بھی کہیں آج کی سحر — ظلمت کے بت پڑے ہیں شکستہ اِدھر اُدھر
آتش کدے ہیں سرد، تو ناقوس ہیں خموش — توحید کی صدا سے لرزتے ہیں بام و در
کسریٰ کی شان، روم کی عظمت بھی مٹ گئی — صحرا نشیں کے نطق کا ایسا ہوا اثر
بے جان کنکری نے کہا، یہ رسولؐ ہیں — اُنگلی کے اِک اشارے سے شق ہوگیا قمر
چشم زدن میں فرش سے تا عرش تھے حضور — جبریلؑ بھی پہنچ نہ سکے جس مقام پر
چھوٹے بڑے کا فرق جہاں سے مٹا دیا — اُن کا کرم کہ بڑھ کے ملائک سے ہے بشر
حیراں تھا آدمی کہ الٰہی یہ کیا ہوا — دنیا بدل گئی تھی اُٹھی جس طرف نظر
شمعِ جمالِ قدس کے پروانے بن گئے — عثمانؓ ہوں، علیؓ ہوں، ابوبکرؓ یا عمرؓ

اوصاف آپؐ کے ہوں بیاں اور تاج سے
"بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر"

"تہنیت و مبارکباد"

بوقت واپسی حج جناب الحاج عبدالستار صاحب، ملک التجار، داناپور

(از جناب مولوی سید امیر الحسن صاحب، پھلواروی)

مرحبا اے نگہ شوق بہ وصلِ دیدار — یہ درِ یار ہوئی تیری جبیں سجدہ گزار
سعی حاصل ہے تری گردشِ کوئے دلدار — طوفِ کعبہ ہو مبارک تجھے عبدالستار
خارزارِ رہِ الفت سے گزرنے والے — تیرے قدموں پہ تصدق ہو بہارِ گلزار
بخت بیدار ترا، مُہرِ جبیں ہے روشن — تیرے سجدے ہیں درِ یار کے آئینہ دار
دیکھا اللہ کا گھر، روضۂ انور دیکھا — نور آنکھوں کا ترے بن گیا نور الانوار
ذرۂ خاک درِ یار سے چمکی ہے جبیں — ماہ و خورشید کو کردوں ترے سجدوں پہ نثار
بن کے معصوم تو آیا ہے خدا کے گھر سے — حج مبرور مبارک تجھے عبدالستار
سرخوشی اس کی نہ تا زیست اُترنے دینا — تو مئے زمزم و کوثر سے ہوا ہے سرشار
جا کے کعبہ میں امیر الحسن اپنی ہو دعا — خانۂ حق سے نہ محجوب ہو اپنا گھر بار

کوائف و حالات

راز و نیاز بلبل و گل ہم سے پوچھئے　　نرگس کی آنکھ بن کے رہے ہیں چمن میں ہم

کچھ اپنی ـــــ کچھ دوسروں کی ـــــ

وزیر اعلیٰ بہار اُردو کے مسائل کو حل کرنے کے لئے تیار:ـــ

اپریل کے دوسرے ہفتہ میں اولڈ کافی ہاؤس پٹنہ ۴ میں بہار اردو ایڈیٹرس کانسل کی جانب سے وزیر اعلیٰ کو دیئے گئے استقبالیہ میں وزیر اعلیٰ بہار شری کیدار پانڈے نے کہا کہ اردو کے مسائل کو حل کرنے کیلئے میں صوبائی سطح پر ہر طرح کی کوشش کرنے کو تیار ہوں۔ جلسہ کی صدارت مرکزی نائب وزیر اطلاعات و نشریات شری دھرم ویر سنگھ نے کی۔ جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے اس بات کا یقین دلایا کہ اس شکایت کی جانب میں خاص طور پر توجہ دونگا اور اس کی کوشش کروں گا کہ کم از کم دس اردو پڑھنے والے جہاں طلبا ہوں وہاں اردو پڑھانے کا انتظام کیا جائے اور یہ یقین دلایا کہ صوبائی سطح پر اردو کی ترقی و بقا کے لئے ہر مناسب کوشش کی جائیگی۔ انہوں نے کہا کہ اردو اور ہندی مسئلے میں، میری ذاتی دلچسپی اردو زبان سے کافی ہے، میں اردو سیکھنے کی کوشش بھی کر رہا ہوں۔ کاش مجھے کوئی اردو سکھانے کو تیار ہو۔

افتتاحیہ خطبہ میں ڈاکٹر خالد رشید (صدر بہار اسٹیٹ اردو ایڈیٹرس کانسل) نے کہا کہ اردو اخبارات کے مستقبل کا اردو لکھنے پڑھنے والوں کی تعداد سے بہت گہرا تعلق ہے، جو لوگ اردو صحافت کے پیشے میں ہیں انکے مستقبل کی کوئی ضمانت نہیں ہے۔ انکی حالت دیکھ کر نئے اور باصلاحیت لوگ اس طرف کا رخ کرنے سے گریز کرتے ہیں۔ اردو اکاڈمی امید کی ایک کرن بن کر چمکی ہے لیکن اردو جرنلسٹوں کیلئے اسمیں گنجائش رکھی گئی ہے یا نہیں معلوم نہیں ہے۔

سعودی عرب میں قرآن ریڈیو اسٹیشن:ـــ

سعودی عرب میں قرآن ریڈیو اسٹیشن نے نشری پروگرام شروع کر دیا ہے۔ اس اسٹیشن سے صرف تلاوت قرآن پاک سنائی جائیگی۔ پروگرام آغاز میں مسلمانوں کو اس ندا کے ساتھ مخاطب کیا جاتا ہے۔ "خدا کے کلام کیلئے اپنے کانوں اور دلوں کو کھولئے"۔

یہ اسٹیشن مشرقی اور مغربی افریقہ کے درمیان پڑنے والے علاقے کو کور کرے گا۔

ملک میں ڈاکخانوں کی تعداد ایک لاکھ ۱۰ ہزار :—

محکمہ ڈاک و تار نئی دہلی کے ایک ترجمان میں بتایا گیا ہے کہ ملک میں اب ڈاکخانوں کی تعداد ایک لاکھ ۱۰ ہزار ہو گئی ہے۔ ملک میں ہر روز اوسطاً ۹ ڈاکخانے کھولے گئے فی ۲۹ مربع میل کے اندر ایک ڈاکخانہ عمل میں آچکا ہے۔

حکومت یو۔پی کی اُردو نوازی - بہار سے جناب رضا نقوی واہی کو انعام :-

حکومت یوپی نے ہندی سنسکرت اور اردو کے ممتاز مصنفین کو مالیاتی سال ۱۹۷۲-۷۱ء کے دوران ۶۴۲۵ روپے کے نقد انعامات دیئے ہیں جن میں اردو کے حسب ذیل مصنفین کو انعامات ملے ہیں۔

۱۔ جناب پروفیسر سید مسعود حسن رضوی (شعبہ اردو لکھنؤ یونیورسٹی) انکی تخلیقات پر پانچ ہزار روپے

۲۔ جناب مالک رام (نئی دہلی) کو "گل رعنا" پر ایک ہزار

۳۔ جناب علی جواد زیدی (نئی دہلی) کو "دو ادبی اسکول" پر ۸ سو روپے

۴۔ جناب فرقت کاکوی کو "غالب خستہ کے بغیر" پر ۱۰ سو روپے

۵۔ جناب رضا نقوی واہی (مزاح نگار پٹنہ) کو "کلام نرم و نازک" پر ۵ سو روپے

۶۔ جناب عبداللطیف اعظمی نئی دہلی کو "گاندھی جی اور ان کے خیالات" پر ۵ سو روپے

۷۔ جناب اکرام اللہ (بہرائچ) کو "تہذیب تمدن" پر ۵ سو روپے

۸۔ جناب اے۔ اچ کشمیری (کشمیر) کو "منظومات میاں دیگر" پر ۵ سو روپے

۹۔ ڈاکٹر کالی داس گپتا رضا (بمبئی) کو "سوزش پنہاں" پر ۵ سو روپے

پٹنہ کا قدیم تعلیمی ادارہ مدرسہ سلیمانیہ دم توڑ رہا ہے :—

آج سے تقریباً ستر سال پہلے عظیم آباد (پٹنہ سیٹی) میں "مدرسہ سلیمانیہ" کا قیام عمل میں آیا تھا۔ یہ مدرسہ ہمیشہ بلا تفریق ملت دینی اور اسلامی تعلیم کے اغراض و مقاصد کی تکمیل کرتا رہا، اور قائم کرنے والوں کی مغفرت کا سہارا بنا۔ مگر اس طرف چند برسوں سے اس ادارہ کی زبوں حالی انتہائی افسوسناک ہو گئی ہے۔ مدرسہ سے متعلق موقوفہ جائداد کی آمدنی بند کر دی گئی ہے، بعض اساتذہ کی تنخواہ برسوں سے چلی آرہی ہیں۔ کچھ تو مر گئے اور جو باقی ہیں، وہ بھی مردہ حال ہو رہے ہیں۔ پٹنہ میونسپل کارپوریشن کا ٹیکس تقریباً اٹھارہ (۱۸) ہزار سے زیادہ ہو گیا ہے مگر اب تک متولی مدرسہ کی آنکھ نہیں کھلی ہے۔

بہار صوبائی شیعہ وقف بورڈ کا ہر ممبر مدرسہ کی تمام کُتب ہات سے واقف ہے مگر اس سلسلہ میں وہ لوگ خصوصاً صدر و ناظم اوقاف بالکل لاپرواہ نظر آتے ہیں، شاید ان کی رگِ حمیت مردہ ہو چکی ہے یا پھر متولی مدرسہ سے کچھ مراسم خصوصی کی بنا پر یہ مراعات ہیں۔

معلوم ہوا ہے کہ پٹنہ میونسپل کارپوریشن نے ذمہ داران مدرسہ کو اپنی بقایا رقم کی ادائیگی کے لئے بار بار نوٹس دی مگر انہوں

بھلے لاپرواہی برتی اس لئے مجبور ہو کر کارپوریشن کے علاوہ گورنمنٹ کو بھی اقدام اٹھانا پڑا مدرسہ کے متولی اور سکریٹری قابل بازپرس ہیں کیونکہ مدرسہ قوم اور ملت کی امانت ہے اور صورت حال یہ ہے کہ مدرسہ کی عمارت کسی وقت بھی نیلام ہو سکتی ہے ۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اگر افراد ملت نے اس قومی امانت کے تحفظ کے لئے کوئی عملی اقدام اور کوئی کوشش نہ کوئی تو قدیم روایات کا حامل یہ تعلیمی دینی اور مذہبی ادارہ دم توڑ دے گا ۔

آستانہ مجیبیہ پھلواری شریف، پٹنہ کا عرس :۔

آستانہ مجیبیہ پھلواری شریف پٹنہ میں سب سے بڑا عرس ربیع الاول کے مہینہ میں انجام پاتا ہے جس میں ہند و بیرون ہند کے ہر حصے سے زائرین تشریف لاتے ہیں ۔ اس سال ۳۰ صفر ۱۳۹۲ھ کی رویت کے حساب سے یکم ربیع الاول ۱۳۹۲ھ مطابق ۱۶ اپریل روز اتوار ہوئی ۔ اسی حساب سے عرس ہوگا ۔

عرس مبارک کے پروگرام :۔

۱ ۔ پہلی ربیع الاول ۱۳۹۲ھ سے ۱۰ ربیع الاول تک روزانہ صبح کی نماز کے بعد تلاوت کلام پاک اور ایصال ثواب

۲ ۔ ۱۰ ربیع الاول ۱۳۹۲ھ کو بعد نماز عصر بیان سیرت اور محفل میلاد ۔

۳ ۔ ۱۱ ربیع الاول ۱۳۹۲ھ کو آخری رات میں ۳ بجے قل و فاتحہ اور اس کے بعد مجلس سماع پھر اپنے وقت پر فجر کی نماز باجماعت پورے اجتماعی نظم اور ضبط کے ساتھ، بعد نماز پھر مجلس سماع ۱۲ بجے دن تک ۔

۴ ۔ ۱۲ ربیع الاول کی رات میں عشاء کی نماز اور بیان سیرت پاک صلعم اور محفل میلاد ۔

۵ ۔ " " کی آخری رات میں ۳ بجے قل و فاتحہ ۔ اس کے بعد مجلس سماع نماز فجر سے پہلے تک ، پھر نماز فجر اپنے آداب و شرائط اور جماعت کے ساتھ، بعد نماز پھر مجلس سماع ۱۲ بجے دن تک ۔

۶ ۔ ۱۲ ربیع الاول ۱۲ بجے دن کو آخری قل و فاتحہ ۔

۷ ۔ " " ۳ بجے دن میں بعد نماز ظہر آثار شریف کی زیارت دو گھنٹہ تک ۔

۸ ۔ آثار شریف کی زیارت کے بعد نماز عصر اور بعد نماز عصر مجلس سماع مغرب سے پہلے تک ۔

۹ ۔ ۱۳ ربیع الاول کی صبح سات بجے سے ۱۱ بجے دن تک خانقاہ مجیبیہ کے زنانہ مکان میں مستورات کے لئے بھی آثار شریف کی زیارت کا نظم شرائط پردہ کے ساتھ کیا جاتا ہے ۔

مزید یہ کہ ربیع الاول کی پہلی تاریخ کی رات سے بعد نماز مغرب سوا سات بجے سیرت پاک نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا بیان شروع ہوتا ہے، یہ مجلس تقریباً ایک گھنٹہ ہوتی ہے ۔ روزانہ ہر رات میں سیرت پاک صلعم کے واقعات علی الترتیب بیان کئے جاتے ہیں ۔ ۱۱ ربیع الاول کی رات تک یہ سلسلہ جاری رہتا ہے ۔

دار العلوم مجیبیہ پھلواری شریف میں حفّاظ کی فراغت اور دستار بندی :۔

دار العلوم میں شروع تعلیمی سال سے ابتدائی و انتہائی تمام درجوں میں تعلیمی اسباق و علمی اشغال جاری ہیں اور قدیم حفاظ بھی حافظ و قرات کی تدریس میں مشغول ہیں۔

چنانچہ اس سال چند حفاظ کلام اللہ کے حافظہ سے فارغ ہو چکے ہیں۔ ۱۲ ربیع الاول بعد نماز ظہر ان تمام حفاظ کی دستار بندی اور تقریر سیرت کا پروگرام ہے، امید ہے کہ علم دوست حضرات شریک ہو کر اپنے علمی و دینی ذوق کا ثبوت دیں گے۔

چاند کی اطلاع ـــــ ماہ ربیع الاول ۱۳۹۲ھ :۔

۲۹ صفر ۱۳۹۲ھ کو پھلواری شریف اور اس کے اطراف میں چاند نہیں دیکھا گیا۔ یکم ربیع الاول ۱۳۹۲ھ۔ مطابق ۱۶ اپریل ۱۹۷۲ء۔ روز اتوار ہوئی اور ۱۰، ۱۱، ۱۲ ربیع الاول ۱۳۹۲ھ۔ مطابق ۲۵، ۲۶، ۲۷ اپریل ۱۹۷۲ء منگل، بدھ، اور جمعرات ہوگا۔

بقیہ مضمون افادات

بہشت ہی گئے۔ انھیں کچھ لذت نہ ملی جب وہ دن آئیں گے کہ تحت فردوسی پر تم بیٹھو گے اور راہ طلب کا ایک ایک کانٹا اپنے پاؤں سے نکالو گے تو اس وقت تم کو اس بات کی حسرت ہوگی اور تم کہو گے کہ افسوس صد افسوس یہی کانٹا جو پاؤں میں چبھا تھا کاش مری رگ جاں میں پیوست ہو جاتا۔ کہ ہزار گو نہ لذت زیادہ حاصل ہوتی۔ کیونکہ اس راہ کے چلنے والوں کو لذت اسی وقت حاصل ہوگی۔ جب ان کا مقصد ان کو مل کے رہیگا۔ اس وقت یہ بات صادق آئے گی۔ کہ مرید مراد تک پہنچا۔ قطرہ دریا سے جا ملا۔ مرغ آشیانہ تک پہونچا۔ سب دوئی اٹھ گیا۔ کام کی انتہا یہاں تک پہونچی۔

العبد والرب والرب والعبد

والسلام

دار الاشاعت کی کتابیں

آثاراتِ پھلواری شریف

موسومہ

اعیانِ وطن

پھلواری شریف کے دو سو [illegible] حکومت قاضی القضاۃ وغیرہ اور دیگر باشندوں کی سوانح [illegible] و اسناد [illegible] اور [illegible] و مساجد و خانقاہوں کی [illegible] تاریخ اور مباحث علمیہ کا بہتر مجموعہ۔ قیمت عہ

نعمتِ کبریٰ

انبیاء علیہم السلام و بالخصوص حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم [illegible] وفات [illegible] ایک محققانہ تصنیف [illegible] قیمت [illegible]

عطر الوردین

شرح [illegible] کا مجموعہ کلام (فارسی)

دوبارہ اشاعت قیمت [illegible]

محی الملۃ والدین

حضرت [illegible] شاہ محی الدین قادری قدس اللہ سرہٗ [illegible] سوانح [illegible]

MAY 1972] [Regd. No. P. 1874

Phone : No. 23289

The **ALMUJEEB** ***Monthly***

PHULWARI SHARIF, (PATAN)

The Only and most widely Circulated Urdu monthly of Bihar

پرنٹر پبلشر: سید لطف احمد قادری | دفتر دار الاشاعت خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف (پٹنہ)

ماہنامہ

المجیب

مدیر مسئول سید احمد حسین بی اے سہسرامی

دار الاشاعت خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف

رجسٹرڈ نمبر پی ۱۰۲۴ — [illegible] — [illegible] ۲۳۱۸۹

ماہنامہ

المجیب

پھلواری شریف پٹنہ

پاکستان و غیر ممالک سے ۸ روپے

قیمت سالانہ ۶ روپے فی پرچہ ۶۲ پیسے

جلد ۱۴ | ماہ شوال المکرم ۱۳۹۲ھ مطابق نومبر ۱۹۷۲ء | شمارہ ۲

• مدیر مسئول:۔

سید احمد حسین سہسرامی

• مدیران:۔

سید یوسف رضوی

ظفر حسنین

اسماعیل حسنین نقوی

• پرنٹر پبلشر:۔

سید لطف احمد قادری

• مطبع:۔

لیبل لیتھو پریس رمنہ روڈ پٹنہ ۴

• مقام اشاعت:۔

دارالاشاعت خانقاہ مجیبیہ

پھلواری شریف۔ پٹنہ

لمعات

رمضان المبارک اپنے فرائض وواجبات کے تقاضوں کے ساتھ ساتھ جلوہ گر ہوا اور اپنی برکتیں اور خاص رحمتیں بکھیرتا ہوا رخصت ہوگیا ——— اب عید آئی ہے، مسرتوں اور بہاروں کے جھرمٹ میں آئی ہے ان لوگوں کے لئے خاص طور پر مسرت وشادمانی کا سامان لائی ہے۔ جنہوں نے رمضان کے تقاضوں کو پورا کیا اور حق کی رضا وخوشنودی حاصل کرنے میں مشغول رہے۔

اپنے اپنے وقت پر یہ خصوصی ایام آتے ہیں اور چلے جاتے ہیں۔ ہمیں اور آپ کو غور کرنا ہے کہ ہم لوگوں نے اس سے کہاں تک فوائد حاصل کئے اور سبق کے پہلو اس سے کس حد تک اخذ کئے۔ اس غور وفکر کا یہی وقت ہے۔ اس کے بعد کسی صحیح نتیجہ پر پہنچ کر سال کے آنے والے گیارہ مہینے اسی کی روشنی وہدایت کے تحت گذارنے چاہئیں ——— دین اسلام کا یہی مطالبہ ہے۔

سرکاری ملازمت سے ریٹائرڈ ہونے کی عمر ۵۸ سال سے کم کرکے ۵۵ سال کردینے کا جو فیصلہ حکومت بہار نے کیا ہے، اس سے ایک ساتھ ۳۰ ہزار لوگ روزی سے ہاتھ دھولیں گے — بے روزگاری کے متعلق ایک نیوز ایجنسی کے تجزیہ سے پتہ چلتا ہے کہ صوبہ میں تعلیم یافتہ بے روزگاروں کی تعداد میں بہت تیزی سے اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ صوبہ بہار کے علاقائی (ریجنل) ایمپلائمنٹ ایکسچینج میں درج کرائے گئے ناموں کے مطابق ۱۹۶۹ء میں بے روزگاروں کی جو تعداد تھی اس میں ۴۲ فی صد اضافہ ہی ہوا، کمی نہیں، اور گذشتہ سال بے روزگاروں کی تعداد چار لاکھ تین ہزار چھ سو اڑتیس تھی۔ جو اس سال جون میں بڑھ کر پانچ لاکھ چھتیس ہزار دو سو ستائیس تک پہنچ گئی تھی۔ جون کے بعد کی حالت کا پتہ نہیں ہے، جب حالات کے سدھرنے کی کوئی صورت نظر نہیں آرہی ہے، تو یہی کہا جائے گا کہ بے روزگاروں کی تعداد اور بڑھی ہوگی۔ ایمپلائمنٹ ایکسچینج کی رپورٹ میں بے روزگاروں کی تعداد جو درج کی گئی ہے اسے حقیقی تعداد نہیں مان لینا چاہیئے۔ کیونکہ بہت سے تعلیم یافتہ اور غیر تعلیم یافتہ بے روزگار ان دفتروں میں اپنا نام

درج نہیں کراتے ۔ اگر ہم مان لیں کہ ۵۰ فی صد بے روزگار ان دفاتر میں اپنا نام درج نہیں کراتے تو ان کی تعداد بھی دس لاکھ سے زیادہ ہو جاتی ہے ۔

بے روزگاری کا تجزیہ دوسرے صوبوں میں بھی کیا گیا ہے اور اس کی رپورٹ سے پتہ چلتا ہے کہ گجرات اور کیرالا کی حالت میں نمایاں سدھار ہوا ہے ۔ لیکن اور صوبوں کی حالت تشویشناک ہے ۔ یوپی کی حالت تو بالکل بہار جیسی ہی ہے ۔ ۱۹۷۰ء میں وہاں سات لاکھ بہتر ہزار نو سو انتالیس بے روزگاروں کے نام درج تھے، جو گزشتہ دسمبر کے آخر میں بڑھ کر آٹھ لاکھ تینتالیس ہزار سات سو تیس ہو گئے ہیں ۔ ظاہر ہے آبادی میں زیادتی کے ساتھ بے روزگاروں کی تعداد میں بھی زیادتی ہوتی جائے گی ۔ اگر اس اہم مسئلہ کے حل کے لئے ٹھوس اور معیاری اقدام نہیں کئے گئے تو یہ بات طے ہے کہ نوکری کے انتظامات کر کے بے روزگاری کے خطرناک مسئلہ کا حل نہیں ڈھونڈھا جا سکتا ۔ اس کے لئے ایسا انتظام نہایت ضروری ہے کہ جس میں تعلیم یافتہ مگر اوسط ذہانت والے طلباء کو ٹکنیکل ٹریننگ دی جا سکے اور بعد ٹریننگ انہیں بالکل آزادانہ طور سے صنعتی معروفیات میں لگانے کی سہولتیں حاصل ہو سکیں ۔ اس سے کام کا دائرہ بھی وسیع ہو گا اور چیزوں کی پیداوار میں اضافہ بھی ۔ پانچویں پنج سالہ پلان میں اس طرف کہاں تک حکومت کی نظر جائے گی وہ تو اس عملی پروگراموں کی اشاعت کے بعد ہی معلوم ہو سکے گا ۔ لیکن یہ طے ہے کہ صنعتی کاموں میں زیادہ سے زیادہ لوگوں کو لگانے کی سہولت ملنے سے ہی اس مسئلہ کا حل نکالا جا سکتا ہے ۔

عرب مجاہدین نے اپنے جذبۂ وطنیت اور اسرائیل دشمنی کے جوش میں میونخ اولمپک میں جو کارنامہ انجام دیا، اگرچہ وہ اس میں کامیاب رہے اور جنگی حالات میں دشمنوں اور محارب قوموں کے ساتھ یہ سلوک کوئی مذموم عمل نہیں ہے ۔ لیکن سنجیدہ اور صحیح اسلامی فکر کا تقاضہ یہ نہیں ہے کہ ایسی حرکتیں کی جائیں کہ آگے چل کر دوسرے مصائب کا باعث بن جائیں ۔ چنانچہ جدید سیاست کی عروج کرتی ہوئی ذہانت نے اس کے جواب میں عمل شروع کر دیا ہے ۔ اور اس کے نتیجہ میں خط بموں کا خطرناک سلسلہ چل پڑا ہے ۔ پہلے اس قسم کے خط بموں کا سلسلہ یورپ تک ہی محدود تھا ۔ بمبئی کے پولس کمشنر کی اطلاع کے مطابق اب تک اس طرح کے ۴۲ خط بموں کا پتہ چل سکا ہے اور بمبئی کا ایک ڈاکیہ ایک خط بم کا شکار بھی ہو چکا ہے ۔ خط بموں کا سلسلہ انسانیت سوز اس لئے بھی ہے کہ اس سے اسی شخص کی موت ہو جاتی ہے، جس کے نام وہ بھیجا گیا ہے ۔ اپنی منزل سے پہنچنے سے پہلے وہ خط بم کتنے ہی ہاتھوں سے گزرتا ہے، مگر کسی کی موت واقع نہیں ہوتی ۔ یہ ایک نئی الجھن کا باعث بنا ہوا ہے ۔ حکومت اس سلسلہ میں سخت پریشان ہے اور غیر ممالک نے تمام ہندوستانی خطوط کو اپنے ملک میں داخلہ پر پابندی لگا دی ہے جس سے لاکھوں لوگوں کو بھی پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے اور ساتھ ساتھ ملک کو زبردست خسارہ اٹھانا پڑ رہا ہے ۔ حکومت کو چاہیئے کہ جلد از جلد اس خط بم کے معمہ پر قابو پائے ۔ — چاہے اس کے لئے غیر ممالک کے سراغ رساں محکموں کی مدد کیوں نہ لینی پڑے ۔

عید اسلام اور دیگر مذاہب میں

(از جناب مولانا محمد زکریا قالب آروی فاضل مجیبی ادیب ماہر علیگ)

آغاز تکوین ہی سے فطرت انسانی مسرت وشادمانی، عیش وعشرت اور درد وپریشانی، رنج وکلفت کا مجموعہ رہی ہے۔ فرحت وسرور کا شائق انسان جب بہجت وانبساط سے ہمکنار ہوتا ہے تو اپنی فطری جذبات کا مظاہرہ انفرادی یا اجتماعی طور پر کیا کرتا ہے اور فی الحقیقت خوشی کے وہی دن اور وہی لمحات تمامی ملل واقوام کے یہاں "عید" کے نام سے موسوم کئے جاتے ہیں۔

دنیائے عالم کے سارے ادیان و مذاہب میں کچھ مخصوص دن ایسے ہیں جن میں ان کے پیرو کار قومی وروایتی طریقہ پر پورے جوش وخروش کے ساتھ اپنی عیدیں مناتے اور قدم قدم پر سرور وانبساط کا نمائش کرتے ہیں۔

بنی نوع انسانی کی پہلی عید

جب حضرت آدم علیہ السلام کے پہلے فرزند قابیل نے اپنے بھائی ہابیل کا ناحق سفک دم کیا، تو اپنے بہیمانہ فعل پر منفعل ہوکر اپنی اولاد کے ہمراہ آدمؑ کی دوسری اولاد سے جدا ہوگیا۔ حضرت آدمؑ نے اپنے پانچویں وصی وخلیفہ یارد کو قابیل کے معتوب وخونی قوم سے کنارہ کش رہنے کی تاکید اکید کی تھی لیکن بعد کچھ عرصہ دونوں خاندانوں نے اپنے بزرگوں کی وصیت کے خلاف صلح کرلی اور جس دن دونوں خاندان کے افراد کا ناجائز اجتماع واتفاق ہوا۔ اس دن دونوں نے خوب خوب رنگ رلیاں منائیں۔ منہیات وفواحشات کا ارتکاب کیا اور روحانیت کی تذلیل کی یہی دن ان کے خوشی وعید کا دن بن گیا۔

قوم ابراہیمؑ کی عید

حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی بت پرست قوم بھی متعدد عیدیں منایا کرتی تھیں اور اس دن بت پرستی، بے حیائی، عریانیت کا زبردست مظاہرہ کیا جاتا تھا۔ ایک مرتبہ تو اس قوم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بھی اپنے عید میں شرکت کی دعوت دی تھی۔ لیکن آپؑ نے " انی انا سقیم " کہکر عذاب ان کی دعوت مسترد کردی اور آپؑ نے اس موقع پر بت شکنی کا کارنامہ انجام دیا تھا جس کا ذکر قرآن حکیم کی سورہ انبیاء کی آیتہ "وَتَاللّٰہِ لَاَکِیْدَنَّ اَصْنَامَکُمْ بَعْدَ اَنْ تُوَلُّوْا مُدْبِرِیْنَ" میں موجود ہے۔

یہود کی عید

جس دن حضرت موسیٰ علیہ السلام باذن الٰہی دریائے نیل سے امن وسلامتی کے ساتھ کنارِ عافیت تک پہونچے اور فرعون اپنی ساری فوج کے ساتھ دریائے نیل میں غرقاب ہوگیا۔ اسی دن کی یادگار میں یہود

عید خوشی اور جشن مسرت مناتے، عبادت الٰہی میں مصروف رہتے، روزہ رکھتے۔ لیکن ان کی عید بعد میں صرف ایک یادگار کی حد تک رہ گئی ایک مدت گذرنے پر یہودیوں نے اس میں زیادتیاں پیدا کر دیں اور اسے ان کو میلہ کی شکل میں تبدیل کر دیا۔

عیسائی کی عید حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بارگاہ رب العالمین میں "خوان نعمت" کی دعا کی تھی۔ ان کی دعا کو شرف قبولیت حاصل ہوئی اور "مائدہ" کا نزول ہوا جس کا تذکرہ قرآن پاک میں ان الفاظ میں بیان فرمایا گیا ہے

ربنا انزل علینا مائدۃ من السماء تکون لنا عیدا لاولنا و اٰخرنا و اٰیۃ منک وارزقنا وانت خیر الرازقین ۝

یہی دن حضرت مسیحؑ اور ان کے حواریین کے لئے روز عید ہے اور ایک عید عیسائیوں کے یہاں "کرسمس ڈے" بھی ہے۔ جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیدائش کی یادگار میں مناتے ہیں اور یہ ان کی عظیم عید ہے۔

لیکن زمانہ کے انقلابات کے ساتھ ساتھ عیسائیوں نے اپنے اصلی عید کو عیش و طرب کا دن بنا لیا۔ عورتیں نیم برہنہ لباس میں ملبوس ہو کر حسن کی نمائش کرنے اور دعوت نظارہ عام دینے لگیں اور مرد اپنے عیاشی طبعی کا مظاہرہ کرنے اور داد حسن دینے لگے۔ بازار لہو و لعب پر زور دیا جانے لگا۔ وہ اپنا جشن مسرت جس نارواں و نازیبا طریقہ پر مناتے اور رچاتے ہیں۔ وہ اظہر من الشمس ہے۔

پارسی کی عید ان کے یہاں عید "نوروز" کا ایک خاص اہتمام کیا جاتا ہے۔ اجتماعات کرکے مسرت و خوشی کا اظہار کیا جاتا ہے۔ لیکن یہ سب تفریحات طبعی کی حد تک اور لطف اندوزی کے حد تک ہوتے ہیں۔ روحانیت سے دور کا بھی کوئی رشتہ نہیں۔

بودھ مذہب کی عید بودھ مذہب کے عقیدت مندوں کے یہاں بھی سال میں ایک زبردست عید و خوشی اپنے مذہب کے یادگار میں "مئے دمینا" منائی جاتی ہے۔ مگر ان کی عید بھی صرف عیش و طرب ہی تک ہے۔ چنگ و رباب تو ان کی عید کا خاصہ اور جزء لاینفک ہے۔

ہنود کی عید ہنود کے مذہب میں "ہولی" کی عید کو بہت اہمیت حاصل ہے اس دن رنگ رلیاں شباب پر ہوتی ہیں اس کے ابتداء کے متعلق مختلف فرقوں میں مختلف بیانات ہیں۔ بہر کیف اس کی ابتداء کی حقیقت جو بھی ہو یہ خوشی جس بے حیائی و عریانیت و شیطنت پسندی اور عیش پرستی کے ساتھ منائی جاتی ہے کسی پر چھپی ڈھکی بات نہیں ہے۔ اس کی طربناک قیامت خیزیاں سال بھر تک سرخئ افسانہ کی طرح لالہ زار از چمن تا شفق آسمان گلال پاشی رہتی ہیں۔ دنیائے عالم کی یہ تمام عیدیں انسانی عیش پرستی، تمرد و سرکشی اور شیطنت پسندی کی مظاہرات ہیں صرف۔

اسلامی عید مذہب اسلام نے اپنے متبعین کو جو عید متاع ایمانی کی سخت ابتلاء و آزمائش سے گذرنے کے بعد عطا کی ہے، وہ شرک و بدعت، مخلوق پرستی اور مشرکانہ توہمات، خیالی تمہیدوں، فضول و لغو حرکتوں اور بیحیائیوں سے پاک خالص خدا پرستی اخلاقی و روحانی پاکیزگی اور عظمت و برتری کا ایک بہترین منظر ہے۔

یہ عید قومی و ملی و دینی داخلاقی و سماجی ضابطے کی پابند اور گوناگوں خوبیوں کی حامل ہے اس دن مذہب اسلام کے ماننے والے

وفور مسرت میں جذبات وحیوانیت پسندی کی راہ پر گامزن نہیں رہتے۔ بلکہ احکام الٰہیہ کے ماتحت، بجا آوری کے تشکر و تحسین میں خالص مذہبی رنگ میں ایک مرکز پر مجتمع ہو کر بارگاہ رب العزت میں سربسجود ہو کر سر نیاز خم کرتے ہیں۔ سب کا مقصد، سب کا رخ، سب کا جذبہ، سب کا عمل ایک اور صرف ایک ہوتا ہے یعنی رضائے الٰہی کا حصول۔

بایں سبب مذاہب عالم کی عیدوں میں اسلامی عید کو ارفع و اعلیٰ مقام حاصل ہے جس کی کوئی نظیر نہیں۔

آغاز اسلامی عید بعد ہجرت جب حضور ہادیٔ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں رونق افروز ہوئے، تو معلوم ہوا کہ مدینے والے دو روز بہجت و سرور کا اظہار کرتے ہیں، تو آپؐ نے دریافت فرمایا کہ یہ دو دن کیسے ہیں؟ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے عرض کیا کہ ان دو دنوں میں ہم لوگ ایام جاہلیت میں خوشیاں مناتے، کھیل کود کرتے تھے، تو آپؐ نے فرمایا احکم الحاکمین نے تمہارے لئے ان دو دنوں کو مبارک دنوں میں تبدیل کر دیا ہے۔ روز عید الفطر اور روز عید الضحیٰ (کما ورد فی الحدیث)

عہد نبویؐ کی عید جناب حضور مقبول سرور کائنات فخر موجودات احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد مبارک میں جب عیدیں آتیں، تو آپ عیدگاہ مع ہمراہان اصحاب کرامؓ تشریف لے جاتے عید کا دوگانہ ادا فرماتے بعد پھر مسلمانوں کے قومی و ملی مسائل طے فرماتے۔ اسی موقع پر مجاہدین اسلام کو جہاد فی سبیل اللہ پر روانگی کا فیصلہ فرماتے اور دیگر اہم امور پر ہدایات جاری فرماتے۔ ایسے کھیل جن سے ہمت و شجاعت اور فوجی اسپرٹ پیدا ہو۔ اسی موقع پر منعقد ہوتے اور آپؐ بذات خود ان مجاہدانہ کارناموں کو ملاحظہ فرما کر ہمت افزائی فرماتے۔

ہماری عید فی زمانہ ہم جس طریقہ پر عید مناتے ہیں۔ یکسر شان و شوکت سے پُر اور عقل و تدبر، دور اندیشی، اتباع سنت، نظم اتحاد، الفت و اخوت، غریب پروری، ایثار و قربانی سے خالی و عاری ہے ہماری عید۔ اب صرف جدید ملبوسات اور سیوئوں تک محدود ہوتی جا رہی ہے۔ اسلام نے جو عید کا معیار قائم کیا ہے۔ وہ صرف یہ ہے کہ لیس العید لمن لبس الجدید العید لمن خاف الوعید۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو عید سعید کی سچی و حقیقی خوشی و مسرت عطا فرمائے۔ آمین

جواہر پارے

(مولائے کائنات حضرت سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الشریف کے اقوال زرّیں)

(از جناب مولانا محمد جمال الحق القادری الامانی پورنیہ)

(۱۴۶) طِرْ مَعَ الْأَشْكَالِ — ہم جنسوں کے ساتھ پرواز کیا کرو۔

مطلب:- شکل وصورت حسن ظاہری وباطنی عادات واخلاق، کردار وگفتار اور طور وطریقہ میں جو تمہارے ساتھ موافقت کرے ان ہی کی صحبت وہم نشینی اختیار کرو یعنی تم جیسا ہو ویسے لوگوں کی ہمراہی تمہارے لئے عافیت وآرام کا سبب ہے سچوں کی سنگت اگر جھوٹوں کے ساتھ ہو یا زانی کی غیر زانی سے یا دغا باز کی غیر دغا باز سے یا دین دار کی دنیا دار سے ہو دونوں کی زندگی بدمزہ ہوکر رہ جائے گی۔ سچے لوگ جھوٹے سے کبیدہ خاطر رہیں گے اور ان کو دل سے برا سمجھیں گے۔ اور جھوٹا سچوں کو بری نگاہ سے دیکھے گا اور دل میں کہے گا کہ اگر یہ نہ ہوتا تو میں جھوٹی باتیں خوب بڑھ چڑھ کر بناتا اور سیدھے لوگوں سے مال ودولت اینٹھتا۔ غرضکہ ہمراہی اگر طبیعت کے مناسب ہے تو بڑا آرام رہتا ہے۔ اور اگر طبیعت کے خلاف ساتھی ہو تو یہ بھی ایک عذاب ہے

(۱۴۷) طَالَ حُزْنُ مَنْ طَالَ رَجَاؤُهُ — اس کا غم بڑھ جاتا ہے جس کی امیدیں دراز ہوتی ہیں۔

مطلب:- جس کے پاس امیدوں کی ایک لمبی فہرست ہو تو اس کے انجام وانصرام کے لئے مال، وقت، قسمت کا ہونا ضروری ہے۔ اور اگر ان میں سے کوئی نہ ہو تو اس کی امیدیں دھری کی دھری رہ جائیں گی اور امیدوار کو غم واندوہ لاحق ہوگا۔ مثلاً ایک شخص چاہتا ہے کہ رہنے کے لئے بڑی بڑی بلڈنگیں ہوں۔ سفر کے لئے بہترین موٹر وہوائی جہاز ہو۔ کھانے کے لئے بہتر قسم کی مٹھائیاں میوے اور گوشت وغیرہ ہوں۔ تو ظاہر ہے کہ ان سب کے پورا ہونے کے لئے کافی رقموں کی ضرورت ہے۔ اس کے علاوہ مقدر کی بھی ضرورت ہے۔ جب قسمت ساتھ دے گی اور پاس میں رقمیں ہوں اور وقت مساعدت کرے تب ہی ان کی امیدیں بر آسکتی ہیں۔ اور جب قسمت پھوٹی ہو تو یہ امیدیں پوری نہ ہوں گی۔ بلڈنگ کا خواب خواب ہی ہوکر رہ جائے گا۔ اچھی کاریں اور ہوائی جہاز دل کی آرزوئیں سراب ہوکر داغ حسرت دے جائیں گی اور امیدوار بے چارہ مغموم دلول خاطر ہوکر ہائے وائے کرنے لگے گا۔

(۱۴۸) طاعة العدو هلاك — دشمن کی تابعداری ہلاکت ہے۔

مطلب :۔ دشمن کبھی بھی نیک مشورہ نہیں دے سکتا ہے اس لئے اس کے کہنے پر چلنا اور ماننا سراسر حماقت ہے اور کبھی کبھی ہلاکت بھی۔ ہمارے دیار کا ایک واقعہ ہے کہ ایک کاشتکار تھا، اچھا کھاتا پیتا گھر تھا ان کا ایک حریف اور دشمن اسی گاؤں میں ایک دوسرا آدمی تھا۔ دشمن کی خواہش تھی کہ جس طرح سے بنے اس کو کمزور سے کمزور تر کر دینا چاہئے اور ایسا بنا دینا چاہئے کہ پھر مقابلہ میں سر نہ اٹھا سکے۔ دشمن آدمی کچھ دنوں خاموش بیٹھا ترکیب سوچتا رہا۔ آخر ایک ترکیب سمجھ میں آئی۔ دوست بنکر اس کے یہاں آنے جانے لگا اور دیر دیر تک مختلف موضوعات پر گفتگو ہوتی رہی۔ ایک دن دوست نما دشمن نے بڑے مخلصانہ انداز میں رائے دی کہ بھائی اس طرح موجودہ کاروبار کے ساتھ ترقی ناممکن ہے میری ناقص رائے ہے کہ قریب ہی ایک بازار میں ایک دوکان کھول دی جائے۔ اس سے بڑی ترقی ہوتی ہے۔ تجارت عمدہ پیشہ ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی تجارت فرمایا کرتے تھے۔ لہذا اس سنت کو مانیئے اور اپنا موجودہ رویہ کاشتکاری کا چھوڑیئے۔ کاشتکار آرام نہیں کر سکتا اور محنت و مشقت سے جو کچھ حاصل کر سکتا ہے اسے خود نہیں کھا سکتا۔ کیا آپ نہیں دیکھتے کہ کاشتکار کی بھینس کا دودھ گھی بازار ہی میں آکر فروخت ہوتا ہے اور دوکاندار لوگ ہی خریدتے ہیں۔ کاشتکار اور اس کا پورا گھرانہ کنواں کے پانی کو دودھ سمجھ کر پی لیتا ہے۔ اسی طرح عمدہ اور مہین چاول شہر والے نہیں بلکہ کاشتکار اپجاتے ہیں لیکن کاشتکار کو کھانے کی نصیب کہاں۔ وہ بیچارہ پیسہ کی لالچ میں شہر لاکر دوکان دوکان گھومتا ہے اور جہاں دو پیسہ زیادہ ملتا ہے وہیں بیچ دیتا ہے۔ غرضکہ کاشتکار کی زندگی عجیب زندگی ہے۔ سب سے زیادہ عمدہ اناج وہ پیدا کرتا ہے مگر سب سے زیادہ گھٹیا غذا وہ کھاتا ہے۔ اس کی عزت نہ گاؤں میں ہے نہ شہروں میں کچہریوں میں نہ عدالتوں میں۔ کوئی منسٹر، آفسر، حاکم، یا لیڈر کسی دوکان میں چلا جائے تو دوکاندار فورا کرسی پر بیٹھواتا ہے اور اس کی فرمائش پر جلدی دھیان دیتا ہے قیمت بالکل کم کر کے جوڑتا ہے۔ اس ڈر سے کہ کہیں دوسری دوکان سے زیادہ نہ ہو جائے۔ اور ایک دیہاتی کے ساتھ اس کے برعکس ہوتا ہے۔ ایک دیہاتی کاشتکار شہریوں، افسروں، حاکموں اور منسٹروں کو گھی، دودھ، مہین چاول عمدہ گیہوں اور بہترین ترکاریاں دینے والا اگر اپنی جائز شکایات کو لے کر لیڈر، حاکم، افسر، اور منسٹر کے پاس جائے تو ان کی طرف کوئی توجہ نہیں دی جاتی۔ سب دیہاتی گنوار ہی کہہ کر ٹالتے ہیں۔ دیہاتی کاشتکار کی کہیں کوئی عزت نہیں۔ اگر موٹر بس پر کوئی دیہاتی کسان بیٹھا ہوا ہو اور پیچھے سے کوئی افسر آ جائے تو اس کا سیٹ خالی نہیں اٹھایا جائے گا کیسی فنکار کو نہیں کسی ڈاکٹر کو نہیں ہاں اٹھایا جائے گا تو بیچارہ دیہاتی کسان کو۔ اس لئے بھائی میں کہتا ہوں کہ یہ کاشتکاری کا دھندہ چھوڑ چھاڑ کر یہ سب بیچ باچ کر کوئی اچھی دوکان کھول لو پھر دیکھو تمہارا مرتبہ کیسا ہوتا ہے۔ تھانہ کے داروغہ سے لے کر ضلع مجسٹریٹ تک اور لیڈر سے لے کر ایک منسٹر تک تمہاری عزت کریں گے۔ الغرض اسی طرح پوچھا سمجھا کر کاشتکاری چھوڑ کر تجارت کے لئے اس کو آمادہ کر لیا۔ ساری املاک کو فروخت کر کے تجارت شروع کر دی اور بازار میں ایک عالیشان عمارت دکان کے لئے کرایہ پر لی۔ اور دوکانداری کے لئے بیٹھ گئے۔ اب دوست نما دشمن نے پھر کر سمجھایا کہ تمہاری دکان بڑی ہے تمہارے مقابلہ اس بازار میں کوئی دوکاندار نہیں اس لئے سب سے زیادہ دام تم رکھو۔ اگر ایسا نہیں کرو گے تو تمہارے اخراجات پورے نہیں ہونگے

تمہاری تجارت بڑی ہے مکان بڑا ہے تو تم پر ٹیکس بھی زیادہ لگے گا۔ اگر قیمت زیادہ نہ رکھو گے تو تم کو گھاٹا ہو جائے گا۔ یہ ساری باتیں دوست نما دشمن کی کیا ہی اچھی اور تجربہ کی معلوم ہوتی ہیں۔ ان باتوں سے پتہ لگتا ہے کہ وہ اس کا بڑا ہی مخلص اور ہمدرد ہے لیکن نتیجہ کیا ہوتا ہے وہ سنئے۔ ان کے ان چیزوں کا دام زیادہ ہونے کی وجہ سے لوگ ادھر ادھر سے خرید لیتے تھے۔ اور ان کی دکان میں نہیں آتے تھے اور جب کبھی کوئی آ پہنچا تو چائے پان سے یہ خاطر کرتے اور آنے والا چائے پان سے فارغ ہو کر جب دام سنتا تو کانوں پر ہاتھ رکھ کر کچھ بہانہ بنا کر چلتا بنتا۔ آخر کار اس کی تجارت ٹھپ پڑ گئی اور بیچارہ اپنی پونجی کھو بیٹھے دنوں میں گنوا بیٹھا۔ اور دوست نما دشمن کی مراد پوری ہوئی۔ اور اس مقولہ کی سچائی مشاہدہ میں آئی کہ جو دشمن کی تابعداری کرتا ہے وہ ہلاک ہو جاتا ہے۔ دشمن بظاہر عمدہ بات بتاتا ہے لیکن اس کے پردے میں ضرور کوئی سازش ہوتی ہے۔ اس کا ہمیشہ خیال رکھنا چاہیئے۔ پہلے لوگوں کی دوستی کو آزما لو پھر اس کی بات مانو۔ صرف دوستی دکھانے والوں کی بات ماننا دانشمندی نہیں ہے سب سے بڑا دشمن انسان کا ابلیس لعین شیطان رجیم ہے۔ لہذا اس کی باتیں، مشورے اور رائیں کبھی بھی نہ مانے اور اس کے بہکاوے میں ہرگز ہرگز نہ آوے۔ ورنہ جو اس کا تابعدار رہے گا وہ ہلاک و برباد ہو جائے گا۔

(۱۴۹) طاعۃ اللہ غنیمۃ — اللہ تعالیٰ کی بندگی موجب سعادت ہے۔

مطلب :- انسان کا حقیقی سہارا اور بے بسی میں کام دینے والا اللہ تعالیٰ ہے جب دنیا کے رشتے ناتے چھوٹ جاتے ہیں اور انسان یکہ و تنہا گرفتار بلا ہوتا ہے تو مولیٰ تبارک و تعالیٰ کی رحمت کا ملہ ہی اس کو اپنے آغوش میں لے لیتی ہے اور ہر آنیوالی مصیبتوں سے بچا لیتی ہے۔ اور وہ کبھی کبھی ظالم سے انتقام بھی اسی دنیا میں لے لیتا ہے۔ غرضکہ ہر عقلمند کا یہی فیصلہ ہے اور سارے اہل الرائے کی یہی رائے ہے کہ انسان کے دکھ درد میں حامی و مددگار، صحت و عافیت، فقر و غنا کا مالک و مختار اللہ رب العزت ہے۔ لہذا ہر آن ہر لمحہ اٹھتے بیٹھتے، سوتے جاگتے، چلتے پھرتے، کھاتے پیتے اور زندگی کے ہر شعبہ میں انہیں کی تابعداری کرنا چاہیئے۔ ان کی ہر بات کو ماننا اور سارے فرمان پر عمل کرنا اپنے اوپر لازم قرار دینا چاہیے۔ تاکہ اللہ تعالیٰ ہمارے افعال سے خوش ہو کر ہمیں ہر اس چیز سے بچائے جو ہماری ہلاکت و بربادی کا باعث ہیں اور تمام ایسی چیزیں عنایت فرمائے جو ہمیں دارین کی سعادت سے ہمکنار کر دے جو اللہ تعالیٰ کے سارے فرامین کی تابعداری کرتا ہے ساری خدائی اس کی تابعداری کرنے لگتی ہے اور جو شخص خدا وحدہ لاشریک لہ کی اطاعت و تابعداری نہیں کرتا ہے وہ ساری خدائی کی تابعداری کی ذلت و نکبت میں مبتلا ہو کر در در کی ٹھوکریں کھاتا اور نامراد ہوتا ہے۔ لہذا ہر ذی ہوش پر [illegible] ضروری ہے کہ صرف ایک خدا کی [illegible] و تابعداری کرنا ضروری سمجھیں۔

(۱۵۰) ظلم المرء یصرعہ — آدمی کا ظلم خود اسی کو پچھاڑ دیتا ہے

مطلب :- انسان جب دوسروں کو ستانے اور پریشان کرنے لگتا ہے تو لوگ اس کی آزردگی سے تنگ آ کر درپئے انتقام ہو جاتے ہیں اب مظلومین کی تعداد بہت ہوتی ہے اور ظالم اکیلا ہوتا ہے اب کس کس سے مقابلہ کرے

(بقیہ ص۳۱ پر)

صحاح ستہ اور انکے جامعین

(۱۰)

(نصر احمد پھلواروی)

حضرت امام نسائی

احمد نام، کنیت ابو عبد الرحمن ۔ آپ کا سلسلہ نسب یہ ہے:

احمد بن شعیب، بن علی، بن سنان، بن بحر، بن دینار ـــ آپ کا وطن نساء ہے، جو خراسان میں ہے۔ اور اسی کی طرف منسوب ہو کر آپ نسائی کہلاتے ہیں۔

مورخ ابن خلکان رقمطراز ہیں:۔ نسبتہ الی نساء بفتح النون و فتح السین المهملة وبعدها همزة وهی مدینة بخراسان خرج منها جماعة من الاعیان[2] (یہ نساء کی طرف منسوب ہے جس میں نون و سین دونوں مفتوح ہیں اور اس کے بعد ہمزہ واقع ہے۔ یہ خراسان کا ایک مشہور شہر ہے۔ جہاں سے بہت سے ارباب فن پیدا ہوئے) نساء ہمزہ کے مد اور قصر دونوں طرح سے پڑھا گیا ہے۔

ولادت

آپ کے سن ولادت میں قدرے اختلاف ہے۔ نواب صدیق حسن خان صاحب اتحاف النبلاء میں تحریر کرتے ہیں ولادت وے در سال دو صد و چہاردہ یا پانزدہ ۔ یا بست و یک بودہ۔ علی اختلاف الاقوال ـــ لیکن حافظ ابن حجر نے اس بارے میں خود امام نسائی کے قول کو نقل کیا ہے[1] "قال النسائی یشبه ان یکون مولدی فی سنة ۲۱۵ ھ (اندازہ ہے میری پیدائش ۲۱۵ھ میں ہوئی)۔ اس لئے ان مذکورہ سنوں میں یہ زیادہ لائق ترجیح ہے اور اقرب الی الحقیقت ہے۔

سماع حدیث کے لئے سفر

اس زمانے میں علوم دینیہ بالخصوص علم حدیث کے لئے رحلت بہت ضروری اور اہم تھا۔ یہ رحلت اپنے اندر طرح طرح کی پریشانیوں اور زحمتوں کو رکھتے ہوئے ہمارے ان اسلاف کے لئے آسان اور سہل ہو گئی۔ اس سے ان کے عزم اور بلندی ہمت اور شوق و لگن کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔

حضرت امام نسائی کے ابتدائی حالات کی تفصیل نہیں ملتی کہ ابتداء عمر میں کیا مشغلہ تھا۔ یا تعلیم کی ابتداء آپ نے کہاں سے کی۔

حافظ ابن حجر نے طلب حدیث کے لئے رحلت کا ضابطہ بیان کیا ہے "وصفة الرحلة بحیث یبتدی بحدیث اهل بلده فیستوعبه ثم یرحل فیحصل فی الرحلة مالیس عنده" اور رحلت کا طریقہ یہ ہے کہ اپنے شہر کی حدیثوں سے ابتداء کر

۱؎ تہذیب ج ۱ ص ۳۶ ۲؎ وفیات الاعیان ج ۱ ص ۲۱

مستفیدہ ہو سکے علوم سے حاصل کر چکے تو پھر اور شہروں کا سفر کرے اور اس سفر میں ان روایات کو حاصل کرے جو اس کے پاس نہ ہوں۔ اس ضابطہ رحلت کے مطابق قرین قیاس ہے کہ آپ نے پہلے اپنے وطن نسا میں حدیث کی سماعت کی۔ سب سے پہلا سفر آپ نے بغداد کا کیا۔ ۲۳۵ھ میں اس وقت آپ کی عمر ۲۰ سال کو پہنچی۔ بغداد میں ایک سال دو ماہ رہ کر حضرت قتیبہ بن سعید کے درس میں شامل رہے۔ امام نسائی سے روایت ہے رحلتی الاولی الی قتیبة کانت فی سنة (۳۵) اقمت عندہ سنة شهرین[1]۔ پھر نیشاپور گئے اور وہاں اسحاق بن ابراہیم حنظلی سے اور حسین بن منصور۔ محمد بن رافع اور ان کے معاصرین محدثین سے حدیث کی سماعت کی، پھر مرو پہنچے اور علی بن حجر وغیرہ سے استفادہ کیا اور عراق میں ابو کریب اور ان کے معاصرین کے حلقۂ درس میں شریک رہے۔ پھر شام و مصر کا سفر کیا۔ غرض یہ کہ اس وقت جتنے دار العلوم تھے ان میں سے کوئی بھی آپ سے باقی نہیں رہا۔ اس طرح محدثین کی کثیر جماعت کے یہاں جو احادیث رسول کا ذخیرہ منتشر تھا، ان کو آپ نے اپنے سینے میں یکجا محفوظ کر لیا۔

آپ کی رحلت کے حدود بہت وسیع ہیں جس میں خراسان - حجاز - عراق، جزیرہ، شام، مصر یہ تمام اقالیم اسلامیہ داخل ہیں۔

شیوخ آپ کے اساتذہ بے شمار ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان تمام کو ایک جگہ کسی کتاب میں نہیں ذکر کیا گیا۔ بلکہ سبھوں کے حالات منتشر ہیں۔ پھر بھی جتنے لوگ کلی طور پر احاطۂ تحریر میں آ گئے ہیں۔ ان کے اسماء یہاں بیان کئے جاتے ہیں۔

قتیبہ بن سعید۔ اسحاق بن راہویہ، ہشام بن عمار، عیسیٰ بن حماد، حسین بن منصور السلمی النیساپوری۔ عمرو بن زرارۃ۔ محمد بن نصر المروزی۔ سوید بن نصر۔ ابو کریب۔ محمد بن رافع - علی بن حجر - ابو یزید جرمی - یونس بن عبد الاعلی[2]۔ احمد بن عبد اللہ بن علی المصیصی احمد بن عبد اللہ بن محمد۔ ابو عبیدہ الکوفی - [3]علی بن خشرم محمود بن غیلان - ابو داؤد سجستانی - [4]اسحٰق بن ابراہیم۔ حمید بن مسعدہ - محمد بن عبد الاعلی - حارث بن مسکین - ہارون بن السری محمد بن بشار[5] اور حضرت عبد اللہ بن امام احمد بن حنبل سے امام نسائی کی ملاقات ثابت ہے[6]۔ حافظ ابن حجر نے تہذیب کے اندر امام نسائی کے تذکرہ میں شیوخ کے اسماء کو حذف کرتے ہوئے یہ فرمایا سمع من خلائق لا یحصون۔

تلامذہ جب آپ تحصیل علم سے فارغ ہوئے تو مصر میں مستقل قیام فرمایا اور اسی کو علمی و دینی خدمات کے نشر و اشاعت کے لئے مناسب خیال کیا۔ چنانچہ وہاں آپ مسند نشین درس و ارشاد ہو گئے۔ اور آپ کے گرد طالبین و مستفیدین کا اجتماع ہونا شروع ہوا۔ پھر یہ اجتماع اتنا بڑھا کہ وہ شمار سے باہر ہو گیا۔ حافظ ابن حجر آپ کے بعض تلامذہ کو بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں و امم لا یحصون بعض تلامذہ کے اسماء یہاں درج کئے جاتے ہیں۔ آپ کے صاحبزادے عبد الکریم اور ابو بکر احمد بن محمد بن اسحاق ابن السنی۔ ابو علی الحسن بن الخضر الاسیوطی۔ حسن بن رشیق العسکری۔ ابو القاسم حمزہ بن محمد بن علی الکتانی۔ ابو الحسن محمد بن عبد اللہ ابن زکریا بن حیویۃ۔ محمد بن معاویۃ بن الاحمر۔ محمد بن القاسم الاندلسی۔ علی بن ابی جعفر الطحاوی۔ ابو بکر احمد بن محمد بن المہندس

---

[1] تہذیب ج ۱ ص ۳۸ [2] طبقات الشافعیۃ الکبریٰ ج ۲ ص ۸۳ [3] تہذیب ج ۱ ص ۳۸ و ص ۳۹ [4] اتحاف النبلاء ص ۱۸۹

[5] نیل الاوطار ج ۱ ص ۱۳ [6] اتحاف النبلاء

یہ لوگ امام نسائی کی کتاب حدیث سنن نسائی کے راوی بھی ہیں۔ ان کے علاوہ ابو بشر الدولابی ۔ ابو عوانہ نے اپنی صحیح میں امام نسائی سے روایت کیا ہے ۔ ابو جعفر الطحاوی ۔ ابو بکر بن الحداد الفقیہ ۔ ابو جعفر العقیلی ۔ ابو علی بن ھارون ۔ ابو علی النیساپوری[1] محمد بن ہارون بن شعیب ۔ ابو المیمون بن راشد ۔ ابراھیم بن محمد بن صالح بن سنان[2] ۔

امام نسائی کا زہد و تقویٰ

زہد و تقویٰ میں یکتائے روزگار تھے کان ورعاً متورعاً جس کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے اتنے بلند مقام تک پہنچایا ؛ یصفون من اجتہادہ فی العبادۃ باللیل والنہار ومواظبتہ علی الحج والجہاد واقامۃ السنن الماثورۃ واحترازہ عن مجالس السلطان وان ذلک لم یزل دابہ الی ان استشہد[3] ۔ صوم داؤدی کے پابند تھے، ایک روز روزہ رکھتے اور دوسرے روز افطار کرتے تھے۔

حافظ محمد بن مظفر فرماتے ہیں کہ میں نے مصر میں اپنے مشائخ سے سُنا، وہ بیان کرتے تھے کہ امام نسائی کے دن و رات کا اکثر حصہ عبادت میں گذرتا تھا، اکثر حج کیا کرتے تھے۔ جہاد کا جذبہ بھی تھا۔ ایک مرتبہ امیر مصر کے ساتھ جہاد میں شرکت بھی کی تھی، ان کی شجاعت و بہادری کے لوگ معترف ہوگئے۔ انہوں نے حضور اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنتوں کو قائم کیا۔ بادشاہوں کی مجالس سے ہمیشہ گریز کیا، اس کے باوجود کھانے پینے میں ہمیشہ کشادہ دست رہے۔ تا شہادت ان کی زندگی اسی پر قائم رہی۔ سنت کی اشاعت، بدعت سے نفرت پر ان کی شہادت کا واقعہ خود ایک واضح دلیل ہے۔ نیز اس سے امام صاحب کی حق گوئی و بیباکی کا اندازہ بھی ہوتا ہے، جو مردان خدا کا ہمیشہ سے شعار رہا ہے۔ کچھ دنوں تک حمص کے قضاء کے عہدہ پر بھی فائز رہے[4]۔

امام نسائی پر دور ابتلا و وفات

امام صاحب جس طرح ظاہراً علم حدیث اور اس کے متعلقات پر کافی عبور حاصل کرنے کی وجہ سے اور اس میں وسعت نظر کی وجہ سے اپنے وقت کے امام الحدیث مانے گئے۔ اسی طرح اپنی صفائی باطن اور تقویٰ و طہارت، ریاضت و مجاہدہ کی وجہ سے عارفین و کاملین میں سے ایک ہوئے۔ آپ کے انہی کمالات صوری و معنوی نے آپ کو مقبول خاص و عام کر دیا اور آپ کی شہرت و عظمت روز افزوں بڑھتی گئی۔ جیسا کہ اوپر گذر چکا ہے آپ نے اپنے دینی خدمات کی اشاعت کے لئے مصر کا انتخاب فرمایا اور وہاں مجلس درس و افادہ منعقد فرماتے۔ اس لئے مصر آپ کا مسکن ہوگیا اور وہاں آپ کو غیر معمولی ہر دلعزیزی حاصل ہوئی۔ ایسی صورت میں ایسے بزرگوں کے ساتھ کچھ شوربخت بدنصیب ان کو ایذا پہنچا کر اپنی بدبختی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ چنانچہ امام صاحب کے ساتھ بھی یہ ہوا۔ آپ کے حاسدوں نے حسد و عناد میں آپ کو طرح طرح کی تکلیفیں دینی شروع کیں اور آپ کی خدمات میں رکاوٹیں پیدا کرنے لگے، تو اب آپ نے مصر کے قیام کو غیر مناسب سمجھا اور سنہ ۳۰۲ھ کے ذی قعدہ میں آپ نے مصر کو چھوڑ دیا۔ وہاں کی مستقل اقامت کو ترک کر کے فلسطین کے مقام رملہ آ گئے۔ چونکہ شام میں بنی امیہ کی طویل حکومت کے سبب سے خارجیت و ناصبیت کا زور تھا۔ وہاں کے عوام حضرت علی رضی اللہ عنہ سے

---

[1] تہذیب ج ۱ ص ۳۷ [2] نیل الاوطار ج ۱ ص ۱۳ [3] تہذیب ج ۱ ص ۳۸ [4] محدثین عظام ص ۲۱۱

بدگمان تھے۔ اس لئے امام نسائی دمشق تشریف لے گئے، اور جامع دمشق میں منبر پر چڑھ کر اپنی کتاب خصائص علیؓ سنانی شروع کی۔ ابھی تھوڑی سی پڑھی تھی کہ کسی سائل نے سوال کیا۔ آپ نے امیر معاویہؓ کے فضائل پر کوئی کتاب لکھی ہے۔ چونکہ بمقابلہ حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ امام نسائی حضرت امیر معاویہؓ کی تفضیلت کے قائل نہ تھے۔ اس لئے یہی جواب دیا۔ لیکن عوام اس پر مشتعل ہوگئے اور امام صاحب پر تشیع کا الزام لگاکر زدوکوب شروع کردی۔ امام صاحب کے نازک مقام پر چند سخت چوٹیں آئیں۔ جن کے سبب سے امام صاحب نیم جاں ہوگئے۔ ایسی حالت میں لوگ مکان پر لائے۔ امام صاحب نے فرمایا کہ مجھ کو مکہ مکرمہ لے چلو۔ تاکہ میرا انتقال مکہ معظمہ میں ہو۔ بالآخر ایسی حالت میں وہ اپنے خدا سے جا ملے اور مکہ مکرمہ میں امام صاحب کا انتقال ۱۳ صفر ۳۰۳ھ بروز دوشنبہ ہوا۔ صفا و مروہ کے درمیان تدفین ہوئی۔

آل انڈیا اردو ایڈیٹرس کانفرنس کے موقع پر

سارے دنیا میں شائع ہونیوالے

تمام اردو اخبارات و رسائل کی نمائش

پٹنہ میں ۱۶، ۱۷ دسمبر ۱۹۷۲ء کو

- اپنا اخبار، رسالہ، پرچہ، جریدہ، صحیفہ آج سے ذیل کے پتہ پر بذریعہ ڈاک بھیجئے اور ۱۵ دسمبر ۱۹۷۲ء تک بھیجتے رہیئے۔ تاکہ آپ کا موقر جریدہ بھی نمائش کی زینت ہو
- جو اخبار یا پرچے اب شائع نہیں ہوتے۔ مگر جنہوں نے اردو صحافت میں اپنا مقام پیدا کیا اور ملک کی جہد آزادی میں نمایاں رول ادا کیا۔ اگر آپ کے پاس ان کی فائلیں ہوں، تو بشرط واپسی بذریعہ رجسٹری ذیل کے پتہ پر روانہ فرما دیں۔ اخراجات کمیٹی برداشت کریگی۔

پتہ :- رضوان احمد، مدیر اعلیٰ ماہنامہ "زیور" پٹنہ ۴ (بہار)

الملتمس :-

غلام سرور

ایڈیٹر روزنامہ "سنگم"

کنوینر نمائش کمیٹی

شعر میں بیساختگی

(از جناب محمد بدیع الزماں - ڈپٹی مجسٹریٹ نیا کریم گنج - گیا)

شعر کی بیساختگی کی کوئی جامع تعریف ممکن نہیں اس لئے کہ اس کے اتنے اجزائے ترکیبی ہیں اور اتنے عناصر سے یہ وجود میں آتی ہے کہ انہیں مجرد طور پر بیان نہیں کیا جاسکتا۔ اتنا ضرور ہے کہ اردو تنقید نگاری میں اول اول ہمیں کلام کی اس خوبی پر روشنی مولانا محمد حسین آزاد سے ملتی ہے جو "آب حیات" میں حاتم، آرزو و فغاں کے بیساختہ پیرائے بیان کے متعلق فرماتے ہیں۔

"اس خوبی (بیساختگی) کا وصف کسی زبان سے ادا نہیں ہوتا کہ جو کچھ دل میں ہوتا ہے جوں کا توں ادا کرتے ہیں۔ خیالی رنگوں کے طوطے مینے نہیں بناتے۔ بے تکلف بولی اور سیدھی سادی باتوں سے جو کچھ دل میں آئیگا بے ساختہ کہہ دیں گے کہ سامنے کی تصویر کھڑی کر دینگے اور جب تک سننے والا اس کو کلیجے پکڑ کر رہ جائیں گے۔ اس کا سبب کیا؟ وہی بیساختہ پن جس کے سادہ پن پر ہزار بانکپن قربان ہوتے ہیں۔ ؎

حسن وہی جس پہ بے ساختہ پن نکلے

"نہ استعاروں کے پیچ نہ تشبیہوں کی رنگارنگی۔ خیالات کو کیسی صاف صاف زبان اور سیدھے سادے محاورہ میں کہہ گئے کہ آج تک جو سنتا ہے سر دھنتا ہے..... جو خیال شعر میں باندھتے ہیں اس کا عالم اُن کے دل و جان پر چھا جاتا ہے۔ یہی سبب ہے کہ جس شعر کو دیکھو تاثیر میں ڈوبا ہوا ہے۔"

ان اقتباسات سے ہمیں بیساختگی کے بہت سارے اوصاف ایک جگہ ضرور مل جاتے ہیں گرچہ یہ بھی کوئی جامع تعریف نہیں۔ مگر پھر بھی کوئی مشعل راہ ضرور ہیں۔ حالی کے یہاں بیساختگی کے موضوع پر الگ کوئی بحث نہیں ملتی مگر وہ شعر کے تین اصولوں میں ایک "جوش" کی وضاحت کرتے ہوئے اس کی تعریف اس طرح کرتے ہیں جس سے شعر کی بیساختگی پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ کہتے ہیں:۔

"جوش سے مراد یہ ہے کہ مضمون ایسے بے ساختہ الفاظ اور موثر پیرایہ میں بیان کیا جائے جس سے معلوم ہو کہ شاعر نے اپنے ارادہ سے یہ مضمون نہیں باندھا بلکہ خود مضمون نے شاعر کو مجبور کر کے اپنے تئیں اس سے بندھوایا ہے.... جوش سے یہ مراد نہیں ہے کہ مضمون خواہ مخواہ نہایت زور دار اور جوشیلے لفظوں میں ادا کیا جائے۔ ممکن ہے کہ الفاظ نرم

دیکھے ہیں گھروں میں غایت درجہ کا جوش چھپا ہوا ہو"۔ (از مقدمہ شعر و شاعری)

آزاد اور حالی کے بیانات سے ہم "بیساختگی" کے متعلق اس نتیجہ پر ضرور پہنچتے ہیں کہ اس میں جتنا شاعرانہ صداقت کو دخل ہے اتنا ہی طرز ادا اور فریاد بھی وہ جس کی زبان صاف و سیدھی اور بے تکلف ہو۔ اسی لئے حالی نے موثر پیرایہ بیان کیلئے جو بیساختگی کے لئے لازم و ملزوم سی چیز ہے صنائع و بدائع کے استعمال سے احتراز کرنے کی صلاح دی ہے جو آزاد کے خیالات سے مماثلت رکھتے ہیں۔ انکی صلاح ہے کہ۔

"صنائع و بدائع پر کلام کی بنیاد رکھنے سے اکثر معنے کا سررشتہ ہاتھ سے جاتا رہتا ہے اور کلام میں اثر باقی نہیں رہتا کیونکہ مخاطب کے دل میں یہ خیال گزرتا کہ شاعر نے شاعر کی ترتیب میں تصنع کیا ہے اور الفاظ میں اپنی کاریگری ظاہر کرنی چاہئے بالکل شعر کی تاثیر کو زائل کر دیتا ہے۔ پس صنائع کی پابندی اور التزام سے تمام اصناف سخن میں عموماً اور غزل میں خصوصاً ہمیشہ بچنا چاہئے"۔ ("مقدمہ شعر و شاعری")

مگر وہ صنائع کے متعلق مزید مشورہ دیتے ہیں جس کا تعلق بیساختہ پن سے ہے کہ۔

"صنائع کی خوبیاں اس میں مضمر ہے کہ بیساختہ پن کے ساتھ ادا کی جائیں اور ان کے استعمال سے معنویت کا خون نہ ہو اور سامع پر یہ اثر نہ ہو کہ صنائع کی مدد سے شاعر نے قصداً شعر کہا ہے۔ اگر تکلف سے کام بھی لیا جائے تو اس میں بے تکلفی اور برجستگی کی شان بھی پائی جانی چاہئے اور قاری پر یہ نکتہ واضح ہو جائے کہ شاعر کے ہاں ہر جذبہ اور ہر خیال اپنی زبان کیساتھ لایا ہے"۔

الغرض بیساختگی کے لئے سب سے مقدم تو شاعر کے لئے شعر کا فکر و اہتمام سے کہنا ضروری ہے۔ دوسرے شاعر کا لب و لہجہ ہے۔ جس کا انحصار انداز بیان، عشوۂ اظہار، طرز ادا، رکھ رکھاؤ، فقروں کے موڑ، کلام کی روانی اور آہنگ اور زبان کی آنچ پر ہے۔ ان سب میں الفاظ کا متناسب انتخاب محور کا کام کرتا ہے۔ اس لئے کہ اسطرح قاری شاعر کے احساس کو پورے طور پر تفہیم کی گرفت میں لاتا ہے اور اسکی پوری شخصیت متحرک ہو جاتی ہے۔ اور تب ہی بیساختہ پن کو ہم نیاز مندانہ فریفتگی اور برجستگی کا نام دیتے ہیں۔

الفاظ کی اہمیت اس لئے زیادہ ہے کہ یہ ہمارے ماحول اور داخلی یا خارجی کیفیات کی مجرد صورتیں ہیں۔ بیساختگی کے لئے ایسے الفاظ یا تراکیب لانا جن کا مجموعی اثر سامع کے ادراک و بصیرت کو شگفتہ اور روشن کر دے اور شگفتگی محسوس ہونے لگے کمال شاعری ہے۔ انہی لکنوں پر فراق گورکھپوری کہتے ہیں کہ۔

"غزل کے اشعار میں بسا اوقات ایک لفظ یا دو تین لفظوں کا ٹکڑا جادو کا حکم رکھتا ہے۔ سہل ممتنع کے کئی مدارج ایک معمولی لفظ یا ٹکڑے سے طے ہو جاتا ہے۔ یہ الفاظ بہت ٹھیٹھ، بہت سُبک، بذات خود بہت معمولی و کم حیثیت بلکہ کبھی کبھی اتنا مکمل مفہوم رکھنے والے پورے لفظ بھی نہیں ہوتے ...... ہومیوپیتھی میں جس طرح Dilution (تخفیف) سے زور اور شدت پیدا ہوتی ہے اسی قسم کا عمل ایسے الفاظ کا اشعار غزل میں ہوتا ہے۔ نرم ترین شعلے کا زخم، زخم شمشیر سے زیادہ کاری ہوتا ہے۔"

(از ماہنامہ "نگار" لکھنؤ۔ سالنامہ جنوری و فروری ۱۹۵۵ء اصناف سخن نمبر نیز کتاب "انداز ے")

حالی نے بھی "مقدمہ شعر و شاعری" میں میر کے اس شعر ؎

یہ جو چشم پُر آب ہیں دونو　　　ایک خانہ خراب ہیں دونو

کی مثال دیکر لفظ "ایک" کی بے ساختگی اور بے تکلفی کی داد دی ہے۔ اسی مثل کا ایک شعر فانی کا ہے۔ الفاظ "کیا کہئے" سے کیا بے ساختگی پیدا ہو گئی ملاحظہ فرمایئے۔ کہتے ہیں ؎

یارب تری رحمت سے مایوس نہیں فانی　　　لیکن تری رحمت کی تاخیر کو کیا کہئے

اگر فراق ان الفاظ یا تراکیب سے پیدا شدہ بیساختگی کو "نرم ترین شعلے کا زخم، زخم شمشیر سے زیادہ کاری" بتاتے ہیں تو حالی میر کے اس شعر ؎

ہمارے آگے ترا جب کسو نے نام لیا　　　دل ستمزدہ کو ہم نے تھام تھام لیا

کی مثال دیتے ہوئے نرم و شیریں الفاظ سے پیدا شدہ بے ساختگی کو "میٹھی چھری سے خنجر کا کام لینا" قرار دیتے ہوئے کہتے ہیں:۔

"ایسے دھیمے الفاظ میں وہی لوگ جوش کو قائم رکھ سکتے ہیں جو میٹھی چھری سے تیز خنجر کا کام لینا جانتے ہیں"۔

بے ساختگی کے لئے زبان و بیان کے لطف کے علاوہ شعر کا تیور بھی ایک اہم جزو ہے۔ یہ تیور منحصر ہے الفاظ کی نشست، انکی سلاست، روانی، برجستگی و شوخی پر۔ داغ کے اس شعر کا تیور اور اس سے پیدا شدہ بے ساختگی ملاحظہ ہو ؎

کہاں صیاد کیسا باغباں، کس پر گری بجلی　　　چمن میں آتش گل نے ہمارا آشیاں پھونکا

بے ساختگی کیلئے زمین اور بحر کی شگفتگی بھی نہایت اہم ہے کیونکہ بہت سی بحریں خوش آہنگ ہوتی ہیں اور بعض انسان کی طبع پر گراں گزرتی ہیں۔ مناسب بحروں کو انسانی جذبات کو ابھارنے اور ان کی سمت متعین کرنے میں بڑا دخل ہے۔ چھوٹی چھوٹی سادہ اور شگفتہ بحروں میں بجائے خود گداز اور بے ساختہ پن ہوتی ہے اور ساتھ ہی لوچ اور ترنم، بے تکلفی اور سہولت بھی گرچہ چھوٹی بحروں میں شعر کہنا سب کے بس کی بات نہیں۔

بیساختگی کے لئے حسن ادا میں ایمائی اثر پیدا کرنا اور ایمائی زور سے پست و عامتہ الورود خیالات کو اوپر اُٹھانا بھی اہم ہے۔ گرچہ رمز و ایمائی کارفرمائیوں کے لئے ایک الگ بحث درکار ہے۔

اگر ہم مندرجہ ذیل اشعار پر نظر ڈالیں تو یہ سارے اوصاف اور خوبیاں جن پر اوپر بحث کی گئی ہے ان میں نظر آئے گی اور یہی ان اشعار کے بیساختگی کی دلیل ہے:۔

میر : سخت کافر تھا جن نے پہلے میر　　　مذہب عشق اختیار کیا

داغ : ناروا کہئے، ناسزا کہئے　　　کہئے کہئے مجھے بُرا کہئے

سودا : کیفیت چشم اسکی مجھے یاد ہے سودا　　　ساغر کو مرے ہاتھ سے لینا کہ چلا میں

آزاد : آس کہتی ہے کہ مجبور صبر کر میں مٹ چلی　　　صبر کہتا ہے کہ دل کو تھام میں چلتا بھلا

انصاری: اچھا یقیں نہیں ہے تو کشتی ڈبو کے دیکھ — اک تو ہی ناخدا نہیں ظالم خدا بھی ہے

قائم مجبوری: صنعت کو دیکھئے کہ کہاں ٹوٹی جا کمند — دو چار ہاتھ جب کہ لب بام رہ گیا

داغ: دی مؤذن نے شب وصل اذاں پچھلی رات — ہائے کمبخت کو کس وقت خدا یاد آیا

ساز رامپوری: صبر اور میں غیر اس کا ذکر کیا — جا رہے ہیں آپ اچھا جائیے

اثر لکھنوی: پیش جمال یار کرن آفتاب کی — شرما کے چاہتی تھی کہ پلٹے، بکھر گئی

جگر مرادآبادی: اے محتسب نہ پھینک مرے محتسب نہ پھینک — ظالم شراب ہے ارے ظالم شراب ہے

اقبال: مانا کہ تیری دید کے قابل نہیں ہوں میں — تو میرا شوق دیکھ مرا انتظار دیکھ

پاس تھا ناکامئ صیاد کا اے ہم صفیر — ورنہ میں اور اڑ کے آتا ایک دانے کیلئے

سیماب: سیماب کس نے عرش سے آواز دی مجھے — کتنا کہ انتظار کریں، آرہا ہوں میں

ریاض: وہ جانا میرا دم ٹھہر کر میکدے سے — صراحی کا مجھ کو وہ آواز دینا

جوہر: رب عزت کیلئے بھی کوئی رہنے دو خطاب — تم خداوندی کہلاؤ، خدا اور سہی

شکیل: دیکھنا دیکھنا یہ حضرت واعظ ہی نہ ہوں — راستہ پوچھ رہا ہے کوئی میخانے کا

روش: ان پہ قربان ہستی کر دیں — اک مری زندگی کو کیا کہئے

ان سارے اشعار پر شگفتہ کا یہ شعر صادق آتا ہے جو بے ساختگی کی تعریف بھی کی جاسکتی ہے سہ

وہ طرز فکر ہم کو خوش آتی ہے شگفتہ

معنی شگفتہ، لفظ خوش، انداز صاف ہو

حضرت طبیب آروی اور اُن کا دیوان "نوائے بہار"

(از شش۔ م۔ عارف ماہر، آروی)

(۲)

صفحہ ۸۷ کی تیئسویں غزل بھی طبیب صاحب کی فنی حسن کا ایک شاہکار اور آرا اسکول کی خصوصیات خصوصاً التزام ملاحظہ ہو:

یا گماں تم اور کُل ہار جاک، لالہ در ۔ کون ہے وہ جو تمہارے حسن کا قائل نہیں

اسی زمین میں سالک صاحب کی طرحی غزل گیارہ اشعار کی ڈائری کے صفحہ ۱۴۹ تا ۱۵۱ پر غزل نمبر ۶۵ کے تحت بھی ہے جس کا ایک شعر نمونۃً پیش کرتا ہوں:

اک مرے کہنے سے کیا مٹ جائینگے الزام سب ۔ میں یہ کہہ بھی دوں، کہ تم ظالم نہیں، قاتل نہیں

صفحہ ۹۰ کی انتیسویں غزل بھی طرحی ہے۔ میں حضرت طبیب اور سالک کا ایک ایک شعر "زلف" کے مضمون کا یکے بعد دیگرے پیش کرتا ہوں:

طبیب آروی: تڑپ جائے جو دیکھے اس حسین فتنہ ساماں کو ÷ رخِ تاباں پہ بکھرائے ہوئے زلف پریشاں کو

سالک آروی: وہ میرے سامنے زلفوں کو بکھرائے چلے آئے ÷ میں یکجا کر رہا تھا جب خیالات پریشاں کو

صفحہ ۱۰۴ کی ۳۲ ویں غزل طبیب آروی کی دو غزلہ بھی ہے اور طرحی بھی سالک آروی کی غزل بھی۔ اس طرح میں دو غزلہ ہے۔ پہلی غزل بہ قید یک قافیہ "شباب" ہے، جس میں پندرہ اشعار ہیں۔ یہ غزل صفحہ ۱۰۰ سے ۱۰۳ تک ہے اور اس کا مقطع ہے:

سالک وہ ولولے ہیں، نہ اب دل میں جوش ہے ÷ شامل گئیں شباب کی، باتیں شباب کی

دوسری غزل صفحہ ۱۰۳ سے ۱۰۴ تک ہے جس میں کُل آٹھ اشعار ہیں:

صفحہ ۱۰۸ کی غزل نمبر ۳۴ بھی طرحی ہے کہ سالک کی غزل نمبر ۱۲، صفحہ ۲۷ پر درج ہے۔ جس کا ایک شعر ہے:

میری قسمت کا ستارہ بھی کبھی چمکے گا ÷ چرخ تیری کبھی مجھ پہ بھی عنایت ہوگی

اسی قافیہ کو حضرت طبیب آروی نے یوں باندھا ہے:

کرکے برباد مجھے کرتے ہو تربت پامال ÷ وہ بھی مٹ جائیگی جب، کس پہ عنایت ہوگی؟

صفحہ ۱۳۶ کی غزل نمبر ۴۸ بھی طرحی ہے، جس کا ایک شعر ہے:

خیالِ چہرۂ تاباں میں دل پر داغ کھاتا ہوں ÷ چراغ اپنا جلاتا ہوں، چراغِ ماہ کامل سے

اسی زمین میں سالک آروی صفحہ ۵۴ پر یہ شعر رقم کرتے ہیں:

ہم یکجا ہیں دام و دانہ ہے کچھ دال میں کالا ÷ بچے گا آج کوئی دل نہ اُن کی زلف اور تِل سے

متذکرہ کیا ہے غزلیں حضرت طبیب آروی کی وہ ہیں جن کا ثبوت میں نے ان کے صرف ایک معاصر سالک آروی کے کلام سے طرحی ہونے کا پتہ لگایا ہے۔ اب موصوف کی کچھ اور طرحی غزلوں کی نشان دہی ان کے دوسرے معاصرین شعراء سے کرا دینا بھی کرتا چلوں۔ تاکہ محض ثانوی کلام سالک وطبیب کا الزام نہ آ جائے۔ حضرت طبیب آروی کی غزل صفحہ ۱۱۸ پر جس کا مطلع ہے : ؎

؎ سرفروشی کی تمنا آج اپنے دل میں ہے ... دورِ ماضی جلوہ آرا، دورِ مستقبل میں ہے — طرحی ہے۔

اسی زمین میں سید علی حیدر صاحب حیدرؔ آروی کی غزل "باغِ عشاق" یعنی نتیجۂ فکر جناب حافظ سید محمد ولی حیدر صاحب گہر آروی، مرتبہ محمد غنی حیدر آروی، مالک اسٹائمک ڈپو۔ کلکتہ کے صفحہ ۱۶ پر مرقوم ہے۔ جس کا ایک شعر ہے :

؎ رات دن ہے آرزوئے جلوۂ حسنِ مجاز ... شیخ جس منزل میں تھا، اب تک اسی منزل میں ہے

صفحہ ۱۳۰ پر غزل ۵۵ بھی طرحی ہے۔ جس کے دو شعر یہ ہے :

؎ بزم میں دیکھے اس چہرۂ انور کی ضیا ... شمع آتی بھی تو خاموش ہوئی جاتی ہے

بارِ احساں تو ہے سر جو ہو گردن سے جدا ... تم یہ کہتے ہو سبک دوش ہوئی جاتی ہے

اب اسی طرح میں جناب منیر الدین صاحب جاد مرحوم آروی، شاگرد حیدرؔ آروی مرحوم کے دو اشعار انہیں دو قوافی میں پیش کرتا ہوں ملاحظہ ہو جسے طبیب آروی نے بھی نظم کیا ہے :

؎ اب نہ آہوں کی صدائیں ہیں، نہ فریاد کا شور ... بزمِ دل، محشرِ خاموش ہوئی جاتی ہے

سرِ مدفن ترے عاشق کا جنازہ رکھ کر ... آج دنیا بھی سبک دوش ہوئی جاتی ہے

صفحہ ۱۰۰ پر غزل ۱۲ حضرت طبیب آروی نے طرحی غزل تو ضرور کہی ہے۔ مگر مشاعرہ پٹنہ کالج کے بزمِ ادب کا تھا۔ جس کی صدارت سر علی امام مرحوم نے کی تھی۔ اور اس کی طرح تھی : "ہمارا بھی تو آخر زور چلتا ہے گریباں پر"

اُس مشاعرہ میں جناب سید خادم حسن صاحب خادمؔ آروی اور جناب ابن حسن صاحب فکرؔ آروی جو اُن دنوں لوکل سلف گورنمنٹ کے شعبہ میں سپرنٹنڈنٹ تھے۔ شریک ہوئے تھے۔ خادم صاحب مرحوم نے جناب فکرؔ کی طرحی غزل کے چند اشعار مجھے نوٹ کرا دئے تھے۔ اس سے دو اشعار جناب فکرؔ آروی کے پیش کرتا ہوں۔ ملاحظہ ہوں :

؎ نہیں جامہ تو کر دوں چاک اپنا جامۂ ہستی ... نمودِ عشق کیوں ہو منحصر چاکِ گریباں پر

انہیں ملحوظ ہے دلبستگی بھی تو اسیروں کی ... شبیہیں لگے دیوانوں کی ہیں دیوارِ زنداں پر

گریباں اور زنداں ہی کے قافیہ میں اب دو شعر بالترتیب حضرت طبیب آروی کی ملاحظہ ہوں :

؎ کہاں پہنچا دیا فرقت میں ارمانِ شہادت نے ... رگڑتا ہوں گلا خود اپنی ہی تیغِ گریباں پر

خدا معلوم کیا گذرے گی زلفوں کے شکنجہ میں ... اُلجھتا ہے دلِ وحشی خیالِ کُنجِ زنداں پر

آپ نے یہ محسوس کر لیا ہوگا کہ دیوانِ طبیب میں ۱۴ ایسی غزلوں کی نشان دہی کر دی گئی ہے جو طرحی بزم کے لئے لکھی گئیں میں نے

ابھی ابھی کہا ہے کہ موازنہ طبیب و سالک کا الزام نہ آنے پائے۔ اس لئے بہتر ہے کہ کم از کم ایک یا دو ایسی طرحی غزلوں کی بھی نشاندہی کردوں جس میں طبیب آروی مرحوم اور سالک آروی مرحوم کے ماسوا طرحی غزلوں میں اور بھی شعرائے آرہ نے طبع آزمائیاں کی تھیں، اس سلسلے میں صرف دو غزل پر ہی اکتفا کروں گا۔

صفحہ ۶۴ پر طبیب آروی کی چھٹی طرحی غزل میں سالک آروی کے علاوہ جناب نظمی آروی، مولوی نیاز احمد صاحب اسد، سکنہ موتی ماڈل اسکول آرہ اور جناب امیر آروی مرحوم کی غزلیں بھی ہیں۔ جناب اسد اور امیر کا ایک ایک شعر ملاحظہ فرمائیے اسی طرح میں :-

چلے تو امتحانِ شوق بھی ہو ؛ نظر کا تیر، دل برمانے والا (اسد)

اور اب امیر آروی کو سنئے :-

سمجھ جائے گا رازِ ہوش مستی ؛ ذرا پی لے، ہمیں سمجھانے والا (امیر)

صفحہ ۶۵ پر جناب طبیب آروی کی ساتویں طرحی غزل میں سالک آروی کے علاوہ مولوی اسد صاحب، امیر آروی، ذکی صاحب اور مولوی ابو القاسم صاحب قاسم آروی بھی شریک طرح تھے۔ ایک ایک شعر ان حضرات کا بھی ملاحظہ کرتے چلیے :

کھلے مٹھی : کھلے ہے ماجرا کیا ؛ مرے پہلو میں دل کا ڈھونڈنا کیا (اسد)

ذکی (مزاحیہ) نصیحت ہی کے حیلے میکدے میں ؛ ہوا ہے مجمع ضعفا دکیا کیا (ذکی)

گوارا سا ہوا ہے شوق میں ہوں ؛ ٹھکانہ ایسی وحشت میں مرا کیا (امیر)

حکیم عبدالحلیم صاحب نے سنہ ۱۹۱۳ء میں ۲۶ برس کی عمر میں طبابت کے پیشہ میں قدم رکھا اور اسی وقت سے طبیب تخلص اپنے پیشہ کے اعتبار سے اختیار فرمایا۔ اس سے پہلے آپ حلیم تخلص فرماتے تھے۔ چنانچہ پیش نظر دیوان میں حلیم کے تخلص میں صفحہ ۶۱، ۶۲، ۶۷، ۹۹، ۱۰۸، ۱۱۲، ۱۱۴ اور ۱۳۱ یعنی غزل نمبر ۵، ۱۳، ۳۰، ۳۴، ۳۵، ۳۶ اور ۴۵ نظر آتی ہیں۔ ان سات غزلوں میں صفحہ ۱۱۲ اور ۱۱۴ یعنی غزل نمبر ۳۵، دو غزلہ ہیں۔ صفحہ ۶۲ پر غزل نمبر ۱۳ ہلال چار کی ردیف اور صفحہ ۹۹ پر غزل نمبر ۳۰ "آئینہ" کی ردیف میں ہیں۔ یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ یہ سات غزلیں سنہ ۱۹۱۳-۱۴ء کے پہلے لکھی گئی ہیں۔ یعنی موصوف ۲۶ سال کی عمر کے پہلے ہی اپنی قادر الکلامی کا ثبوت بہم پہنچا چکے ہیں۔

طبیب تخلص اختیار کرنے کے بعد جو پہلی غزل آپ نے کہی ہے، وہ صفحہ ۳۳ پر غزل نمبر ۴۶ ہے۔ افسوس کہ مرتب جناب حکیم فہیم صاحب خلف ارشد جناب طبیب آروی نے اس غزل کے تین مطلع سے کوئی ایک مطلع بھی انتخاب نہ کیا۔ مگر میں کہ محقق ہوں پیش کرتا ہوں۔ ملاحظہ ہوں :-

شیدا وہی سچے ہیں جو نالہ نہیں کرتے ؛ عاشق، دلِ معشوق دکھایا نہیں کرتے

ہم فرقتِ دلدار میں کیا کیا نہیں کرتے ؛ رویا نہیں کرتے ہیں کہ تڑپا نہیں کرتے

ہم رازِ محبت کبھی افشا نہیں کرتے ؛ دلبر سے بھی دل کا کبھی چرچا نہیں کرتے

جب بات تحقیق ہی کی چل پڑی، تو آیئے میں آپ کو دو ایسی غزلیں حضرت طبیب آروی کی سناؤں، جو افسوس پیش نظر دیوان میں شریک نہ ہو سکیں۔ ملاحظہ کیجئے دو غزلیں: ؎

سامنے اُس حور پیکر کے نہ ٹھہرا آفتاب　　　پیش، نورِ چہرۂ تاباں ہے پیلا آفتاب
دل کے داغوں نے چمک کر کر دیا ہے آب آب　　　بن گیا ہے شرم سے پانی کا چشمہ آفتاب
نورِ عارض سے ضیا کچھ کچھ جو مل جانے لگی　　　ہو گیا ہے آسماں پر اِک تماشا آفتاب
واہ رے حسنِ تصور اِک اُجالا کر دیا　　　ہو گیا وفورِ ضیا سے داغِ دل کا آفتاب
کس سپہرِ حسن کے جلووں نے سودائی کیا　　　سینۂ گردوں پہ ہے داغِ تمنا آفتاب
چشمِ موسیٰ کو گماں پھر طور کا ہونے لگا　　　کچھ عجب انداز سے محشر میں چمکا آفتاب
چہرۂ انور کی دنیا میں نہیں کوئی نظیر　　　ہے کسی کی زلفِ پرافشاں کا سایا آفتاب
اور کیا اب ہوگا اس رنگِ طلائی کا فروغ　　　پرتوِ رخ سے ہے سرتاپا سنہرا آفتاب
عشق کا منظر ہے دنیا عالمِ انوار کی　　　قیس میں ذرّہ ہے عکسِ روئے لیلیٰ آفتاب
وقتِ غسل اس سحرِ محبوبی نے جب اُلٹی نقاب　　　عکسِ رخ سے بن گیا گردابِ دریا آفتاب
گردشِ چشمِ سیاہِ یار کا اُف رے فریب　　　آج تک چکر میں ہے آنکھوں کا مارا آفتاب
ہجر میں چمکے ہے کچھ اس طرح داغ اے برجِ حسن　　　ماہِ کامل ہے جگر، دل ہے سراپا آفتاب
ہے تصور بن کے جب سے حسنِ یوسف جاگزیں　　　ہے سراپا نور سے قلبِ زلیخا آفتاب
کس سپہرِ حسن نے عشقِ خرامِ ناز کی　　　رہگذر میں ہے اِک اِک نقشِ کفِ پا آفتاب

خوب چمکی یہ غزل بزمِ سخن میں اے طبیب
چشمِ اہلِ فن میں ہے ہر لفظ میرا آفتاب

اور اب دوسری غزل بھی سُنیے:۔

کان کے پردے جلے اُف رے فغانِ اہلِ درد　　　برق خرمن سے اٹھی ہے یا زبانِ اہلِ درد
پانی پانی خود بھی ہے، پروانے بھی ہیں سوختہ　　　ہے زبانِ شمع میں سوزِ بیانِ اہلِ درد
دل، جگر چور نگ ہیں، اللہ رے تاثیرِ عشق　　　ضربِ خنجر ہے الٰہی یا فغانِ اہلِ درد
بہرِ صدرِ جاں نواز اک جذب ہے تاثیر میں　　　مرجعِ اہلِ جہاں ہے آستانِ اہلِ درد
تیغ کی لالی ہے، خونِ عاشقِ ناشاد سے　　　چہرۂ قاتل میں ہے، مضمر نشانِ اہلِ درد
ہجر کی شب گر نہ اس جانِ نزاکت کا ہو پاس　　　آسماں سے جا کے ٹکرائے فغانِ اہلِ درد

دردِ عاشق کچھ وہی سمجھے جو ہو خود اہلِ عشق — درد ہی والے سمجھتے ہیں زبانِ اہلِ درد
آنکھ بھر آئی ہے ان لیے ذکرِ قیس وکوہکن — درد میں ڈوبی ہوئی ہے داستانِ اہلِ درد
نوکِ خنجر پہ جگر ہے، دل لبِ سوفار پہ — دیکھئے اہلِ جفا میں عزِ دستانِ اہلِ درد
داغ پہلو میں، جگر میں ٹیس، دل میں اضطراب — ہے شبِ فرقت بشکلِ امتحانِ اہلِ درد
ایک تو زخمِ فراق اس پر مژہ نشتر بہ کف — تختۂ مشقِ جفا ہوتی ہے، جانِ اہلِ درد
تیر ہو، شمشیر ہو، رخ دل کا پھر سکتا نہیں — ابروِ مژگاں سے وابستہ ہے جانِ اہلِ درد
کچھ جگر پر آکے بیٹھے، کچھ ہوں پیوستِ دل — بٹ گئے پیکان تیرے قاتل میانِ اہلِ درد
دردِ آہِ جانگسل رہنے لگا سر پہ محیط — زیرِ گردوں ہے نیا اک آسمانِ اہلِ درد

کانپ جاتے ہیں بتوں کے دل بھی نالوں سے طبیبؔ
کرتی ہے پتھر میں بھی رخنہ زبانِ اہلِ درد

اسی آخری غزل کی زمین میں صفحہ ۶۸ پر غزل بڑا نظر آتی ہے، جس سے پتہ چلتا ہے کہ جناب قیسؔ آروی کی وفات سے متاثر ہو کر لکھی گئی ہے اور یہ آخری غزل ۱۹۳۹ء کی تحریر شدہ ہے اور دونوں متذکرہ غزلیں طرحی ہیں۔ طوالت کے پیشِ نظر ان زمینوں میں شعرائے آرا کا کلام سرِدست پیش کرنے سے معذور ہوں۔

حضرت طبیبؔ کی غزلوں میں فن اور شعریت بدرجہ اتم موجود ہے۔ مگر کچھ اشعار دیوان طبیبؔ آروی مرحوم میں ایسے بھی نظر میں آجاتے ہیں، جو میری سمجھ سے بالاتر ہیں۔ صرف چند اشعار یہاں اسی قبیل کا پیش کرتا ہوں۔ ملاحظہ ہو :ـ

پائے نازک میں وہاں اس شوخ نے ہلدی ملی — اور شبِ وعدہ یہاں خونِ تمنا ہو گیا

یہ شعر پہلی ہی غزل کا ہے جو صفحہ ۵۷ پر ہے۔ اس شعر میں "پائے نازک" کا "ہلدی" سے منسوب ہونا اور خون کی سرخی سے ہلدی کی زردی کا رشتہ میری سمجھ میں نہیں آتا۔ کیا ماہیران ہے جو ہلدی کی مانند ایک جڑ ہے اور سرمہ میں ڈالی جاتی ہے۔ مگر یہ بھی تو سرمۂ آنکھ کا ہے۔ ممکن ہے اسے کاتب مرحوم کی کرامت سے متعلق کر دیا جائے۔ مگر مجھے یہ اقرار کرنے میں دشواری محسوس ہوتی ہے۔ ہاں! تحریر حضرت طبیبؔ کو پڑھنے والے کی صلاحیت کا معترف ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

پانچویں غزل صفحہ ۶۱ سے شروع ہو کر صفحہ ۶۳ تک چلی گئی ہے۔ اس میں کل ۲۶ اشعار ہیں۔ اس میں نواں شعر دیں تحریر ہے :

اے لبِ جاناں بتا دے اب تو تیرا حکم ہے — چشمِ قاتل سے تو مرنے کا اشارہ ہو چکا

مصرعہ اول غور طلب ہے۔ کیونکہ اس میں کاتب، پروف ریڈر اور ممکن ہے طبیبؔ صاحب کی تحریر پڑھنے والا یا لکھنے والا سب ہی یا ان میں سے ایک یا دو موردِ الزام ٹھہریں۔ ویسے مصرعہ اول میرے خیال میں "بتا دے اب" کے بعد جو "تیرا" ہوتا، تو کچھ بات بن سکتی تھی۔

متذکرہ غزل ہی کا بارہواں شعر : ـــ

؎ وہ نہ دکھلائے اگر حسن دل ادا بے حجاب　　عاشقوں کا جنت الماتی نیا جانا ہو چکا

مصرعہ ثانی میں "جنت الماتی" کیا ہے؟ میں تو نہیں سمجھ سکا۔ ہو سکتا ہے یہ میری کم علمی کی وجہ کر ہو۔ اگر کوئی صاحب اس کے معنی اور سند بتا سکیں، تو میں مشکور ہوں گا۔

صفحہ ۶۶ پر غزل ۸۶ کا چوتھا شعر: ؎

موت اگر آئی تو قاصد کا ہوا دل کا گماں　　÷　　ہچکی گر آئی تو سمجھے کہ ہمیں یاد کیا

مصرعہ اول میں جو "وہ کا" ہے کیا معنی اگر دوسرا "کا" کے بجائے "کو" ہوتا تو کچھ پتے پڑتا۔ اور سب بڑھ کر یہ کہ پوری غزل رنگ طبیب سے کچھ الگ نظر آتی ہے۔ طوالت کے پیش نظر اور مثال پیش کرنے سے مجبور ہوں۔

آخر میں یہ عرض کردوں کہ دیوان میں کوئی شعر ایسا نہیں ہے گا، جو سلسلۂ تلمذ پر روشنی ڈالتا ہو۔ یا تمہید، تعارف، سخنہائے گفتنی میں بھی اس کی طرف کوئی اشارہ نہیں نظر آتا۔ مگر یہ ایک ضروری امر ہے، لہٰذا مجھے ہی اس فرض کو بھی انجام دینا ہے۔ حضرت طبیب آروی کے سلسلۂ تلمذ کے بارے میں دو روایت سننے میں آئی ہے۔ ایک تو یہ کہ موصوف حکیم ضمیر الحق صاحب قیس آروی (متولد یکم مارچ ۱۸۶۴ء متوفی بعد مارچ ۱۹۳۵ء) تلمیذ حضرت تمنا لکھنوی، جو خاندان ناسخ سے ایک بہت بڑے عالم کے ارشد تلامذہ تھے۔ دوسری روایت یہ ہے کہ طبیب صاحب نے علامہ سید شاہ محمد قاسم صاحب قتیل دانا پوری سے بھی مشورۂ سخن لیا ہے۔

چلتے چلاتے یہ بھی عرض کردوں کہ حضرت طبیب آروی کے زمانے میں آرا میں مولانا نظمی، مولانا تار احمد اسد، مولانا معین الدین معین، وحد، بلبل، قاضی نصیر صاحب نصیر، زحل، بدر، انیس، ولی حیدر صاحب گہر، ابن صفیر بلگرامی، مولوی عبدالحمید صاحب ہنر، نصرت آروی، خادم آروی، غلام فخر الدین صاحب شاد آروی، مولانا بدر الدجیٰ صاحب سالک آروی، ظہیر الدین صاحب ناشر آروی، ڈاکٹر منظر، امیر، شنکر دیال فتنہ ثانی اور دلگیر، نبیرۂ صفیر بلگرامی، راجہ ادھیکا رمن، علی حیدر صاحب حیدر آروی، معز الدین جاوید آروی، فخر الدین راضی حیدر، عبدالقادر سحر، ابن الحسن صاحب فکر، مولوی ابوالقاسم صاحب قاسم آروی، مولوی عبدالغفور صاحب گلہریا اور بہت سارے شعرائے کرام تھے۔ ان کے علاوہ "ہم سخن فہم ہیں، غالب کے طرفدار نہیں" میں بھی اچھی خاصی تعداد تھی۔ مثلاً چودھری محفوظ عالم صاحب وکیل، سادھو بابو وکیل، عبدالمالک آروی، وغیرہ تھے۔

خدا اور ناخدا

(جناب امین عالم ادیب ——— دھنباد)

شکست، شکست، شکست، اسلامی روایات کی شکست، مسلم تصورات کی شکست، قرآنی آیات کی شکست اور شکست کس سے؟ شکست کس کو؟ ——— کلمہ گو کلمہ گو، مسلمان کو مسلمان سے، ایماندار کو ایماندار سے۔

مشرقی پاکستان بنگلہ دیش بن گیا، مذہب ہار گیا، زبان و کلچر کی جیت ہوئی، اسلام کو نظر انداز کر کے سیکولرزم کے نعرے لگائے گئے۔ مذہب کے حلقے توڑ کر ملک و وطن کے حاشئے کھینچے گئے۔ ایمان اور اسلام کے بیچوں بیچ وطنیت اور قومیت کی دیواریں کھڑی کی گئیں ——— پھر ایک ہوش ربا ظلم و بربریت کی داستان دنیا نے سنی۔ انسان کا ظلم، انسان پر مسلمان کا ظلم مسلمان پر، فوجی حکمران کا ظلم معصوم رعایا پر جمہوریت پسندوں کا ظلم بہاریوں پر ——— کہانیاں جس کی کوئی نظیر نہیں ملتی۔ داستان جو رہتی دنیا تک یاد کی جائیگی۔

اللہ رے وطنیت کی عفریت کا ننگا ناچ، غیر متعلق عوام کا جذباتی قتل۔ ہزارہا عورتوں کی عصمت دری، اگر دو ڈھ دن معصوم بچوں کے خون سے یہ ملک لہولہان ہے۔ پدما، میگھنا اور تمام دریا خون سے لبریز ہے۔ ایسے خون سے جو ناحق بہا۔ جس کے بہانے والے خواہ کوئی بھی رہا ہو بلاشک جنونی، جذباتی ہے ظالم ہے۔ جسے تاریخ کبھی معاف نہیں کرے گی۔ حالات کے پیداوار مغرور سرکش انسان وقت کے دوش پر شہسواری تلوار چلا کر گذر جاتے ہیں لیکن آنے والی نسل ہمیشہ اسے چنگیز کے نام سے پکارتی ہے۔ یہ تو ہوئی دنیائے ماضی کا حشر اور عقبا میں؟ اس کا فیصلہ تو قادر مطلق کے ہاتھ محفوظ ہے۔

لیکن کیا واقعی اسلامی روایات کی شکست ناقابل تسخیر ہے؟ کیا مذہب کے نام پر دو دلوں کا جوڑنا آج کی دنیا میں ناممکن ہے؟

یہ سوالات ہیں جو ہمارے آپ کے دماغ میں اُبھرتا ہے۔ اس کا ایک اور صرف ایک جواب ہے۔ ہرگز نہیں۔ کبھی نہیں۔

مشرق میں اس خون چکاں ٹریجڈی کا ذمہ دار بنگالی عصبیت کے حامل عناصر اور پنجابی افواج کو قرار دینا اگرچہ صحیح ہے لیکن مغفول بھی ہے۔ کیونکہ حقیقی سبب مالک حقیقی، جن کی بندگی کے دم بھرنے والی یہ تمام لوگ ہیں ان کی اسکی ہدایات کو نظر انداز کرنا اسے نہیں معاشرے کی تعمیر اور ریاست کی تشکیل کی بنیاد نہ بنانا اور ان کی جگہ مفاد پرستی، مختلف عصبیتوں اور گروہی افراض و مقاصد کو کھیلنے کا موقع دینا ہے۔ اس میں مذہبی تصور یا دو قومی نظریہ کا کیا دوش ہے۔ اگر وہاں علاقائی عصبیتوں، گروہی مفادات اور محدود اغراض کو پس

پس ملک کو اسلامی عالمگیر اخوت و مساوات، عدل و انصاف، رواداری و درگذر اور جمہوریت کے قیام کی مخلصانہ کوشش کی جاتی، اعلیٰ انسانی قدروں اور اخلاقی بنیادوں پر انسانی حقوق کی بحالی عمل میں لائی جاتی اور تمام عوام میں یہ اعتماد بحال کیا جاتا کہ انہیں وہ تمام حقوق حاصل ہونگے جو اللہ نے تمام انسانوں کیلئے عطا کئے ہیں اور ریاست بلا کسی تفریق کے تمام شہریوں کے ان حقوقوں کے ضامن ہوگی تو آج حالات وہ نہ ہوتے جو ہم دیکھ رہے ہیں۔ قصور کس کا ہے؟ کیوں ہے؟ یہ ہمارا موضوع تکلم نہیں ہے۔ ہم تو یہ کہنا چاہتے ہیں کہ مذہب کے بغیر انسانیت کا تصور ناممکن ہے اور انسانیت سوز حرکات مذہب پسندوں سے سرزد نہیں ہوتی۔ اگر غور کیا جائے تو آپ محسوس کریں گے کہ لادینی سوشلزم اصل میں ان تمام چنگیزیت کی جڑ واقع ہوا ہے۔ ہمیں یہاں کسی خاص مذہب سے بحث نہیں ہے اور نہ ہم مذہب کی بگڑی ہوئی صورت کو بطور تمثیل پیش کرنا چاہتے ہیں جسے عیار لوگوں نے اپنے مفاد کیلئے بگاڑا ہے تاکہ وہ لوگ مذہب کے کریہہ صورت دکھلا کر عوام کو الحاد پر ابھار سکیں۔ ہمیں نفس مذہب کی ناگزیر ضرورت اور اسکی لامحدود افادیت کی جانچ کرنی ہے۔

فطری طور پر انسان عابد ہے۔ معبود نہیں۔ محکوم ہے حاکم نہیں۔ مجبور ہے جابر نہیں۔ ابتدائی آفرینش سے انسان کی گھٹی میں یہ ایمان اس کائنات کے مظاہر نے ڈالدی ہے۔ جسے وہ آنکھ کھولتے ہی دیکھتا ہے بلکہ یوں کہئے کہ مادیت پرستوں کی جہالت کے مطابق خدا کا وجود خارجی حالات کا نقش نہیں ہے بلکہ یہ نقش ان کے دلوں میں بھی ہے یزدانیت ایک ایسی زندہ اور ناقابل انکار حقیقت ہے جسے تسلیم کئے بغیر اس کائنات میں انسانی شعور بے معنی ہو کر رہ جاتا ہے۔

قادر مطلق نے جب انسان کو مادی اور روحانی ضروریات کے ساتھ اس دنیا میں اُتارا تو ان دونوں قسم کی ضروریات کی تسکین کا سامان بھی مہیا کیا۔ اس نے جسطرح انسان کی صنفی خواہشات بھوک پیاس کیلئے خوراک اور پانی کا بندوبست کیا۔ اسی طرح روحانی آرزوں کو پورا کرنے کے لئے ایک واضح نظام ہدایت بھی عطا کی تاکہ روح تشنہ نہ رہ جائے۔ مثلاً ہر انسان میں یہ خواہش ہوتی ہے کہ وہ یہ جانے کہ اس عالم محسوسات کا خالق کون ہے اور اسے از خود محسوس ہوتا ہے کہ ایک ارفع و اعلیٰ روحانی نظام موجود ہے جو برابر انسان پر اثر انداز ہو کر اس کے اندر جینے کی قوت، زندہ اخلاقی احساسات پیدا کرتا ہے۔ جینے کا مقصد تعین کرتا ہے۔ انسان اپنے متعلق یہ بھی جاننے کا خواہش مند ہوتا ہے کہ اس کا آغاز بھی اس قادر مطلق کی ذات نے کیا ہے اور انجام کار اس کے حضور میں اسے حاضر بھی ہونا ہے۔ وہ اپنے تمام تگ و دو کے ماحاصل کا انحصار کسی نہ کسی ذات کی مرضی پر کرتا ہے۔ کوئی شخص ایسا نہیں کہ جس میں وجود کا یہ احساس موجود نہ ہو یہ احساس انسان کے اندر اسطرح ایک گہری خلش پیدا کرتا ہے۔ جسطرح بھوک یا پیاس یا دوسری خواہشات پیدا کرتی ہے۔ یہ احساسات وقتی طور پر دبایا جا سکتا ہے، لیکن مٹایا نہیں جا سکتا۔ مفاد کے تحت کوئی بھی اپنے ان احساسات کو دبائے رکھتا ہے تو اُسے سکون میسر نہیں ہوتا ہے اور ہمیشہ ہمیشہ کیلئے تشنگی محسوس کرنے پر مجبور ہے۔ یہ بات مادہ پرستوں کے فلسفیانہ غور و فکر کے مطالعہ سے بخوبی ظاہر ہوتا ہے۔

انسان کے فطرت اور اسکے قلب و دماغ میں خدا کا وجود کا احساس اسی وقت ودیعت کر دیا گیا جس وقت انسان کی تخلیق کی گئی تاکہ اس ذات کے شعور و احساس کے بنا پر اس کے اندر اخلاقی قدریں اجاگر ہو سکیں جسکے بغیر انسان کسی طرح بھی حیوان اور جانور سے ممتاز نہیں ہو سکتا۔ اسی تصور سے انسان کے اندر صحیح اخلاقی شعور جنم لیتا ہے۔

یہ گھٹی میں پڑی مذہبی احساس ہی ہے جو بنی نوع انسان سے بے لوث محبت کرتی ہے۔ ایک دوسرے کے دکھ درد میں ان سے تعاون مصیبت کے وقت دستگیری اور کمزور و بے بس پر رحم کرتا ہے۔ اگر یہ احساسات مٹ جائیں تو بے لوث محبت اور خدمت کا جذبہ نہ رہے۔ معذور بیمار و اپاہج کی کوئی خبر نہ لے بوڑھے و ناتواں باپ کا کوئی پوچھنے والا نہ ہو۔ کیونکہ بظاہر ان سے کوئی فائدہ فریق ثانی کو نہیں ہوتا اور پھر انسان جانوروں کی طرح اپنے ماں بہن سے بھی جنسی رشتہ قائم کرنے میں قباحت نہ محسوس کرے۔

خدا کی ہستی کا شعور و ادراک انسانی فطرت کا بنیادی تقاضہ ہے۔ انسان احساس سے ایک لمحے کیلئے بھی دست کش نہیں ہو سکتا۔ اگر وہ اس احساس کی تسکین کیلئے صحیح راہ نہیں نکال پاتا تو وہ صرف انسانیت کی مٹھاس سے محروم رہتا ہے بلکہ ہمیشہ غلط راہوں پر چل نکلتا ہے۔ لہٰذا جن قوموں نے خدا سے انکار کیا انہوں نے قومیت اور ریاست جیسے جھوٹے خداؤں کی پرستش کی اور اپنے روحانی جذبات کی تسکین کیلئے ان کے ساتھ اسی طرح کا والہانہ جذبۂ عقیدت استوار کیا جسطرح ایک خدا پرست انسان سچے خالق و مالک کے ساتھ کرتا ہے۔ ایک مفکر نے کیا خوب کہا ہے کہ خدا کے ساتھ روحانی تعلق انسان کی بنیادی ضرورت ہے اور اگر اس تعلق کے لئے وہ خدا کو نہیں پہچانتا تو پھر اسے شیطان سے رشتہ عبودیت استوار کرنا لازم ہے۔ وہ اسکے لئے مجبور ہے کیونکہ اس خلاء کو دو ہی تصور پر کر سکتا ہے خدا یا شیطان۔ اس لئے قوم وطن یا مملکت کی پرستش کیلئے یہ ضروری ہے کہ اس ایک معبود کے سامنے دوسرے معبودوں کو باطل قرار دیا جائے۔ اس احساس کے تحت جارحانہ ملک و گروہ پرستی کا نظریہ پیدا ہوا جس کے رو سے دنیا کا ہر گروہ دوسرے گروہ کو صفحۂ ہستی سے مٹانے پر تل گیا پھر اپنے معاشرے و گھر والوں میں گروہ کے سارے افراد نے ان تصورات کو خدائی تصور سمجھ کر اسکے ہر جائز و ناجائز مطالبے کو پورا کرنے کی سعی کی اور اسی کو زندگی کا معراج، مطلب و مقصد جان لیا۔ یہ بات ظاہر ہے کہ قومی مطالبے قوم اور وطن کے سربراہوں کے زبان سے ظاہر ہوتے ہیں۔ اس لئے ان سربراہوں کو معاشرے میں اس بلند مقام پر فائز کر دیا گیا۔ جس مقام پر کہ مذہب میں خدا کے پیغمبر فائز کئے جاتے ہیں یعنی انسان اپنی روحانی احساسات کی تسکین کیلئے جو مادی مذہب اختیار کرنے پر مجبور ہوا ہے اسمیں خدا کی جگہ قوم کی پرستش اور اصول کی اطاعت کی جگہ ارباب اختیار یا لیڈروں کے بے چوں و چرا اطاعت موجود ہے۔ یہ بت لینن کی شکل میں ہو یا اسٹالن کی، ماؤ کی شکل میں ہو یا ناصر کی، شخصیت پرستی کا یہ بت نام نہاد سیکولرازم کے داعیوں کے رہبر ہوتا ہے اور وہ دانستہ یا نادانستہ اس کی پرستش پر مجبور ہیں لیکن اس انداز فکر اور طرز عمل سے انسان کی روح کو ہرگز تسکین حاصل نہیں ہو سکتی کیونکہ روح کو گوناگوں نسبت اسکے خالق یا قادر مطلق سے ہوتی ہے اور انسان تاوقتیکہ اس ذات کی مکمل اطاعت کی طرف مائل نہیں ہو جاتا اسکی تسکین ناممکن ہے اور مقصد انسانیت بھی کبھی تکمیل پذیر نہیں ہو سکتی یہ لیڈر حب لذات اور مادی خواہشات کے آرزو میں خود غرضی اور نفس پرستی کے شکار ہو جاتے ہیں پھر یہ ملک قوم اور گروہ کے نت نئے بت تراش کر اسکی خود پرستش کرتے ہیں عوام کو اس کے لئے ورغلاتے ہیں۔ انسان انسان کے درمیان سینکڑوں قسم کے دیوار کھڑی کی جاتی ہے اور عالمگیر انسانیت کو مختلف اکائیوں میں بانٹ کر انسانیت کے مفاد ... کرنے اور بھٹے میں ... رکھنا ... کے دل کی خواہش اور اسکی عالمگیر انسانیت کے مفاد کے آرزو کو ہی ملاحظہ فرمائے جسے ...

... ہے ... ملک ... چاہتے ...

Where the mind is without fear
and the head is held high
Where knowledge is free
Where the world has not broken up
into fragment by narrow domestic walls
Where words come out from the depth of truth
Where tireless striving streches its arms to-wards perfection
Where the clear stream of reason has not lost its way
into the dreary desert of dead habits
Where the mind is led forword for thee into ever widening
Thought and action
Into That heaven of freedom,
My father let my country awake.

ٹیگور اپنے دماغ کو بلند کرتا ہوا اسے قادر مطلق کے حضور میں ختم کرسکے۔ جہاں سے اسکی اونچی سوجھ بوجھ کسی ایسی تحریک کا آغاز کرسکے جو اسے ایک ایسا ملک حاصل کرنے میں کامیاب و کامراں بنا سکے جس ملک کی رنگا رنگ اکائیاں اور افراد کے الگ الگ وجود تمام غیر انسانی عصبیتوں سے پاک ہو کر ایک عالمگیر اخوت کا آزاد جنت تعمیر کرسکے۔ "آمار سونار بنگلہ دیش" کا مداح ٹیگور کی یہ خواہش انسانیت کی وہی کیفیت ہے جسے مذہبی قدریں کہا جا سکتا ہے۔

قوموں پر قومیں اٹھتی ہیں اور بالآخر تباہی سے دوچار ہوتی ہیں۔ رہبر و ناخدا اپنی عقل سے اسکی ہزار ہا وجوہات بتا چکا ہے اور بتا رہا ہے اور جانے کب تک بتاتا رہے گا لیکن اللہ پاک نے ہمیں اصل حقیقت ایک ہی بتایا ہے۔

اس نے جن اصولوں کو ان کی ہدایت کیلئے بھیجا تھا انہوں نے انکی باتیں ماننے سے انکار کیا یعنی اللہ کو چھوڑ دیا۔ پھر اللہ نے بھی انہیں اپنے حال پر چھوڑ دیا کیونکہ اللہ انسان کے عاجز ناقص و ناکارہ عقل سے واقف ہے اب وہ لوگ خود ہی اپنے فلسفے گڑھ گڑھ کر ایک گمراہی سے دوسرے گمراہی میں بھٹکتے رہے۔ ایک کے بعد دوسرے ازم کو اپناتے اور آزماتے رہے تاکہ سکون کی زندگی پاسکیں ــ پھر انہوں نے یہ بھی سمجھ لیا کہ وہ اپنی زندگی پر اپنا اختیار رکھتے ہیں اس لئے بالکل آزاد ہیں اور انہیں اپنے فعل و عمل کا کسی کے روبرو جواب نہیں دینا ہے۔ یہ وہ جہاں کی زندگیوں کو نکال کر رکھ دیا اور ان کے اخلاق و کردار کی گندگی اس حد تک بڑھ گئی جہاں قدرت کو ناچار مذہب ڈھا کر ان کے ناپاک وجود سے دنیا کو پاک کرنا پڑا۔

اب اندازہ فرمائیے کہ پنجابی جبرواستبداد اور بنگالی انتقامی تحریک میں سے کوئی بھی مذہبی احساسات کا حامل تھا۔ پھر یہ کہنا کہ مذہبی رجحانات ناکام ہوئے کس قدر جھوٹی بات ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ یحیٰی کی حرکت اور مجیبی کرتوت میں کوئی بات نہ مذہب سے ملتا ہے نہ مسلمانیت سے۔ انسانیت بھی اسے نہیں کہا جائیگا کیونکہ انسانیت مسلمانیت کی ابتدائی سیڑھی ہے جس کے بغیر انسانی معراج "مسلم" کا تصور بے معنی ہے۔

چنانچہ یہ غیر مذہبی اعمال کا نتیجہ ہے کہ ہزارہا انسانوں کو چکی کے پاٹ کے بیچ پیس کر رکھ دیا گیا۔ عورتوں کی عصمتیں لوٹی گئیں اور بچوں کو یتیم بنایا گیا۔ یہی نہیں، یہی سلسلہ سوشلزم و لبریشن (liberation) کے نام پر جاری ہے۔ کلام پاک کے حلف لیکر جان بخشی کرنے والا مجیب اور مسجد (شملہ) سے منہ موڑ کر گذر جانیوالے بھٹو میں سے کوئی بھی مذہب پسند نہیں ہے۔ مذہب کا نام تو یہ لوگ محاورتاً لیتے ہیں تاکہ اپنے اقتدار کو سنبھالے رہیں ورنہ جو خون چکاں مناظر ان کی نظر سے گذر چکا ہے اس سے وہ لوگ شرمندہ ہو کر باقی تمام عمر نجات اور معافی کے لئے وقف کر دیتے۔

ظلم و جبر کرنے والا پنجابی یا بنگالی میں سے کوئی بھی اگر یہ سمجھتا ہے کہ وہ اپنے اعمال کا جوابدہ نہیں ہیں یا اللہ پاک کے رو برو ان لاکھوں لاکھ انسانوں کا مقدمہ پیش نہ ہوگا اور انہیں سزا نہیں ملےگی تو احمقوں کی جنت میں ہے۔ اگر وہ لوگ اپنے اپنے گروہی مفاد کیلئے یہ سب کچھ حق بجانب قرار دیتے ہیں تو بھی انسانیت پر بلاوجہ عذاب کا جواز کس طرح پیدا نہیں ہوتا۔ کون جانتا ہے نام نہاد مذہب کے نام لیواؤں پر ان کی دو رنگی پالیسی سے قدرت ناراض ہو کر ان پر بلا واقعہ عذاب کا نزول فرمایا ہو۔ دوسری طرف ہندوستانی فوج کے احساسات کو دیکھئے جنہوں نے سینکڑوں بہاریوں کو قتل و خون اور بے آبرو ہونے سے بچایا۔ یہ انسانی احساسات بغیر خدا کے تصور یا مذہبی پیش منظر کے ناممکن ہے۔

سوشلزم یا سیکولرزم نے کون سا کارہائے نمایاں انجام دیا جسکا ڈھونڈورا پیٹا جا رہا ہے۔ اس شیطانی خیالات نے انسان کو خود غرض لالچی اور توسیع پسند بنا دیا ہے۔ مذہبی عنصر جو درگذر و قربانی کے جذبات ابھارتا تھا مفقود ہے۔ لہٰذا یہ خیالات نفسیاتی خواہشات کو لالچ تک بڑھا دیتی ہے۔ کبھی گروہی مفاد اور کبھی زبان و کلچر کا سبز باغ دکھا کر ان کی خواہشات کو برانگیختہ کرتی ہے مگر سوائے کچھ الٹ پلٹ ہونے کہ قوم دین کے دیں رہ جاتی ہے بلکہ کچھ کھوتی ہے، پاتی کچھ بھی نہیں۔

خدا نے فرار حاصل کرنے والے سفینۂ ملک کے ناخداؤں نے اگر یہی نظریہ جاری و ساری رکھا اور قوم مذہب کو داستان پارینہ سمجھ کر بھلا دی گئی تو جانے کتنی ایکائی ابھرتی رہے گی اور نفرت و عصبیت کی یہ آگ ایک ایک گھر کو خاکستر کر ڈالے گی آج کی دنیا میں وہی ملک سیاسی اعتبار سے کامیاب ہے جو مختلف اکائیوں کو جوڑتا ہوا ان سے ابھرتے ہوئے جذبات کا احترام کرتا ہوا وسیع سے وسیع تر رشتہ اخوت کو قائم کر سکتا ہو۔ حلقۂ ملک عظیم سے عظیم تر بڑھا سکتا ہو۔

اسلام عالمگیر مذہب و برادری کا قائل ہے۔ ملکی، قومی یا گروہی حدود کا اسلام پابند نہیں ہے صرف خدا کی رضا کے لئے مسلمان کو مسلمان سے جوڑتا ہے، انسان کو انسان کا گرویدہ بناتا ہے۔ عظیم اتحاد کا علمبردار مسلمان جب بگڑتا ہے تو بنگلہ دیش بناتا ہے۔ جب بنتا ہے تو مسلم بنگال کا نقشہ کھینچتا ہے یہ سب کچھ ہوتا رہا ہے ہوتا رہے گا۔ اس کا الزام مذہب پر لگانا عقل سے فرار حاصل کرنا ہے۔ خدا کی بات کو ناخدا قدغن لگاتے رہیں گے اور کبھی مطمئن نہیں ہوں گے تاوقتیکہ یہ ناخدا مکمل طور پر ہتھیار نہیں ڈالتے اس قوم کو نقصان

انداز بیاں اور

(از جناب اعجاز علی ارشد)

غالب سے پہلے اردو شاعری کنگھی چوٹی، گل و بلبل اور زلف و رخسار کی شاعری تھی لیکن غالب کی مخصوص طبیعت اور جدا انداز فکر نے یہ گوارا نہ کیا کہ اسی روایتی انداز بیان کو اپنایا جائے۔ غالب نے یہ چاہا کہ اردو غزلوں کو سرو و شمشاد، مانی و بہزاد، اور شیریں و فرہاد کے تذکروں کی دنیا سے نکال کر ایک نیا جہان فکر بخشا جائے۔ اس کی یہی خواہش، یہی جولانیٔ طبع اسے طرز بیدل کی طرف کھینچ لے گئی لیکن جب لوگوں نے یہ کہنا شروع کیا کہ ؎

کلام میر سمجھے اور کلام میرزا سمجھے
مگر اپنا کہا یہ آپ سمجھیں یا خدا سمجھے

تو غالب کو بھی یہ احساس ہوا کہ ؎

طرز بیدل میں ریختہ کہنا اسداللہ خاں قیامت ہے

اور تب غالب نے "طرز سب سے جدا نکالی ہے" کے طور پر روایتی بیانات کے لئے بھی نیا انداز بیان اختیار کرتے ہوئے گویا کہہ دیا ؎

ہم موحد ہیں ہمارا کیش ہے ترک رسوم

غالب موحد تھے روایت پرست نہیں۔ اس نے اپنے زمانہ کی ایسی باتیں کہیں جو اس کے زمانے کی نہیں تھیں۔ غالب نے اپنے زمانہ کی عام روش سے ہٹ کر ایک دوسری روش اختیار کی۔ اس نے کسی کی پیروی نہیں کی بلکہ ایک نیا انداز بیان اپنایا۔ بقول بجنوری "غالب کے آرٹ کا دیوتا بڑا مغرور اور غیور ہے اور اپنی انفرادیت میں شرکت گوارا نہیں کرتا"۔

غالب اردو شاعری کی تنہا آواز ہے۔ اس نے اردو شاعری کو نئی حیثیت، نئی قامت اور سب سے بڑھ کر نیا لہجہ بخشا۔ غالب کے یہاں خارجیت اور داخلیت دونوں کا حسین سنگم ہے اس نے اردو شاعری کو نیا رنگ بھی دیا اور نیا آہنگ بھی۔ اگر ایک طرف اس نے استعارات و تشبیہات کی دنیا میں نئے نئے گل بوٹے کھلائے اور اچھوتی فارسی تراکیب "انداز بیاں اور"

کے دعوی کو ثابت کیا تو دوسری طرف نہایت آسان زبان میں بھی نادر خیالی اور رفعتِ خیال کے جوہر دکھلا کر اپنی انفرادیت منوالی۔ سورج کو چراغِ رہگزارِ باد اور ماہِ نخشب سے تشبیہہ دینا غالب کا ہی کام ہے کہتے ہیں ؎

ہیں زوال آمادہ اجزا آفرینش کے تمام
مہرِ گردوں ہے چراغِ رہ گزارِ باد یاں

اور پھر یہ کہ ؎

چھوڑا مہِ نخشب کی طرح دستِ قضا نے
خورشید ہنوز اس کے برابر نہ ہوا تھا

آپ نے تشبیہات و استعارات کی دنیا میں یہ نادر اضافے ملاحظہ فرمائے۔ اب ذرا خیال کی ندرت اور بلندی کی یہ مثالیں دیکھئے ؎

نہ تھا کچھ تو خدا تھا کچھ نہ ہوتا تو خدا ہوتا
ڈبویا مجھ کو ہونے نے، نہ ہوتا میں تو کیا ہوتا

اور ؎

بسکہ دشوار ہے ہر کام کا آساں ہونا
آدمی کو بھی میسر نہیں انساں ہونا

اور پھر یہ کہ ؎

ہم بھی تسلیم کی خو ڈالیں گے بے نیازی تیری عادت ہی سہی

ناانصافی ہوگی اگر اس سلسلے میں غالب کے چند اشعار کا میر، مومن، ذوق کے اشعار سے مقابلہ نہ کیا جائے۔

بیماری دل اور اس کے علاج کا بیان میر کے یہاں بھی ملتا ہے ؎

الٹی ہو گئیں سب تدبیریں کچھ نہ دوا نے کام کیا
دیکھا اس بیماریٔ دل نے آخر کام تمام کیا

مگر ذرا غالب کا یہ اندازِ بے نیازی بھی ملاحظہ فرمائیے ؎

دردِ منت کشِ دوا نہ ہوا میں نہ اچھا ہوا برا نہ ہوا

ذوق کہتے ہیں ؎

بے محبت نہیں اے ذوق شکایت کے مزے بے شکایت نہیں اے ذوق محبت کے مزے

بلاشبہ یہ انداز سادہ ہے اور لفظی تکرار کا حسن بھی موجود ہے مگر غالب کا انوکھا اندازِ بیان بھی دیکھئے ؎

(بقیہ انداز بیان اور)

جب توقع ہی اٹھ گئی غالب کیا کسی کا گلہ کرے کوئی

معشوق کی چشم سحر طراز کی تعریف کرتے ہوئے مومن کہتے ہیں ؎

چشمک مری وحشت پہ ہے کیا حضرت ناصح
طرز نگہہ چشم فسوں ساز تو دیکھو

لیکن غالب کا انداز بیان کہاں سے لائیں ؟ نگاہ ناز کا یہ بیان بھی دیکھئے ؎

کوئی مرے دل سے پوچھے تیرے تیر نیم کش کو
یہ خلش کہاں سے ہوتی جو جگر کے پار ہوتا

غالب کی یہی "سادگی کے ساتھ پرکاری" ہے جس نے انہیں "انداز بیان اور" بخشا۔ غالب کی اس انفرادیت کا احساس ہمیں تو ہے ہی خود غالب کو بھی تھا۔ وہ کہتے ہیں ؎

ہیں اور بھی دنیا میں سخنور بہت اچھے

لیکن ؏

کہتے ہیں کہ غالب کا ہے انداز بیاں اور

اور غالباً یہی انفرادیت کا احساس ہے جو غالب کو یہ کہنے پر ابھارتا ہے ؎

کچھ تو کہئے کہ لوگ کہتے ہیں آج غالبؔ غزل سرا نہ ہوا

بقیہ جواہر پارے

نتیجتاً وہ پریشان ہو جاتا ہے۔ خواب و خور، راحت و آرام تلخ ہو جاتا ہے۔ زندگی وبال جان ہو جاتی ہے۔ اسی لئے کہا گیا ہے انسان کا ظلم و ستم وجور و تعدی خود اسی کو لاچار و مجبور کر دیتا ہے اور کبھی ہلاک بھی کر ڈالتا ہے۔

(۱۵) ظلامۃ المظلوم لاتضیع مظلوم کی آہ و زاری بیکار نہیں جاتی ۔

مطلب :۔ وہ انسان جس پر ظلم کیا گیا ہو اور وہ کمزور ہونے کی وجہ سے ظالم کا مقابلہ نہیں کر سکتا ہو تو دنیا کی تمام آسراؤں، سہاروں سے نراس ہو کر جب احکم الحاکمین کے دربار میں وہ گڑگڑاتا، آنسو بہاتا ہوا آہیں بھرنے لگتا ہے تو رب بے نیاز کی رحمت کو جوش آجاتا ہے اور ظالم کی سرکوبی کے لئے کبھی مچھروں کا لشکر، کبھی جوئیں، چیونٹیوں کی فوج کبھی بھوں کیڑا کی جیسی فوج بھیج کر ظالموں کو پریشان و مضطرب اور ہلاک کر دیتا ہے اسی لئے ہمیشہ مظلوموں کی آہ و بکا فریاد و زاری سے ڈرتے رہنا چاہئے اور ایسا موقع فراہم نہ کرنا چاہئے جس سے مظلومین آہ و زاری کرنے لگیں ؎

بترس آہ مظلوماں کہ ہنگام دعا کردن اجابت از در حق بہر استقبال می آید

مجبور و لاچار انسانوں کی دل دہی کا خیال برابر کرتے رہنا چاہئے ؏ دل بدست آر کہ حج اکبر است (باقی آئندہ)

افادات

مکتوبات حضرت شیخ الاسلام مخدوم الانام مخدوم شرف الدین احمد بہاری قدس اللہ سرہ

ترجمہ

(از جناب شاہ نجم الدین احمد فردوسی علیہ الرحمۃ)

مکتوب سی و ہفتم

در عبادت

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ برادرم شمس الدین اکرمہ اللہ بکرامۃ العابدین ۔ بدانکہ عبادت سرمایۂ اولیاست و پیرایۂ اتقیاست و حرفت مردانست و پیشہ صاحب ہمتانست و فائدۂ عمرست و ثمرۂ علم است و طریق خداوندان بصیرت است و راہ سعادت و جنت است اما با عقبات بسیار و شغلہائے بے شمار و دشمن و راہزن بسیار و یار و ہمراہ اندک و ایں ازآنست کہ راہ بہشت است قولہ علیہ الصلوٰۃ والسلام حفت الجنۃ بالمکارہ وحفت النار بالشہوات پیغامبر فرمودہ صلی اللہ علیہ و آلہ و صحبہ وسلم کہ بہشت را بمکروہات و دشواریہا گرد گرفتہ اند و دوزخ را بآسانی و شہوات گرد گرفتہ اند با ایں ہمہ دشواریہا بندۂ ضعیف و زمانہ صعب کار دین در قصور و فتور و فراغ دل و عمر کوتاہ و اجل قریب و سفر بعید و عبادت توشہ است کہ ازاں چارہ نیست و چوں فوت شد تحصیل آن ممکن نہ پس ایں کار رحمت دشوار است و خطر ۔ او بزرگ است و ازیں جاست کہ کم کسیکہ قصد ایں راہ کند و آنکہ کند کم کسے باشد کہ سلوک کند

سینتیسواں مکتوب

عبادت کے بیان میں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ برادرم شمس الدین اکرمہ اللہ بکرامۃ العابدین ۔ تمہیں معلوم ہو کہ عبادت ولیوں کی پونجی متقیوں کا زیور، مردوں کا ہنر، ہمت والوں کا پیشہ اور حاصل عمر ہے۔ علاوہ ازیں علم کا ثمرہ اہل بصیرت کا طریق نیک بختی کا جادہ جنت کی راہ ہے۔ لیکن بڑی بڑی سختیوں بے انتہا مصیبتوں کا سامنا ہے۔ ڈاکو بکثرت در پے ہوتے ہیں۔ رفیق اور ساتھی بہت ہی کم یہ سب اس لئے کہ بہشت کا راستہ ہے ۔ چنانچہ حضرت پیغامبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ حفت الجنۃ بالمکارہ وحفت النار بالشہوات بہشت کو مکروہات اور دشواریوں سے اور دوزخ کو آسانی اور خواہش سے گھیر ڈالا ہے ۔ ان سختیوں کے علاوہ بندہ کمزور زمانہ سخت دینیات کے کام میں کوتاہی و خرابی فراغت دلی مفقود عمر مختصر موت قریب اس پر دور دراز کا سفر ایسی صورت میں عبادت کو ایک ایسا زاد راہ سمجھو کہ جس کے بغیر چارہ ہی نہیں ۔ خدانخواستہ اگر یہ موقع ہاتھ سے جاتا رہا تو پھر اس کا حصول بھی ناممکن اس لئے یہ کام سخت مشکل اور اس کا

و اگر سلوک کند کم بود کہ بمقصود رسد و آنکہ بمقصود رسد
او دست عزیز کردۂ خدا وند عزوجل کار بآمدہ و مقصود در برآمدہ
و بر تخت مراد نشستہ و از ہمہ آفات رستہ و بملک ابد پیوستہ
و بزبان حال می گوید ۔ رباعی

تا بر سر ما سایۂ شاہنشہ ماست
کونین غلام چاکر درگہ ماست
گلزار بہشت دوزخ خار رہ ماست
زیرا کہ برون دو کون منزل گہ ماست

و گفتہ اند اصل موانع و حجاب بندہ را چہار است ۔ دنیا و خلق
و شیطان و نفس ۔ دنیا حجاب آخرت است و خلق حجاب
عبادت است ۔ و شیطان حجاب دین است ۔ و نفس
حجاب از خدا وند است ۔ چون مرید جنگ بزہد زند از حجاب
دنیا بیرون آمد و چون جنگ بعزلت و خلوت زد از حجاب خلق
بیرون آمد ۔ و چون جنگ بمتابعت سنت زد از حجاب شیطان
بیرون آمد ۔ و چون جنگ بریاضت و مجاہدت زد و از موافقت
نفس روی گردانید از حجاب نفس بیرون آمد بعدہ کشف
در کشف است و مشاہدہ در مشاہدہ دلبے نگذرد کہ بیند خود را
در صحرائے شوق و عرصات محبت افتادہ از آنجا در ریاض رضوان
و بساطین الانس رسیدہ و خلعت ہا و کرامت ہا از کرم منعم
یافتہ و حال او چنان شدہ کہ تن در دنیا و دل بعقبیٰ چنانکہ
در صفت این طائفہ گفتہ اند ابدانہم فی الدنیا و قلوبہم
فی العقبیٰ پس چون برند او را از دار فانی بحضرت خدا وند
باقی و بہ مقر ریاض جنت بینند آنجا مر نفس نیز حقیر ضعیف
خود را در ملک کبیر و مملکت عظیم و انعامے و اکرامے کہ ہیچکس
بوصف آن نتواند رسید پس زہے سعادت عظیم و دولت بزرگ

خوف و خطر بہت بڑا ہے یہی وجہ ہے کہ بہت تھوڑے آدمی ایسے ہیں
جو اس راستہ کا قصد کرتے ہیں اور جو لوگ اس راہ میں آتے ہیں
کم ایسا ہوتا ہے کہ اس پر قائم رہیں بعضوں نے سلوک اختیار بھی کیا
تو ہر شخص کا منزل مقصود تک پہنچنا ضروری نہیں ہاں جو پہنچ گیا کامیاب
اسی کو ہوئی معشوق اسی کے آغوش میں آیا ۔ تخت مراد پہ اسی نے
جلوس کیا ۔ دنیا بھر کی آفتوں سے اس کو نجات مل گئی ۔ ملک ابد
اسے ہاتھ آیا جوش مستی میں خوشی خوشی کہنے لگا ۔

تا بر سر ما سایۂ شاہنشہ ماست
کونین غلام دبیا کر درگہ ماست

بزرگان راہ رفتہ کا قول ہے کہ بندہ کے اصل حجاب اور مانع چار
ہیں ۔ دنیا ، خلق ، شیطان ، نفس ۔ دنیا حجاب آخرت ، خلق
حجاب عبادت شیطان حجاب دین نفس حجاب خدائے عزوجل
ہے ۔ جب مرید زہد و ریاضت پر کمر بستہ ہوا حجاب دنیا سے
باہر نکلا جب عزلت و گوشہ نشینی اختیار کی حجاب خلق اس سے
دور ہوا ۔ جب اتباع و پیروی سنت پر فدا ہونے لگا ۔ حجاب
شیطان سے اس کو رہائی ہوئی ۔ جب مجاہدہ نفس میں اس نے
قدم رکھا اور تابعداری نفس سے منہ موڑ لیا ۔ حجاب نفس کو
چیر کر نکل آیا پھر کیا کہنا ہے کشف در کشف مشاہدہ در
مشاہدہ ہے اور اس میں کچھ دیر نہیں لگتی آناً فاناً اپنے
صحرائے شوق اور عرصات محبت میں پڑا ہوا پاتا ہے ۔ پھر
وہاں سے ریاض رضوان اور بزم گاہ انس میں پہنچ جاتا ہے
پہنچتے ہی انعام واکرام منعم وکریم خداوند تعالیٰ سے پاتا ہے ۔
اس وقت اس کا یہ حال ہو جاتا ہے کہ جسم تو دنیا میں ہے ۔
لیکن دل سے عقبیٰ میں ہے اس لیے اس گروہ کی صفت یوں
بیان کی گئی ہے ابدانہم فی الدنیا وقلوبہم فی العقبیٰ

ذرہ بندۂ نیک بخت دانسے کہ پسندیدہ و طالب را این معنی
در سایۂ دولت پیر پختہ دست دہد و بخدمت این طائفہ و در
صحبت این گروہ میسر شود و بشرط ترک اعتراض ظاہراً و
باطناً نہ در باطن انکار بود و نہ در ظاہر اعتراضے باشد کہ
ہر دو از شوربختی مرید بود در ہر چہ قول و فعل و حال و صفت
پیر بیند اعتراضے نکند و از قصہ موسیٰ و خضر علیہما السلام باز
اندیشد تا بہ ترک تصرف تواند گفت زیرا کہ اگر مریدے
مردود ولایت شیخی گردد کہ او را مرتد طریقت گویند ہیچکس از
مشائخ او را بجائے نتواند رسانید اما اگر مرید صادق کہ بخدمت
شیخ تربیت نہ یافتہ باشد و بعذرے باز ماندہ یا او را
پیر اجازت کند آنگاہ او بخدمت شیخ دیگر پیوندد باکے
نبود۔ چنانچہ خواجہ ابوسعید ابوالخیر رحمۃ اللہ علیہ بعد از وفات
پیر خود ابوالفضل حسن قدس اللہ روحہ بخدمت شیخ ابوالعباس
قصاب پیوست رحمۃ اللہ علیہ اگر مرید از پیر منکرے بیند قولاً و
فعلاً در پناہ عجز خود شود تا کشتہ نگردد۔ چون جمال معاملہ
او با شرع آراستہ بود و آں یک زلت بر سبیل امتحان
مدان مرید نماید روزگار خود را مدان راست نکند و ان قبہ
روشن خود دلنشاند و نگوید کہ ہمہ روزگار من خود چنیں بودہ
است مرید آنرا ببیند او را از آنجا دریا بگشت و دیدہ بر جمال
معاملت وے باید نہاد کہ آں قوت مغفرت است نہ قوت
مرید و اگر کسے را ہمہ روزگار بخلاف شرع بیند یا بیشترے از
آنجا باید گریخت کہ صحبت آں چناں کس درد و سوز را فرد
نشاند و ایمان را پے کند و رہ بروز اند الغرض چارہ نیست
عبادت را از علم کہ علم قطب است و مدار کار بر دوست
گفتہ اند کہ علم و عبادت دو جوہر اند کہ بہ سبب ایشان است

اب جبکہ اس دار فانی سے خداوند باقی کی درگاہ میں بندہ
مقبول کی رسائی ہوئی اور ریاض رضوان میں اس کو جگہ ملی
اس وقت وہ فقیر حقیر و ناچیز و ضعیف اپنے کو ایک ملک گیر
مالک پاتا ہے اور مملکت عظیم پر حکمراں دیکھتا ہے انعام و اکرام
کی کچھ انتہا نہیں ملتی ہے۔ پھر تو اس کے مزے کو کوئی اس کے دل
سے پوچھے۔ یہ نوازشیں وہ ہیں جو حد وصف بیان سے باہر ہیں
ان باتوں کو سن کر تم بھی یہی کہو گے کہ اس سعادت عظمیٰ کا کیا کہنا
ہے اور اس دولت لازوال کی کیا بات ہے۔ سبحان اللہ کیا وہ
نیک بخت ہے اور کیا خوش معاملات پسندیدہ ہیں جانتے ہو
یہ معانی طالب کو کیوں کر حاصل ہوتے ہیں کہ بدن دنیا میں رہے
اور دل عقبیٰ میں۔ جو شخص سایہ دولت میں کسی پیر پختہ کے
رہے گا اور اس کی خدمت و صحبت سے فائدہ اٹھائے گا
اس وقت یہ مرتبہ اس کو ملے گا یعنی صحبت میں رہنا بھی
کوئی آسان کام نہیں ہے اس کے لئے شرائط ہیں ظاہراً و باطناً
پیر کی طرف سے اپنے دل میں اعتراض پیدا ہونے نہ دے
نہ ان کی طرف انکار آنے دے۔ اعتراض و انکار یہ دونوں
باتیں مرید کی شوربختی کی دلیل ہے۔ جو قول و فعل جو حال جو وصف
ایسی دیکھے جس سے دل کو تشویش پیدا ہو۔ فوراً حضرت موسیٰ
علیہ السلام اور خضر علیہ السلام کے قصہ کو یاد کرے کہ سالک بے خبر
نبود ز راہ و رسم منزلہا۔ اس سے یہ ہوگا کہ خود رائے دور ہو جائے گی
اور اطمینان قلب حاصل ہوگا۔ مرید کا پیر سے پھر جانا یعنی
مردود ولایت شیخ ہونے کا مسئلہ نہایت نازک ہے اس سے
آدمی مرتد طریقت ہو جاتا ہے ایسے شخص کو کوئی شیخ وقت
منزل مقصود تک نہیں پہنچا سکتا ہے ہاں جو مرید صادق کسی
پیر کی خدمت میں ایک حد تک تعلیم و تربیت پا چکا ہے اور

جوہرہائے گوہری مثنوی از تصنیف مصنفان و تعلیم
معلمان و نصیحت ناصحان بلکہ بسبب ایشان است ازال
کتب و رسائل و رسل و ملائکہ ہر جم جزایں دو کار است از
کار ما باطل ست کہ درو چیزے نیست و لغو نیست کہ درو حاصل
نیست و ازیں است کہ خواجہ حسن بصری گفتہ است رحمۃ اللہ
علیہ بطلبید ایں علم را طلب کردنی کہ از عبادت باز نمانید
و طلب کنید ایں عبادت را طلب کردنی کہ از علم باز
نمانید چوں معلوم شد کہ چارہ نیست مر بندہ را ازیں ہر دو
بدانکہ علم اولی تر است بتقدم داشتن بر عبادت ازآنکہ اصل و رہنمائی
اوست و ازیں است کہ فرمودہ است پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم
کہ علم امام عمل است و عمل تابع اوست و دیگر گفت ثواب
کردن عالم بہتر از نماز کردن جاہل و عامل بے علم فساد بیش
ازاں کند کہ اصلاح دیگر کہ فرمودہ است کہ الہام کنند
بعلم نیک بختاں را محروم گردانند از علم بدبختاں را و بدبختی وے
ازاں سبب است کہ علم نیاموخت و بے علم عملے کرد کہ فردا
مفید شن نیاید و ازیں جاست کہ زہاد سلف در طلب علم
مبالغت کردندے از میان جملہ کارہا ازآنکہ مدار کار
عبودیت بر علم است اگر مرد خدا را سبحانہ و تعالی عبادت
ملائکہ ہفت آسمان و زمین بکند بے علم از جملہ زیاں کار
آں باشد اے برادر اکنوں دانی چہ کنی کہ میگداز د
و گہ مینازد گہ می سوزد گہ می سازد کہ روش روندگان
راہ ہمیں است حالتے بود کہ اگر عرش و کرسی بشراک
نعلین ہمت او بیند نگو شہ چشم نگرد بہشت و دوزخ را
بجا دہان بارگاہ علو رتبت خود نہ پسندد و در عین فرح و بسط
بے خود ایں نعرہ زند کہ سبحانی ما اعظم شانی و حالت

بعض بعض مجبوریوں سے اس کو حاضری صحبت سے معذور رکھا
ہے اس کے لئے دو صورتیں ہیں۔ اگر پیر زندہ ہے تو اس کی
اجازت سے دوسرے شیخ کے یہاں رجوع کر سکتا ہے۔ یا پیر کا
وصال ہو گیا ہے جب بھی دوسرے بزرگ کی خدمت حصول
مقصد کے لئے حاضر ہو سکتا۔ اس میں کسی قسم کا مضائقہ نہیں
ہے جیسا کہ حضرت خواجہ ابو سعید ابو الخیر رحمۃ اللہ علیہ نے کیا ہے کہ
بعد وفات حضرت خواجہ ابو الفضل حسن قدس سرہ جو آپ کے
پیر تھے خدمت میں حضرت شیخ ابو العباس قصاب رحمۃ اللہ
علیہ کے پہنچے . . . . اگر کوئی مرید کسی پیر سے قولاً یا فعلاً ظاہر
ہوتے دیکھے تو اس کو چاہئے کہ اپنے عجز کا اعتراف کرے
تاکہ بے موت مارا نہ جائے جب کہ شیخ کا اجمال شرع شریف سے
آراستہ ہے اگر ایک ذلت اس سے سرزد ہوئی تو وہ حقیقت حال
نہیں ہے۔ بلکہ محض بر سبیل امتحان اس کو دکھایا ما ہے۔ یہاں پر
مرید کو بہت ہوشیاری کی ضرورت ہے۔ نہ اس روش پر چلنا
چاہئے۔ نہ کعبہ مقصود کی راہ بنانا چاہئے۔ نہ یہ کہنا چاہئے کہ حضرت
سلامت کے کل حال یونہی ہیں۔ مرید جو کچھ دیکھے اس کو نظر انداز
کرے۔ نگاہ اس کی پیر کے قلبی معاملات کے جمال پر
ہونا چاہئے۔ اور اگر مرید کسی پیر کو دیکھے کہ افعال خلاف
شرع میں مبتلا ہے یا بتکرار وقات برے فعل اس سے صادر
ہوتے ہیں تو ایسی صحبت سے کنارہ کرنا چاہئے کیونکہ ایسے شخص کا
ساتھ درد و سوز کی آگ کو بجھاتا ہے اور ایمان کا قلع قمع کر ڈالتا
ہے اور ترقی کی راہ روک دیتا ہے۔ آمدم برسر مطلب خلاصہ
یہ کہ عبادت کے لئے علم ضروری ہے۔ علم قطب ہے' اور
دارو مدار اسی پر ہے۔ بزرگوں کا قول ہے کہ علم و عبادت دو
ایسے جوہر ہیں کہ مصنفوں کی تصنیف معلموں کی تعلیم ناصحوں کی

هاںبگر بزرگان دسگان عالم را برخود درجتے بیند ومغان آتش پرست را برخود فضیلت شناسد همه بجو با در خود درست داند همه عیب ها در خود موجود بیند هر کے بروے سنگے اندازد شکرے درد هانش نهد و هر که لعنتش کند دعائے در کارش کند و هر که قفائے زند دعائے پیش برد شنیدهٔ همان مرد که در عالم کمال فردیت ومشاهده جمال احدیت نعرهٔ سبحانی میزد در دم باز پس زناره رشته درگردن می پیچید گفت اے پیر طریقت وحقیقت چه میکنی گفت زناریم همو گفت در آمدم باز پس تنگری تنگری یعنی من آن ترک نو مسلمانم

رباعی

گہ با کفنے پریم و گہ درویشم

گہ با دل پرنشاط و گہ با دل ریشم

گہ باز پس خلق گہ در پیشم

من بوقلموں روزگار خویشم

والسلام

نصیحت سے جو کچھ تم دیکھتے سنتے ہو سب انہیں کی بدولت ملکہ کتب سماوی کا نزول پیغمبر ورسل کی تشریف آوری کے باعث یہی دونوں ہیں۔ تم یقین جانو کہ علم عبادت کے دائرہ سے جو کام باہر ہے وہ باطل ہے اس کام سے کچھ پھل ملنے والا نہیں اور اس کھیتی سے کچھ حاصل ہونے کی امید نہیں۔ اسی وجہ سے حضرت خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ طلب کرو اس علم کو جیسا طلب کرنے کا حق ہے۔ تاکہ عبادت سے باز نہ رہ جاؤ اور مشغول ہو جاؤ عبادت میں جس طرح مشغول ہونے کا حق ہے تاکہ علم سے بے بہرہ نہ رکھو۔ جب یہ بات معلوم ہوگی کہ بغیر ان دونوں کے حاصل کئے انسان کو چارہ نہیں ہے۔ تو دونوں کے حصول کی فکر کرنا چاہئے۔ مگر پہلے علم حاصل کرنا ضروری ہے کیونکہ اصل رہنما علم ہی ہے۔ اس لئے حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ علم امام ہے عمل کا اور عمل اس کا تابع ہے۔ اور پھر دوسری جگہ آپ نے فرمایا عالم کا سونا بہتر ہے جاہل کے نماز پڑھنے سے اور عامل کے بے علم ہے وہ فساد زیادہ کرے گا باعتبار اصلاح کے اور یہ بھی آپ نے فرمایا کہ علم کا الہام نیک بختوں کو ہوا کرتا ہے اور بدبخت علم سے محروم رہتے ہیں۔ بدبختی کا سبب یہ ہے کہ انہوں نے علم نہیں سیکھا اور بے علم جو شخص عمل کرتا ہے اس کا نتیجہ یہ ہے کہ قیامت کے دن مفید نہ ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ بزرگان سلف طلب علم میں بہت جد وجہد کرتے تھے اور سب کاموں پر اس کو مقدم رکھتے تھے۔ وہ اس بات کو جانتے تھے کہ مدار کار عبودیت علم ہی پر ہے۔ ہم تو یہاں یہ کہیں گے کہ اگر کوئی بے علم حق سبحانہ تعالیٰ کی عبادت بمقابلہ ملائکہ ہفت آسمان وزمین کرے جب بھی وہ برے کا برا رہے گا۔ کوئی خوبی اس میں نہ آئے گی۔

برادر عزیز تم جانتے ہو کہ جب یہ رنگ ہے تو کیا کرنا چاہئے۔ کبھی گداز کبھی سوز کبھی ساز ہونا چاہئے۔ کیونکہ سالکان طریقت کی روش یوں ہی رہی ہے۔ ان پر وہ حالت بھی گذرتی ہے کہ اس وقت عرش کرسی کو بھی ان کے شراک نعلین میں باندھ دیا جائے تو کنکھیوں سے نہ دیکھیں گے اور بہشت و دوزخ کو اپنے علو مراتب کی جو بارگاہ ہے اس کی خادمی بھی پسند نہ

(بقیہ صفحہ ۴۵ پر)

باب التفسیر

تفسیر سورہ فاتحہ

(۱۲۴)

(از جناب مولانا مفتی ابو القاسم محمد عتیق صاحب بحر العلومی - فرنگی محل، لکھنؤ)

اب ارواح انبیاء کا حال سُنئے۔ علامہ زرقانی شرح مواہب میں لکھتے ہیں کہ انبیاء کی موت محض اس بات کی طرف راجع ہے کہ وہ ہم سے غائب ہیں کہ ہم ان کا ادراک نہیں کرسکتے۔ اگرچہ وہ زندہ ہیں۔ اور ہم میں سے کوئی انہیں دیکھ پاتا ہے۔ سوا اس کے کہ جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے اولیاء میں سے اس کرامت کے ساتھ مخصوص کرلے۔ امام شعرانی اپنی میزان میں لکھتے ہیں کہ امام ابو الحسن شاذلی اور اُن کے شاگرد ابو العباس مرسی کہتے ہیں کہ اگر ایک پلک جھپکنے بھر بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے چھپ جائیں، تو ہم اپنے آپ کو مسلمانوں میں شمار نہ کریں گے۔ اور امام مسلم کی مروی حدیث معراج میں حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کا تمام انبیاء کرام کی امامت نماز کرنا مذکور ہے۔ اور قرطبی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث میں ذکر کیا ہے کہ بیت المقدس میں آدم سے لے کر کل انبیاء کو جمع کردیں۔ سات جماعتیں حضرت کے پیچھے تھیں اور قناوی سراجیہ میں ہے کہ حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کا شب معراج میں انبیاء علیہم السلام کی امامت کرنا نماز نفل میں تھا۔ اور امام مسلم کی ایک مروی حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما میں حضرت موسیٰ و حضرت یونس علیہما السلام کا حج کے لئے لبیک کہتے ہوئے جانا مذکور ہے، ان تمام احادیث و اقوال سے حضرات انبیاء و مرسلین کی حیات طیبہ و قوت متصرفہ کا ثبوت ملتا ہے اور ہمارے آقا سے ولی نعم سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی قوت متصرفہ کا اندازہ ہی نہیں کیا جاسکتا۔ آپکی توجہ خاص اس عالم کی طرف کہیں بڑھ چڑھ کر ہے۔ چنانچہ علامہ سیوطی نے انباہ الاذکیاء میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مشاغل برزخ بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اپنی اُمت کے اعمال کی طرف نظر رکھنا۔ اُن کے لئے گناہوں سے استغفار اور اُن سے بلاؤں کے دفع ہونے کی دعاء فرمانا اور اقطار ارض میں چلنا پھرنا۔ اس میں برکت پہنچانے کے لئے اور اپنی اُمت کے نیک کاروں میں سے جو وفات پاجائے اس کے جنازہ پر تشریف لانا۔ یہیں یہ حضور آپ کے اشغال سے ہیں۔ جیسا کہ ان کے بارے میں احادیث و آثار وارد ہوئے ہیں۔ اور مفسر حقی نے تفسیر سورہ ملک میں لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارواح صحابہ کے ساتھ تمام عالموں میں چکر لگانے کا اختیار ہے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی

نے ذریعین کی سترھویں حدیث سید عبداللہ قاری کی روایت ذکر کی ہے۔ جس میں ان کے استاد کی مجلس قرارت میں سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کا تشریف لانا اور دعائے برکت دینا اور ان کا اپنی ظاہری آنکھوں سے آپ کو دیکھنا بیان کیا ہے۔ اور فیوض الحرمین میں خود اپنا دیکھنا بیان کیا ہے۔ اور محقق دہلوی نے اشعۃ اللمعات میں لکھا ہے کہ امام غزالی کہتے ہیں کہ ارباب قلوب بیداری میں کی حالت میں ملائکہ اور ارواح انبیاء کا مشاہدہ کرتے ہیں اور شیخ ابوالمسعود سے نقل کیا ہے کہ وہ ہر نماز کے بعد آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے مصافحہ کرتے تھے اور اسی میں حضرت غوث پاک کا بحالت بیداری آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم کو مشاہدہ کرنا بیان کیا ہے۔ ان عبارتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضور رحمت معمور صلی اللہ علیہ وسلم کا ظاہری آنکھوں سے دیکھا جانا اور آپ کا حل مشکلات میں وسیلہ بن کر کام آنا اور مقربین کے جنازوں میں شرکت اور تمام عوالم میں چکر لگانا اور صحابہ کرام کو ہمراہ لے جانا، ساری باتیں ثابت ہوتی ہیں۔ اب آخر میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا مشاہدہ بھی سن لیجئے۔ تحریر فرماتے ہیں:۔۔۔

وَرَأَيْتُهُ مستقراً على حالة واحدة (الى قوله) متوجهاً الى الخلق لابساً لباس عظموت وفيه من القبول والجذب والألفة ما لا يحصى ولا يدرك وانتهاؤه فاذا توجه اليه انسان يجهد همته ولا يريد الانسان العالي الهمة فقط بل كل ذي كبد يشتاق الى شيء ويتوجه اليه بقصده وشوقه فانه يتدلى اليه۔

. . . .

ورأيته عليه الصلوة والسلام ينشرح انشراحاً عظيماً لمن صلى الله عليه ومدحه

اور میں نے آپ کو ایک حالت پر قائم دیکھا خلقت کی طرف توجہ فرما، عظمت کا لباس پہنے ہوئے اور اس میں قبولیت اور کشش اور الفت ایسی ہے جس کو دگھیرا جاسکتا ہے اور نہ اس کی انتہا کا ادراک کیا جاسکتا ہے، پھر جب کوئی انسان آپ کی طرف اپنی ہمت کی کوشش سے متوجہ ہوتا ہے اور میں عالی ہمت انسان مراد نہیں لیتا ہوں صرف بلکہ ہر جگر والا جو کسی چیز کا مشتاق ہوتا ہے اور آپکی طرف اپنے قصد وشوق سے متوجہ ہوتا ہے، تو آپ اس کی طرف قریب ہو جاتے ہیں۔

(آگے لکھتے ہیں) اور میں نے آنحضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو زبردست خوش ہوتے ہوئے دیکھا۔ اس شخص کے حق میں جو آپ پر درود بھیجتا اور آپکی مدح وثنا کرتا ہے۔

اس سے مزید وضاحت ہوگئی رویت جناب حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم اور اس بات کی کہ قربت رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہر اس شخص کو حاصل ہوتی ہے، جو ہمت کے ساتھ آپ کی جانب متوجہ ہوتا ہے اور یہ کہ آپ درود وسلام عرض کرنے اور مدح وثنا کرنے والوں سے انتہائی خوش ہوتے ہیں۔ پس محفل میلاد شریف جو مجموعہ ہے حمد وثنا اور صلوٰۃ وسلام کا بالیقین زبردست خوشنودی رسالت کا سبب ہے۔ بنا بریں اس کے استحباب میں کوئی شک نہیں و شبہ نہیں کیا جاسکتا ہے۔ نیز اس سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ مدح وثنا کرنے والوں اور درود وسلام بھیجنے والوں کے حال کی اطلاع آپ کو ہوتی رہتی ہے۔ اسی کو علم غیب کہا جاتا ہے جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہے [illegible]

مجالِ بیانِ علمِ غیبِ نبوی:۔ اسی ذیل میں نہایت اختصار کے ساتھ اس مسئلہ پر بھی روشنی ڈال دینا ضروری معلوم ہوتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ آنحضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کی نہایت کا اندازہ کرنا طاقت بشری سے باہر ہے اور اس کی حد مقرر کرنا انسان کا کام نہیں، جبکہ رب تعالیٰ نے فرمایا ہے وَعَلَّمَکَ مَا لَمْ تَکُنْ تَعْلَمُ وَکَانَ فَضْلُ اللّٰہِ عَلَیْکَ عَظِیْمًا (آپ کو اُنہوں نے وہ باتیں سکھائیں، جو آپ نہیں جانتے تھے اور آپ پر اللہ کا فضل عظیم ہے) یعنی دربارِ تعلیم علوم آپ پر فضل عظیم ہے۔ اور عظیم کی تفسیر میں مفسرین فرماتے ہیں۔ کہ وہ چیز جس کا ادراک عقلیں نہ کر سکتی ہوں پس عقول انسانی آپ کے علم کی تھاہ کو نہیں پہنچ سکتی ہیں اور ارشاد رسالت ہے عُلِّمْتُ عِلْمَ الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ (مجھ کو اگلوں اور پچھلوں کا علم بخشا گیا) اور امام بخاری حضرت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ذکر کرتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم لوگوں میں (منبر پر) کھڑے ہوئے تو آپ نے ہم کو ابتدائے آفرینش سے خبردار فرمایا۔ یہاں تک کہ اہل جنت اپنی منزلوں میں اور اہل دوزخ اپنے ٹھکانوں میں داخل ہوں گے۔ یاد رکھا جس نے اس کو یاد رکھا اور بھول گیا جو اسے بھول گیا۔ دوسری روایت امام مسلم نے حضرت عمرو بن اخطب سے مروی ذکر کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز فجر پڑھائی۔ پھر منبر پر چڑھ کر خطبہ ارشاد فرمایا۔ یہاں تک کہ ظہر کا وقت آگیا۔ پھر آپ اُترے نماز ادا فرمائی۔ پھر منبر پر تشریف فرما ہو کر خطبہ دیتے رہے۔ یہاں تک کہ عصر کا وقت آگیا۔ پھر آپ نے نماز عصر ادا فرمائی۔ پھر منبر پر رونق افروز ہوئے اور وعظ فرمایا۔ یہاں تک کہ آفتاب غروب ہو گیا۔ پس آپ نے وہ باتیں بتائیں، جو گزر چکیں اور جو آئندہ ہونے والی ہیں اور کوئی بات قیامت تک ہونے والی آپ نے نہیں چھوڑی۔ (الی آخرہ)

اور اس کے علاوہ دوسری احادیث صحیحہ جن کا ذکر طوالت سے خالی نہیں۔ آیت شریفہ مذکورہ کی تفسیر اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم پر دربارۂ علم فضل عظیم پر دلیل ہیں اور ان سے ثابت ہوتا ہے کہ آنجناب تقدس مآب علام الغیوب جل شانہ کے بعد دنیا میں سب سے زیادہ علم والے تھے۔ لیکن اگر یہ کہا جائے کہ آپ کی غیب دانی سے قرآن عظیم انکار فرماتا ہے، جیسا کہ ارشاد الٰہی ہے قُلْ لَا یَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰہُ (آپ فرما دیں کہ آسمانوں اور زمین میں اللہ کے سوا غیب کوئی نہیں جانتا) اور لَوْ کُنْتُ اَعْلَمُ الْغَیْبَ لَاسْتَکْثَرْتُ مِنَ الْخَیْرِ وَمَا مَسَّنِیَ السُّوْءُ (اگر میں غیب جانتا، تو میں بھلائی کی کثرت لیتا اور کوئی بُرائی مجھ کو نہ پہنچتی) یہ تینوں آیتیں آپ سے علم غیب کی نفی پر صریحی دلالت کرتی ہیں، تو اس کا جواب یہ ہے کہ پہلی آیت کی تفسیر میں امام طبری تحریر فرماتے ہیں اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ مشرکوں میں سے اُن لوگوں سے جو آپ سے قیامت کے متعلق سوال کرتے ہیں کہ وہ کب قائم ہو گی۔ فرما دیں کہ جو کوئی آسمانوں اور زمین میں ہیں۔ اس غیب کو نہیں جانتے ہیں، جس کو اللہ نے اپنے لئے مخصوص کر لیا ہے اور اپنے سوا اپنی مخلوق سے پوشیدہ کر رکھا ہے۔ اور اس پر دلیل مابعد کا حصہ وَمَا یَشْعُرُوْنَ اَیَّانَ یُبْعَثُوْنَ ہے کہ اگر وہ شعور نہیں رکھتے ہیں کہ وہ کب (زندہ کر کے) اٹھائے جائیں گے۔

(باقی آئندہ)

ترحّم یا نبیؐ اللہ ترحّم

(از جناب حافظ قاری محمّد داؤد صاحب طالب قادری مجیبی۔ امام و خطیب ٹلکو مسجد جمشید پور)

وفادارانِ تو با چشمِ پُر نم	بصد آہ و بصد نالہ بصد غم
ہمی خوانند زیرِ لب ہمہ دم	"زمہجوری برآمد جانِ عالم
ترحّم یا نبیؐ اللہ ترحّم"

بہ بزمِ حق تو صدرِ نازنینی	قسیمِ نعمتِ دُنیا و دِینی
کجائی حالِ مشتاقاں نہ بینی	"تو آخر رحمۃ للعالمینی
زمحروماں چرا فارغ نشینی"

مہِ فیضانِ عالمتاب برخیز	دلِ ناکام را دریاب برخیز
زچشمِ تست فتحِ باب برخیز	"زخاک اے لالۂ سیراب برخیز
چو نرگس خواب چند از خواب برخیز"

شہا نظرِ کرم سوئے گدا کُن	دلِ رنجور را از غم رہا کُن
سرِ ما را بہ پائے خود رسا کُن	ادیمِ طائفی نعلین پا کُن
شراک از رشتۂ جانہائے ما کُن

جمالت بے نشانے را نشانی	بہ تو نازد بہارِ جاودانی
تُو ہستی چارۂ دردِ نہانی	"بروں آور سر از بردِ یمانی
کہ رُوئے تُست صبحِ زندگانی

نباید شانِ عز و جاہ ما را	نباید بزمِ نجم و ماہ ما را
بہ شہرِ خود طلب یا شاہ ما را	"قضا می افگند از راہ ما را
خدا را از خدا درخواہ ما را"

غریبے طالبِ گُم کردہ راہے	بدرگاہت ہمی جوید پناہے
خوشا بندہ کہ دارد چو تو شاہے	"تو ابرِ رحمتی آں بہ کہ گاہے
کُنی بر حالِ لب خشکے نگاہے"

ادبیات

غزل

(از جناب مہجور شمسی)

خدائے نغمہ و پروردگارِ فن، بیٹھے
وہ انجمن میں لئے، اپنی انجمن بیٹھے

کھڑے ہیں دیر و حرم، کب سے بہرِ استقبال
تمہارے ساتھ لیے شیخ و برہمن بیٹھے

قبائے اطلس و کمخواب بانٹنے والے
رفو کرے ہیں وہ اب اپنا پیرہن بیٹھے

کسی حسیں کو خدائی، اگر خدا کہہ دے
یہ کیا؟ کہ آدمی پروردگار بن بیٹھے

دلوں کے چور ہوئے بیشمار، آئینے
وہ دیکھتے ہی لیے، اپنا بانکپن بیٹھے

ہمیں، حضور کی خلوت سے بھی ہے پیار، مگر
کھڑی ہے دیر سے کہیئے تو انجمن بیٹھے

صنم تراش، ازل سے ہے تیشۂ مزدور
ابھی کھڑی ہو قیامت، جو کوہکن بیٹھے

ستوں کھڑے ہیں محبت کے، دوشِ یزداں پر
کرے ہیں کام جو اُن کا ہے، اہرمن بیٹھے

سکون، دل کو ملا، اجنبی دیار سہی
وطن میں جیسے ہیں مہجورؔ بے وطن بیٹھے

غزل

(جناب ڈاکٹر کلیم عاجز صاحب، پٹنہ)

ہاتھ میں جام لئے، دوش پہ مینا رکھے
ساقی اب آئے بہت ہم کو نہ پیاسا رکھے

دل اُسی کا ہے وہ برباد کرے یا رکھے
جس طرح چاہے چمن کو چمن آرا رکھے

ہم نشیں اور ہیں کچھ تو ادب ان کا رکھے
درد پہلو میں بہت پاؤں نہ پھیلا رکھے

راہ میں فرش ہیں اربابِ چمن کی آنکھیں
دیکھ کر بادِ بہاری قدم اپنا رکھے

دوسرا کون ہے، بازارِ وفا میں ہم سا
جنس نایاب بھی دے، دام بھی سستا رکھے

دیکھ لے آج کہ اب تک کسی قابل ہم ہیں
کل خدا جانے زمانہ ہمیں کیسا رکھے

دل ہی کمبخت ٹھکانے نہیں رہتا عاجزؔ
کسی توقع پہ کوئی دل میں تمنا رکھے

غزل

(از جناب تاج پیامی، آرہ)

خورشید اُگانا ہے، نئی صبح کا گھر میں
کب تک کوئی زندہ رہے اُمّیدِ سحر میں

منزل کی تمنا ہے تو ہمت بھی جواں ہو
ملتے ہیں بہت سنگِ گراں راہ گذر میں

احساسِ خودی حسن کا دشمن ہوا، اے دل!
جچتا ہی نہیں کوئی بھی اب اپنی نظر میں

کیوں دل پہ اثر حسن کا ہوتا ہی نہیں ہے
کیا جلوۂ نیرنگ نہیں شام و سحر میں!؟

کہتے ہیں مسرت جسے ہم سے بھی ملانا
مل جائے کہیں تم کو جو دنیا کے سفر میں

احساسِ غمِ دل نے ہمیں دن یہ دکھائے
بے قدر ہر اک چیز ہوئی اپنی نظر میں

جب سے غمِ ایام کی لَو تیز ہوئی ہے
الفت کے دیئے بجھنے لگے دل کے نگر میں

دل شاد ہوئے تاجؔ! تو اک عمر بھی کم ہے
ہر لمحہ قیامت ہے، مگر دیدۂ تر میں

دلِ راانزدِ کہ ماند در اختیارِ مولیٰ

(از جناب مولانا حکیم سید محمد طٰہٰ کمال ندوی، استاذ شعبۂ سینئر مدرسہ شمس الہدیٰ پٹنہ)

نازیم بر دلے کاو (کو) شد محوِ حسنِ یارے — از گلستانِ خوبی چیدیم گلعذارے
چشم است چشمِ ماکایں (کیں) گرید بہ یادِ دلبر — قلب است قلبِ ماکیں (کیں) دارد غمِ نگارے
از روشنئ الفت روشن فضائے عالم — واز روحِ "عشق بازاں" در ہر چمن بہارے
اوج است اوجِ دل کاو (کو) شد چرخِ مہرِ خوبی — مہر است مہرِ ما کاو شد مہرِ روزگارے
خوش طالعم کہ برمن سایہ فگن تو گشتی — ظلِّ ہُما نہ خواہم نے سایۂ چنارے
دل را انزدِ کہ ماند در اختیارِ مولیٰ — دل را بہ عہدِ پیشیں کے بود اختیارے
در دستِ نازِ جاناں دادم زمامِ ارماں — بر مرکبِ محبت باید چنیں سوارے
از رنگ و بوئے جامم دریا شراب گردد — پیمانۂ بنوشم چوں نزدِ جوئبارے
از فضلِ ایزدی من ہم دستگیر گشتم — نازم بدست خود کاو بگرفت دست یارے

تحقیرِ ما فقیراں کردی کمال! آمّا
مارا بدرگہِ حق قدر است و ہم وقارے

۲۶ رمضان ۱۳۹۲ھ مطابق ۳ نومبر ۱۹۷۲ء

از دفتر "الافکار" نعمان حکیم پٹنہ ۱۲

مکتوب بخدمت حضرت مولانا شاہ محمد امان اللہ صاحب مدظلہ سجادہ نشین خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف

(از مولانا ابوالکمال حکیم سید محمد طٰہٰ کمال ندوی استاد مدرسہ شمس الہدیٰ پٹنہ)

محترم المقام حضور زیب سجادہ خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف دامت معالیکم و برکاتکم و مدا اللہ فیوضکم

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

۱۶ رمضان کو عزیزی سید اشرف امام سلمہ کی معرفت آپ کا گرامی نامہ ناچیز کے عریضہ کے جواب میں موصول ہوا تھا۔ چونکہ میں نے عزیزی اسمٰعیل حسنین نقوی سلمہٗ کو ایک خط لکھا تھا جس میں ان کو چند باتوں کے علاوہ یہ خاص بات بھی لکھی تھی کہ وہ حضرت سید العلماء احمدی قادری قدس اللہ سرہٗ کا مجموعہ کلام (خواہ وہ قلمی ہو یا مطبوعہ) حاصل کر کے مجھے دیں تاکہ میں ان کے کلام کی روشنی میں یہ سمجھ سکوں کہ ان کا مسلک "توحید وجودی" تھا یا "توحید شہودی" کا۔ لیکن نقوی آج تک میرے پاس نہیں آئے۔

آپ نے اپنے گرامی نامہ میں ان کے اجمالی حالات تحریر فرما کر مجھے ان کی ذات مقدس سے واقف فرمایا ہے میں تہ دل سے آپ کا شکر گزار ہوں آپ نے ارقام فرمایا ہے کہ "حضرت سید العلماء قدس سرہ نے ۱۲۵۱ھ میں وفات پائی ہے" گویا ۱۴۱ برس پہلے کے بزرگ ہیں۔ جہاں تک میرا حافظہ کام کرتا ہے حضرت مرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ حضرت سید العلماء قدس سرہٗ سے بھی بہت پہلے کے بزرگ ہیں اور اپنی رباعی میں ان پر سبقت رکھتے ہیں۔

بہرحال خوبصورتی اور معنی خیزی تو اس میں تھی کہ ناچیز کے مضمون سے حضرت مرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ و قدس اللہ سرہٗ کی رباعی حرف غلط کی طرح مٹائی نہ جاتی بلکہ اس رباعی پر ذیلی حاشیہ کا نشان لگا کر ادارہ المجیب کی طرف سے حضرت سید العلماء کی رباعی لکھ دی جاتی۔ اس سے فائدہ یہ ہوتا کہ موخر الذکر رباعی موید بن جاتی اور مضمون کی معنی خیزیوں میں اضافہ ہو جاتا اور میرے لئے بھی عذر و اعتراض کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی۔

چونکہ اقبال مرحوم "توحید وجودی" کا مسلک رکھتے تھے اس لئے ناچیز نے "توحید وجودی" کے سالکوں کی اصلاح کے لئے حضرت مرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ کی رباعی لکھی تھی۔ حضرت سید العلماء قادریؒ کی رباعی سے مجھے یہی اندازہ ہوتا ہے کہ وہ "توحید شہودی" کا مسلک رکھتے تھے۔ توحید شہودی کے قائلوں کے لئے اتنے خطرات نہیں ہیں، جتنے "توحید وجودی" کے قائلین کے لئے ہیں۔ سید العلماء رحمۃ اللہ علیہ کی رباعی سے الفاظ سے مترشح ہوتا ہے کہ وہ وفی انفسکم افلا تبصرون ○ کے مراقبہ کا بہترین ثمرہ ہے۔ انہوں نے اپنی کیفیت فنا فی اللہ و بقا باللہ کا مفہوم اپنی رباعی میں پیش فرمایا ہے۔

ناچیز حضرت امام الاولیاء حاجی حافظ سید وارث علی شاہ (دیوی شریف) رحمۃ اللہ علیہ کے شجرہ کے توسط سے حضرت

سیدنا عبدالرزاق قادری (سرکار بانسہ شریف) کے شجرۂ بیعت سے منسلک ہے ناچیز کے شیخ و پیر حضرت والد محترم تھے، بہرحال یہ ناچیز بھی قادری ہے (قادری رزاقی) اور چشتی نظامی وارثی بھی ہے اور فردوسی و سہروردی بھی ہے۔ گو نام نہاد ہی ہے لیکن اپنے کو کہتا سب کچھ ہے۔ اللہ ان دعووں میں سچا بنا دے۔ آمین

یہ ناچیز پھلواری شریف کے تمام اولیاء اللہ سے بلکہ دنیا کے سارے اولیاء اللہ سے "الا ان اولیاء اللہ کلھم کنفس واحدۃ" کے پیش نظر سب سے روحانی وابستگی "تحابب فی اللہ" کی روشنی رکھنا چاہتا ہے و اللہ المستعان و علیہ التکلان

حضور کی دیرینہ کرم فرمائیوں سے قوی امید ہے کہ المجیب کی آئندہ اشاعت میں (یعنی شوال کے نمبر میں) اس عریضۂ نیاز کو شائع کر دینے کا حکم صادر فرمائیں گے۔

میں آج عید الفطر کی نماز ادا کرنے کے لئے اپنے وطن آب گلہ (گیا) جا رہا ہوں۔ حضور سے اس عریضۂ نیاز کی اشاعت کا خواستگار رہوں۔

والسلام مع الاکرام والاحترام

احقر العباد محمد طٰہٰ کمال ندوی آب گلوی

بقیہ افادات

کبھی تو عین فرح و بسط میں بے خود ہو کر یہ نعرہ لگاتے ہیں سبحانی ما اعظم شانی اور ایک وقت یہ حالت بھی ان کی ہوتی ہے کہ سگ و خوک عالم کے برابر اپنے کو سمجھتے ہیں اور مغان آتش پرست کو اپنی ذات پر فضیلت دیتے ہیں ہر طرح کے لعن و طعن کا سزاوار اپنے کو سمجھتے ہیں اور سب عیب اپنے میں موجود پاتے ہیں جو شخص ان کو پتھر مارتا ہے اس کا منہ شکر سے بھرتے ہیں اور جو شخص ان پر لعنت کرتا ہے اس کو دعا خیر سے یاد کرتے ہیں اور جو شخص دست حقد سے آزار پہنچاتا ہے اس کے ساتھ وفا کرتے ہیں۔ تم نے نہیں سنا ہے کہ وہی خدا کا خاص بندہ ہے جو کمال فردیت و مشاہدہ جمال احدیت کے عالم میں سبحانی ما اعظم شانی کا نعرہ مارتا ہے۔ دم باز پسیں (وقت رحلت) اس نے کیا کیا اپنی گردن میں اس نے دعا کا لپیٹنا شروع کیا، لوگوں نے پوچھا اے پیر طریقت و حقیقت کیا کرتے ہیں اس نے جواب دیا کہ زنار توڑتے ہیں اور اسی وقت یہ بھی اس نے کہا کہ تنگری تنگری ہم وہی ترک نو مسلمان ہیں۔ ہم وہی ترک نو مسلمان ہیں۔

رباعی

گہ با کف بریم و گہے درویشم   گہ با دل پر نشاط گہ دل ریشم
گہ باز پسیں خلق وگہ درویشم   من بوقلموں ... خویشم

والسلام

کوائف و حالات

رازو نیاز بلبل و گل ہم سے پوچھئے — نرگس کی آنکھ بن کے رہے ہیں چمن میں ہم

کچھ اپنی —— کچھ دوسروں کی ——

دو سائنسی ایجادیں

(۱) سُوئی کے بغیر چلنے والا گراموفون! ایک امریکی فرم نے ایک ایسا گراموفون ایجاد کیا ہے۔ جس پر ریکارڈ بجانے کے لئے سوئی کی ضرورت نہیں۔ سوئی کی بجائے اس میں روشنی کی ایک چھوٹی سی شعاع کا استعمال کیا جاتا ہے۔ جو ایک لینس (شیشہ) سے ریکارڈ کی لکیر پر مرکوز کی جاتی ہے۔ روشنی لکیر سے اُچھل کر آواز میں منتقل ہو جاتی ہے۔ ایک روایتی گراموفون میں سوئی کو جیسے سوئی کے خانہ میں ڈال کر کس دیا جاتا ہے اور گھومنے والے ریکارڈ کی لکیر پر رکھ دیا جاتا ہے۔ گھومتی ہوئی لکیر سوئی میں ارتعاش پیدا کرتی ہے اور یہ ارتعاش صوتی لہریں پیدا کرتا ہے۔

امریکی فرم کے ایک ترجمان کے مطابق چونکہ نئے گراموفون میں کوئی شئے (سُوئی) ریکارڈ کی سطح سے رابطہ پیدا نہیں کرتی۔ اس لئے اس کے گھساؤ کا عملاً خاتمہ ہو گیا ہے۔ سوئی سے بے نیاز اس گراموفون سے بڑی صاف آواز نکلتی ہے اور چونکہ اس میں گھساؤ نہیں ہوتا۔ اس لئے ریکارڈ کی عمر میں بہت زیادہ اضافہ ہو جاتا ہے۔

(۲) اب دانتوں کے ذریعہ سنا جا سکے گا! کیلی فورنیا یونیورسٹی (لاس اینجلز) میں ایک دانتوں کے ماہر سائنس داں ڈاکٹر اول کولارڈ نے (امریکن نیشنل ایسوسی ایشن فار ڈینٹل ریسرچ) کو بتایا ہے کہ انہوں نے ایک چھوٹا سا وائرلس تیار کیا ہے، جس کی بدولت کوئی شخص اپنے دانتوں کے ذریعہ سن سکتا ہے۔ کسی دانت کے ساتھ ایک برقی مقناطیسی ٹرانس ڈیوسر باندھ دیا جاتا ہے جسے چلانے کے لئے ریڈیو لہروں کے سگنل استعمال کئے جاتے ہیں، جسے دانت کے ذریعہ دماغ کے مرکز سامعہ میں پہنچایا جاتا ہے۔ جہاں وہ واقعی آوازوں کی صورت میں سنے جا سکتے ہیں۔

آزادی کے بعد جاری کئے گئے ڈاک ٹکٹوں کی نمائش:

ہندوستان گیر پیمانہ پر ڈاک و تار ہفتہ ۱۳ سے ۱۹ نومبر ۱۹۷۲ء تک منایا گیا۔ صوبہ بہار میں بھی ڈاک تار ہفتہ بڑے تزک و احتشام سے منایا گیا۔ اس موقع پر آزادی کی سلور جبلی کے موقع پر آزادی کے بعد محکمہ ڈاک و تار کے ذریعہ جاری کئے گئے

ٹکٹوں کی نمائش کا اہتمام "بہار فیلاٹیلک سوسائٹی" نے جنرل پوسٹ آفس کی عمارت کے بڑے ہال میں منعقد کیا۔ ۱۴ر نومبر کو ۱۱½ بجے دن میں وزیر اعلیٰ بہار شری کیدار پانڈے نے انچوتے ، البیلے اور خوبصورت پرانے اور نئے ڈاک ٹکٹوں کی نمائش کا افتتاح کیا۔ اس موقع پر سوسائٹی کی جانب سے سات دنوں کے خاص تاریخی لفافے جاری کئے گئے اور ان پر IN DEPSILPEX 72 (انڈیپینڈنس سلور جوبلی فیلاٹیلک اکزیبیشن) کی خاص مہریں لگائی گئیں۔ وزیر اعلیٰ بہار نے سوسائٹی کے ڈائرکٹر جناب اسمٰعیل حسنین نقوی کے آزادی کے پہلے اور بعد کے پوسٹل اسٹیشنریز (لفافے، پوسٹ کارڈ وغیرہ) اور سوسائٹی کے صدر شری ایل کے جین کے آزادی کے پہلے کے ہندوستانی نادر ڈاک ٹکٹوں کو بغور دیکھا اور اسے کافی سراہا۔ اس موقع پر سوسائٹی کی جانب سے ایک "سووینیر" (یادگار رسالہ) بھی شائع کیا گیا۔ اس کے بعد ٹیلیفون اور اس کے جدید سائنسی آلات کی نمائش کا افتتاح کیا۔

مسٹر رچرڈ ایم نکسن، دوبارہ امریکی صدر منتخب

امریکہ کے صدارتی انتخاب کی تازہ ترین اطلاعات کے مطابق مسٹر رچرڈ ایم نکسن دوسری بار امریکہ کے صدر منتخب کئے گئے ہیں۔ ان کی حکومت چار سال قائم رہے گی۔ امریکہ کے ۵۰ سے ۴۹ صوبوں میں نکسن کو ریکارڈ توڑ کامیابی حاصل ہوئی ہے۔ صدر نکسن کو ۴۲۲۸۱۲۶ یعنی ۶۲ فی صد ووٹ ملے اور ڈیموکریٹک پارٹی کے امیدوار مسٹر میک گورن کو ۳۷ فی صد یعنی ۳۲۵۱۹۱ ووٹ ملے۔ صدر نکسن کو جس وقت کامیابی کا اعلان کیا گیا، اس وقت وہ وہائٹ ہاؤس میں اپنے دفتر میں اکیلے تھے۔ مسٹر نکسن نے بھاری اکثریت سے صدر چنے جانے کے بعد ٹیلی ویژن پر اپنی پہلی تقریر میں یہ یقین دلایا کہ وہ وقار کے ساتھ امن قائم رکھنے کی کوشش جاری رکھیں گے اور اس بات کا بھی یقین دلایا کہ ویت نام میں باعزت اور امن پسندانہ سمجھوتہ کریں گے۔ مسٹر نکسن کے دوبارہ صدر منتخب ہونے پر ساری دنیا میں ملا جلا ردعمل ہوا ہے اور چین نے امریکہ سے تعلقات مزید بہتر بنانے کی امید ظاہر کی ہے۔

شعراء کو اوارڈ سے نوازا گیا

مرکزی وزارت تعلیم حکومت ہند نے اردو کے نامور شاعر اور انجمن عروج ادب دہلی کے نائب صدر جناب ساحر ہوشیارپوری کے مجموعہ کلام "سحر نغمہ" کو ۷۲-۱۹۷۱ کے لئے غزل کا بہترین مجموعہ قرار دیا ہے اور مبلغ ایک ہزار روپیہ نقد انعام دینے کا اعلان کیا ہے۔

مہاراشٹر اکاڈیمی بمبئی نے اردو، ہندی، مراٹھی اور گجراتی شعراء کو ان کے بہترین تصنیفوں پر انعامات سے نوازا ہے۔ اس سلسلہ میں ایک تقریب منعقد ہوئی، جس میں مہمان خصوصی کی حیثیت سے مہاراشٹر کے گورنر جناب نواب علی یاور جنگ کی بیگم نے انعامات تقسیم کئے۔ جناب فراق گورکھپوری بھی اس موقع پر شریک تھے۔ ہندی میں غالب انعام ہندی کے مشہور شاعر رام دھاری سنگھ دنکر کو، اردو میں تلسی انعام اردو کے مشہور شاعر جناب سردار علی جعفری کو اور دوسرا انعام ممتاز اردو شاعر جناب اعجاز علی صدیقی (مدیر ماہنامہ شاعر بمبئی) کو پانے کا فخر حاصل ہوا۔ اس ادبی تقریب میں جناب خواجہ احمد عباس نے مہمانوں کا خیر مقدم کیا۔

صوبہ بہار کا ساتواں اردو روزنامہ

آزادی کے بعد اب تک صوبہ بہار سے ساتھی، صدائے عام، سنگم، صداقت، پیغام، نہرو اور راہ رو روزنامے شائع ہوتے

آرہے ہیں۔ ۱۰ نومبر ۱۹۷۲ء روز جمعہ کی شام کو مقامی پرنس ہوٹل میں مدیر اعلیٰ پروفیسر نور الہدیٰ اور مدیر جناب اظہر حسین نے ساتو روزنامہ طاؤس کا پہلا ایوننگ ایڈیشن جاری کرکے جشن اجراء کی تقریب منعقد کی۔ جس کا افتتاح وزیر مالیات شری داروغہ پرشاد نے کیا۔ اس پر وزراء ممبران اسمبلی، پروفیسران مدیران اخبارات اور اخباری نمائندوں نے شرکت کی۔ "طاؤس" روزانہ شام کو دن بھر کی تازہ خبر شائع کرے گا۔ اُردو داں طبقہ نے ساتویں روزنامہ کا خیر مقدم کیا ہے۔

دارالعلوم مجیبیہ پھلواری شریف ۔ پٹنہ

دارالعلوم کی تعطیل سالانہ ۱۱ شوال کو ختم ہوتی ہے اور ۱۲ شوال کو ضابطہ کے مطابق دارالعلوم کھل جائے گا۔ اس کے بعد تدریسی شروع ہو جائیں گے۔ منتہی اور ابتدائی تمام درجے کھل جائیں گے۔ جملہ درجات عربی و ابتدائی و درجہائے حفظ میں تعلیمی سلسلے شروع جائیں گے۔ داخلہ کے لئے نئی درخواستیں کافی آچکی ہیں اور تمام درجات کے طلباء کی تعداد متعین کر دی گئی ہے۔ اس لئے اب مز درخواستوں کی ضرورت نہیں ہے۔ اطلاعاً تحریر کیا جارہا ہے۔

جناب جسٹس سید اکبر حسین کی بے وقت موت

چھپتے چھپتے بذریعہ فون اطلاع ملی کہ پٹنہ ہائی کورٹ کے جج، سید احمد خاں کی قائم کردہ محمڈن ایجوکیشن کمیٹی کے زیر نگراں چلنے والے تعلیمی ادارے محمڈن اینگلو عربک اسکول اور اورینٹل کالج پٹنہ سیٹی کے سکریٹری اور مختلف مذہبی اور سماجی اداروں کے سرگرم رکن الحاج مسٹر جسٹس سید اکبر حسین نے ۷ نومبر کو ۴ بجے فجر کے وقت اپنی قیام گاہ (بیلی روڈ) میں داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ آپکی عمر ۵۶ سال تھی۔ مرحوم پٹنہ کے ممتاز ترین خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ مرحوم نیک طبیعت، انصاف پسند اور صاحب خیر تھے۔ ادب اور شعر و شاعری سے کافی دلچسپی رکھتے تھے اور مذہبی امور میں انہماک بھی۔

مرحوم کو اللہ تعالیٰ جوار رحمت سے نوازے۔ ادارہ "المجیب" مرحوم کے پسماندگان کے غم میں برابر کا شریک ہے۔

چاند کی خبر ۔ اور عید سعید کی تہنیت

۲۹ رمضان المبارک منگل کو چاند ہونے کی مصدقہ اطلاعیں ہزاری باغ، رانچی، ڈالٹن گنج، گیا، چکردھرپور اور... سے آئیں۔ ٹرنک کال کے ذریعہ ان تمام خبروں کی تصدیق کی گئی اور وہاں کے علماء نے اپنے اپنے اعلانوں کی اطلاعیں دے دیں... شریف میں دس بجے شب کو چاند تسلیم کرکے اعلان کر دیا گیا۔

یکم شوال مطابق ۸ نومبر روز بدھ کو پورے صوبہ بہار میں عید منائی گئی اور تمام مسلمانوں نے ماہ رمضان المبارک... ادائیگی کی خوشی اور عید سعید کی مسرتوں میں حصہ لیا۔ ادارہ بھی عید سعید کے مبارک اور نیک ساعت پر اپنے تمام ناظرین... میں عید کی تہنیت پیش کرتا ہے۔ ۱۱ شوال، مطابق ۱۸ نومبر ۱۹۷۲ء روز سنیچر ہوگا۔

NOVEMBER, 1972] [Regd. No. P. 1074

Phone : No. 23289

The ALMUJEEB Monthly

PHULWARI SHARIF, (PATNA)

The Only and most widely Circulated Urdu monthly of Bihar